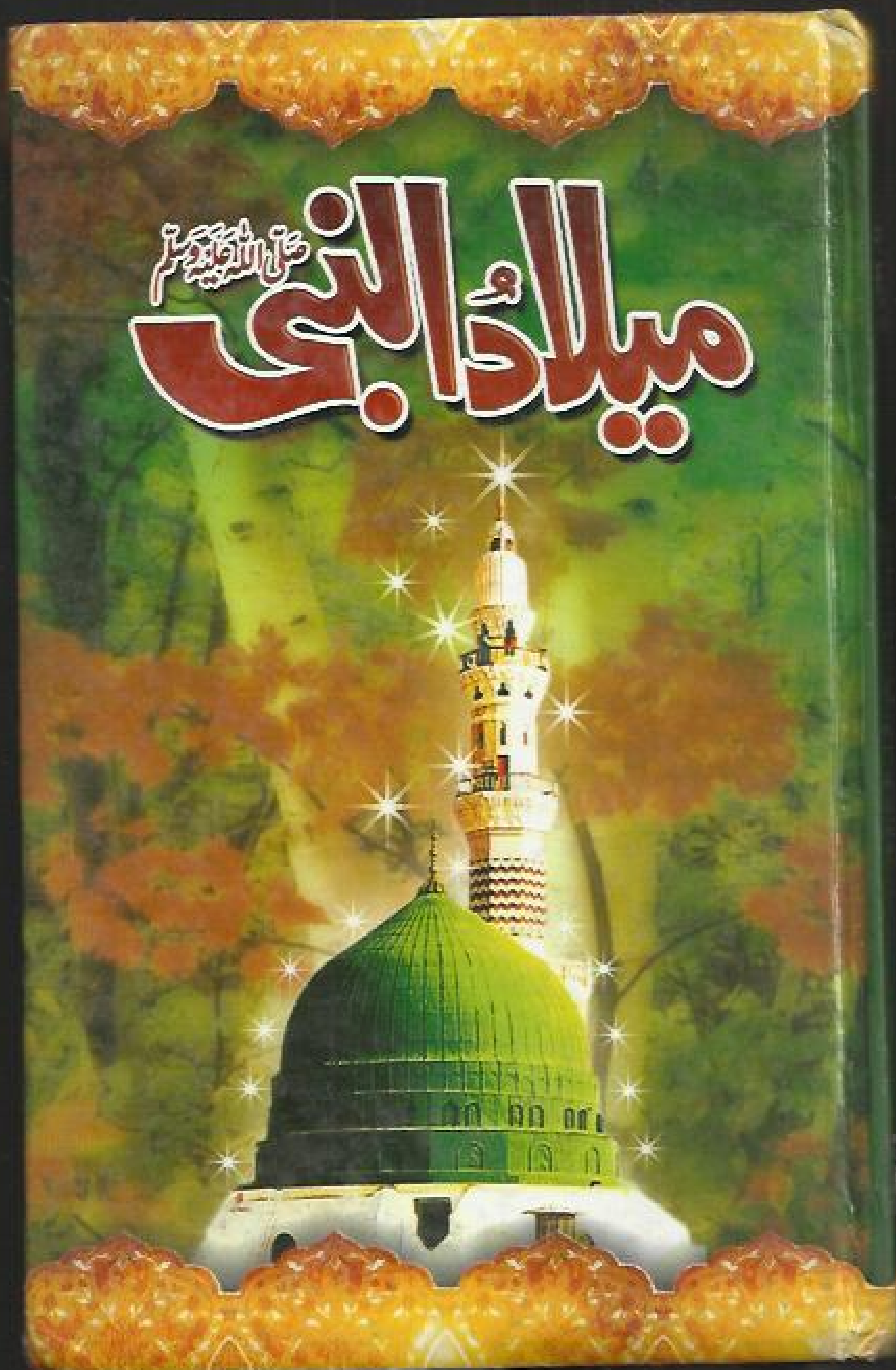


میلادُ النبی ﷺ

میلاد النبی ﷺ

میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے

فکر انگیز مواعظ کا مجموعہ

حکیم الامت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشران:

بک کارنر شوروم

بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ جہلم

نام کتاب .... میلاد النبی ﷺ
مصنف .... حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
کمپوزنگ .... بک کارنر شوروم جہلم
پروف ریڈنگ .... مرزا صفدر بیگ / حافظ عمر
سرورق .... امر شاہد
مطبع وناشر .... بک کارنر
پرنٹرز پبلشرز اینڈ بک سیلرز جہلم
ہدیہ .... [illegible]/- روپے

ملنے کا پتہ:
بک کارنر شوروم
بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ، جہلم
فون نمبر: 0544-614977 موبائل: 0321-5440882
ای میل: showroom@bookcorner.com.pk
www.bookcorner.com.pk

فہرست

کلمات بابرکت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ... 11

وعظ النور ... 13

آیت میں نعمتوں پر امتنان ہے: ... 14
اس آیت کو اختیار کرنے کی وجہ: ... 14
فضیلت ذکر رسول اللہ ﷺ ... 15
حضرت حاجی صاحب کے استغراق فی التوحید کی حکایت: ... 15
تحقیق اسماء جلالیہ وجمالیہ: ... 15
من احب شیاً واکثر ذکرہ: ... 16
ذکر ولادت حضور ﷺ کے مساوی درجہ میں ہیں: ... 17
حضور ﷺ کا غصہ اور خفگی بھی مثل دیگر حالات لائق ذکر ہے: ... 18
حضرت ابوذرؓ کی محبت کی حکایت: ... 18
حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت: ... 19
عود بذکر حضور ﷺ ... 19
افضلیت وترجیح ذکر افعال واحکام بذکر ولادت: ... 20
حضور ﷺ کے حالات ولادت شریفہ کے متعلق شرعی ضابطہ: ... 20
قیام مولد کی حقیقت واصل: ... 21
متقشفین کی تصنع سے بچنے کی حکایتیں: ... 21
قیام مجالس مولود مروجہ سے ہمارا منع کرنا موجہ ہے: ... 22
نفس قیام منع نہیں ہے: ... 22
قیام وجدی میں تمام اہل مجلس کے قیام کی وجہ: ... 22
شاہجہان پور کے ایک صوفی کی حکایت: ... 23
ہم قیام رسمی کو منع کرتے ہیں نہ کہ حالت وجدیہ کو: ... 23
مولودیوں میں کسی کے اندر بھی قیام کے شرائط موجود نہیں ... 23
قیام مولد رسمی کے مرتبہ میں نہیں رہا بلکہ فساد عقائد تک نوبت پہنچی ہے: ... 23
بعض لوگ ترک قیام کو ترک ادب سمجھتے ہیں: ... 24

حضور ﷺ کے تمام احکام و افعال کا ذکر حضور ﷺ ہی کا ذکر ہے: 24
تمام اذکار و احکام نبوی میں سے ذکر میلاد ہی کو لوگوں نے کیوں اختیار کیا ہے: 25
اہل مولود کی محبت رسول کی مثال 25
ایک صحابی کی سچی محبت نبوی کی حکایت 26
سچی محبت کے آثار: 26
رسم جدید عید میلاد النبی اور اس کے مقاصد 27
اہل بدعت کو اہل حق کی ضد نے مجبور کر رکھا ہے: 27
اہل حق سے ایک ضد کرنے والے کی حکایت: 28
بعض لوگ مجلس ولادت مروجہ کرنا باعث برکت جانتے ہیں: 28
بعض لوگ رونق تقریب کے لئے مولود کراتے ہیں: 28
ہمارا مسلک و اعتقاد رسم مولد کے بارے میں: 29
طاعون کا علاج حضور ﷺ کا ذکر شریف ہے: 29
ایک شاعر کی حکایت: 30
حضور ﷺ کے ذکر کی ترغیب اور روایات موضوعہ اور لغویات سے تحذیر 30
حضرت سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت: 31
آجکل لوگ خوش الحانی کے طالب ہیں: 32
آواز صاف ہونے کا ایک عجیب طریق: 32
عاشق کے موٹا ہونے کے معنی: 32
خوش الحانی مطلوب کی حقیقت: 33
حضور ﷺ کے ذکر شریف کا طریق: 33
کتاب نشر الطیب پڑھنے کی ترغیب اور طریقہ: 34
آیت صدر کو بیان کرنے کیلئے اختیار کرنے کی دوسری وجہ: 35
منع التخصیص وقت از ذکر شریف 35
آدم ﷺ کا جنت سے دنیا میں نزول فرمانا نعمت ہے: 35
ماہ ربیع الاول کے فضائل اور پھر ان فضائل سے تخصیص اس کی پھر بھی ممنوع ہے: 36
دوشنبہ اور جمعہ کی فضیلت میں دو اعتبار 37
رسم عید میلاد النبی ﷺ کا بے اصل و بدعت ہونا اور بدعت کی حقیقت مختلف پہلوؤں سے: 38
نفس ذکر شریف کا تاکد: 43

آیت صدر قد جاءکم الخ کی تفسیر اور ختم وعظ: 43
یوم ولادت کو عید منانے یا یوم وفات کو ماتم منانے کی ممانعت کا ایک نہایت لطیف اور عجیب نکتہ: 44
وعظ الظّہور 46
(اشعار مثنوی) قال مولانا الرومی فی الدفتر السادس من المثنوی 47
الوعظ...... تمہید متعلق مجموعہ وعظ و تعیین مضمون: 50
غلو فی الدین کی حقیقت اور اس سے ممانعت: 51
حق تعالیٰ کی حمد میں بھی غلو پایا جا سکتا ہے: 51
مدح اور حضور ﷺ کی نعت کے اندر غلو کا ناجائز ہونا اور اس کی حد شرعی: 52
آج کل لوگ ذکر ولادت میں حدود کی رعایت نہیں رکھتے ہیں: 53
وعظ ہذا میں حضور ﷺ کی تشریف آوری کا راز بیان فرمانے کی وجہ: 53
قرآن مجید کے اندر قصص و واقعات سے ان کی غایات مقصود ہیں: 54
راز ولادت شریفہ کو صوفیہ کے طرز پر بیان کیا جائے گا: 55
صوفیہ کی تحقیقات مخترع نہیں بلکہ ثابت بالکتاب والسنۃ ہیں: 56
صوفیہ کے اسرار اور تحقیقات کی صحت کا معیار: 56
جاہل فقیروں کی جہالت کی دو حکایتیں: 56
ماہ ربیع الاول کی فضیلت ایک عجیب طرز سے: 57
جواب اس شبہ کا کہ اہل بدعت اور تعیین سنت میں کیا فرق رہا۔ جبکہ اس بیان کے لئے ماہ ربیع الاول کی تخصیص کی گئی: 58
تمہید اصل مقصود: 60
مثنوی شریف مولانا رومی اور مولانا روم کی خوبیاں اور مولانا کی جامعیت و اعتدال: 60
آغاز مقصود: 63
قوم لوط کا قصہ: 63
حضرت مولانا فخر نظامی رحمۃ اللہ علیہ کے تصرف کا قصہ: 63
خلاصہ آیت کریمہ لعمرك الخ: 64
آیت لعمرك انهم لفی سكرتهم سے محبوبیت نبویہ کا استنباط: 64
حق تعالیٰ کی غیرت کا اقتضاء بعض اولیاء اور انبیاء کی بعض شانوں کا اخفا کیا ہے: 65
آیہ مذکورہ سے محبوبیت کیسے سمجھی گئی 65
جواب اس شبہ کا کہ کسی شے کی قسم کھانے سے محبوبیت نہیں سمجھی جاتی 66

قرآن واحادیث سمجھنے کیلئے علوم عقلیہ کی ضرورت اور یہ کہ اگر فطرت کج ہے تو علوم عقلیہ کی تحصیل کی ضرورت نہیں: 66
حضرت شاہ سید احمد اور مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب شہید کا قصہ: 67
تحصیل سے مراد علوم کی تحصیل ہے۔ صنع وتحصیل نہیں: 68
علماء کو دولت باطنی جلدی حاصل ہونے کا راز: 68
ہر شے کا شرف اس کی نوع کے اعتبار سے ہوتا ہے: 68
جواب شبہ مذکور: 69
حضور ﷺ کی ذات کا شرف اور حیات النبی ﷺ کی تفصیل: 69
مدعیان محبت نبویہ نے حضور ﷺ کی تشریف آوری کا راز ہی نہیں سمجھا: 71
حق و باطل کی مثال: 72
حضور ﷺ کی تشریف آوری کی غایت اور راز فیض فناء و بقاء کا افاضہ ہے: 72
مختصر فہرست مضامین متعلقہ افاضہ اور بقاء: 72
فناء اور بقاء کے معنی: 73
حضور ﷺ کا فناء و بقاء کے فیض میں کامل ہونا: 75
لفظ اصطلاحی زاہد و جاہل کے معنی: 76
حضور ﷺ خود بھی فانی و باقی تھے: 76
فیض باطنی کوئی مخفی اور راز کی شے نہیں ہے: 77
جمال احمدی کی یکتائی اور فناء و بقاء کے درجہ فضیلت میں آپ کا کامل ہونا: 77
غیرت نبویہ اور اس کا اقتضاء: 78
غیرت نبویہ کا مقولہ زبان حال سے: 79
دعویٰ رسوائی کا سبب ہے اور اتباع سلامتی کا رستہ ہے: 79
ایک میاں جی اور مہاجن کی لڑکی کا قصہ بر سبیل تمثیل: 79
آپ ﷺ کا شان تکمیل میں بے نظیر ہونا اور استعداد تکمیل کا طریقہ آپ ﷺ کے اتباع میں منحصر ہونا: 82
تفسیر تعبیر کی تحقیق: 82
جواب اس شبہ کا کہ انا فتحنا پر لیغفر لک اللہ کیسے مرتب ہوا: 83
تائید مضمون کتاب تحذیر الناس مصنفہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ از مثنوی مولانا رومیؒ: 85
حضور ﷺ کے فناء و بقاء کا فیض اب کس سے حاصل کرنا چاہئے: 86
معنی لطیف آیہ ما کان محمد ابا احد الخ وجواب تعارض وازواجه امهاتهم کہ جس سے ابوت حضور ﷺ کی ثابت ہوتی ہے: 87

وعظ السُّرُورْ 89

تمہید وعظ ہذا: 90
جو شے دائر ہیں السنۃ والبدعۃ ہو تو وہ سنت واجب الترک ہے: 91
حق تعالیٰ کی ہر نعمت قابل شکر ہے، خصوصاً تشریف آوری حضور ﷺ: 92
حضور ﷺ دینی و دنیوی نعمتوں کے سرچشمہ ہیں تمام عالم کیلئے: 92
اہل حق پر یہ بڑا بہتان ہے کہ وہ حضور ﷺ کے ذکر سے مانع ہیں: 93
جو شے خلاف قواعد شریعت ہے وہ قابل روکنے کے ہے: 93
حضور ﷺ کے ذکر شریف سے کسی مسلمان کو مفر نہیں: 95
غیرت کا مقتضا یہ ہے کہ حضور کا ذکر ہر وقت ہو اس کے لئے جلسہ کے منعقد کرنے کی ضرورت نہیں: 96
بڑا معیار محبت کا اطاعت حبیب ہے اور اہل میلاد اس سے خالی ہیں: 97
تفسیر آیہ کریمہ مذکورہ صدر مذکور: 98
بعض سالکین کا ایک سخت مغالطہ مع اس کے حل کے: 98
عود بہ تفسیر آیہ کریمہ: 100
ہم لوگوں میں نیاز کی شان نہیں ناز ہی ہے اور وہ بے محل ہے: 101
ناز بیجا کا انجام ہلاکت ہے مع ایک حکایت تمثیلیہ: 102
حق تعالیٰ پر اس ناز بیجا کی وجہ وعلت مع حکایات: 103
معتزلہ کی غلطی اس مسئلہ میں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اپنا حق سمجھتے ہیں۔ مع جواب: 104
اس آیت میں رحمت اور فضل سے قرآن مجید مراد ہے: 104
دوسری آیت میں رحمت اور فضل سے کیا مراد ہے: 104
آیہ کریمہ صدر وعظ میں فضل اور رحمت سے مراد حضور ﷺ کی ذات بابرکات ہے: 105
حضور ﷺ کے وجود باجود پر فرح کا مامور بہ ہونا اور بدلالت آیت قل بفضل اللہ الخ: 106
حضور ﷺ کے وجود باجود پر جو فرح کا امر ہے اس میں مابہ الفرح کیا ہے: 106
ذکر ولادت شریف اور نبوت شریفہ میں بڑا فرق ہے: 107
نبوت شریفہ پر ولادت شریفہ سے زیادہ خوش ہونا چاہئے: 108
مجالس میلاد مروجہ میں آجکل احکام ومسائل کا ذکر کرنا نامناسب جانتے ہیں: 108
مجالس میلاد میں مجمع کثیر کے اجتماع اور مجالس وعظ میں مجمع قلیل ہونے کی اصلی وجہ: 108
تعلق ولادت نبی ﷺ و یحییٰ ﷺ مذکورہ قرآن سے شبہ اور اس کا جواب: 109

بعض لوگوں کا گمان ہے کہ ولادت نبوی بطریق متعارف نہیں ہوئی: 110

دلیل اس امر کی حضور ﷺ کی ولادت شریفہ بطریق معہود ہوئی ہے: 110

حضور ﷺ کی ولادت بطریق متعارف ہونے کی حکمت: 111

حضور ﷺ کے جملہ کمالات نہایت لطیف ہیں: 111

چند ابیات مثنوی مولانا رومی مع شرح: 113

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سطوت وشوکت وقصہ دریائے نیل: 115

عود بشرح ابیات مثنوی شریف: 116

قصہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ در ذیل شرح اشعار مثنوی شریف: 116

آغاز مقصود وعظ یعنی اظہار فرحت علی ذکر رسول ﷺ کا طریقہ صحیح کیا ہے: 118

مجالس میلاد کرنے والے دو قسم کے ہیں بعض کی نیت اچھی اور بعض کی بری ہے: 118

تمام رسوم بدعات کے مٹ جانے کا ایک عجیب سہل طریقہ: 119

قاعدہ کلیہ بدعت وسنت کے پہچاننے کا: 120

بدعت اور سنت میں ایک عجیب فرق: 121

رسم میلاد النبی کی تردید دلائل اربعہ سے: 121

دلیل اول کتاب اللہ: 122

دلیل دوم حدیث رسول اللہ ﷺ حدیث اول: 122

حدیث دوم: 122

حدیث سوم: 124

روضہ اقدس پر اجتماع الزیارۃ کے شبہات کا جواب: 124

زیارت شریف کا باعث قربت اور آکد المستحبات ہونا: 125

قصد قبر شریف کی مانعین کی غلط فہمی اور جواب حدیث لاتشد الرحال الخ: 126

حدیث چہارم: 126

دلیل سوم اجماع: 127

دلیل چہارم قیاس: 127

رسم عید میلاد کی تائید کے دلائل مع جوابات: 128

استدلال اول آیت قل بفضل اللہ الخ سے مع جوابات: 128

دوسرا استدلال از حدیث در قصہ ابولہب: 129

تیسرا استدلال آیت واذ قال الحواریون الخ مع جواب: 129

چوتھا استدلال مع جواب: 130

پانچواں استدلال مع جواب: 131

رسم عید میلاد پر عقلی کلام: 132

رسم عید میلاد کی ایک عقلی دلیل مع جواب: 133

خاتمہ وعظ: 134

ضمیمہ وعظ ہذا: 134

خلاصہ مقصود وعظ یعنی حصہ دلائل وجواب دلائل متعلقہ عید المیلاد در قم زدہ حضرت مولانا صاحب مدظلہم العالے 135

وعظ الحُبُور 142

حضور ﷺ کی بعثت کی اصل غایت ایمان اور اعمال صالحہ ہے: 144

حضور ﷺ کے دبدبہ کا بیان: 144

حق تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کرنے کی غلطی: 146

ایک نیم ملا کا غلط معنی سمجھنے کے سبب حافظ کو قتل کر دینا: 147

عورت کی حکایت کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کیا: 148

مثل سابق کئی نادانوں کی حکایتیں: 148

بعض احکام کا حسن وقبح عقلی بمعنی مدرک بالعقل ہونا اور بعض کا نہ ہونا: 151

حضور ﷺ کے نور کے برکات کی دو قسم ہیں ایک اشیاء کے حضور ﷺ سے متعلق ہیں، دوسرے اہل معرفت کے صدور سے: 152

عید میلاد منانا بدعت وضلالت ہے: 153

انبیاء کی حیات برزخیہ شہداء کی حیات سے قوی ہے: 154

حضور ﷺ کے روضہ اقدس کی طرف دو شخص ملعون کی سرنگ کھودنے کا واقعہ: 155

حضور ﷺ کی قبر اقدس کا معجزہ: 156

جس قطعہ سے جسم اقدس مس کئے ہوئے ہے وہ عرش سے بھی افضل ہے: 156

استویٰ علی العرش کی تفسیر بدیع: 157

فرق لیبرتا ہیہ کے عدم خلود پر ایک شبہ کا جواب: 158

وعظ دوم ملقب بالحضور ﷺ نور الصدور: 160

صحابہ سلف کا تبرکات کے ساتھ معاملہ: 161

گلی میں فاتحہ: 161

خواب بابت جبہ شریف:	162
بعض مکتوبات محترمہ کے دوسرے تبرکات کا قبر میں رکھنا جائز ہے:	164
بعض محبین کی حکایت:	170
بدعات کے لئے وقف ناجائز اور باطل ہے:	170
جبہ شریف کیلئے نذریں ماننا حرام ہیں:	171
گیارہویں کرنے والوں کی تاریخ غلطی:	172
وعظ الشُّذُور	174
انقلابات امت کی اصلاح متعلق حضرت رسالت ﷺ	174
تتمہ مضمون سابق	177
رسول مقبول ﷺ کی افضلیت جبرئیل علیہ السلام پر:	182
از نشر الطیب چھتیسویں فصل:	187
بعض حکم ورود شریف	191
ضمیمہ الشذور یعنی مکتوب محبوب القلوب	195
محفل میلاد کی تحقیق اور اس کا بیان کہ جناب نبوی کے ساتھ دنیا کے بادشاہوں کا سا برتاؤ بے ادبی ہے	211
یہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مختصر اور جامع تحریر ہے جو رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ کے متعلق بعض اغلاط کے رفع کے لئے لکھی گئی ہے:	213
پہلا مراسلہ از طرف حضرت مولانا تھانوی مدظلہ العالی	215
جواب مراسلہ از طرف حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ	217
دوسرا مراسلہ از طرف حضرت مولانا تھانوی مدظلہ العالی	217
جواب مراسلہ دوم از حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ	222
تیسرا مراسلہ از مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ العالی	225
جواب مراسلہ سوم از طرف حضرت مولانا گنگوہی مدظلہ العالی:	228
چوتھا مراسلہ از مولانا الحاج المولوی اشرف علی صاحب مدت فیوضہ:	230
جواب مراسلہ چہارم از حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ:	233
پانچواں مراسلہ از مولانا المولوی اشرف علی صاحب دام اللہ ظلہ:	236
ترجمہ مراسلات	238
جواب حضرت مولانا قدس سرہ	240

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

کلمات بابرکات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

بعد حمد و صلوٰۃ یہ میرے پانچ وعظوں کا مجموعہ ہے جو ۱۳۳۱ھ سے ۱۳۳۵ھ تک کے ماہ ربیع الاول کی مختلف تواریخ میں مسلسل بیان کیے گئے، چار تو احقر نے خود بیان کئے اور ایک آخر کا احقر نے خود لکھا اور ایک عزیز سے بیان کرا دیا، جس کا مضمون مشترک ذکر نبوی ﷺ ہے اور خصوصیات متفاوت، مگر متقارب، اول النور جس میں ذکر شریف کے شرعی آداب ہیں، ثانی الظہور جس میں ولادت شریفہ کا راز بطریق صوفیہ مثنوی مولانا رومی سے بطرز عجیب ذکر کیا گیا ہے، ثالث السرور جس میں ولادت شریفہ پر سرور اور عید میلاد النبی ﷺ پر مفصل کلام کیا گیا ہے۔ رابع الحبور مشتمل بر دو جزو، جس میں ولادت شریفہ کی اصل و غایت بعثت نبویہ کا ہونا اور نور مبارک کے برکات ظاہرہ و باطنہ اور تبرکات کے ساتھ معاملہ اور بارھویں کا حکم بیان کیا گیا ہے، خامس الشذور جس میں حقوق حضرت نبویہ و حکمت درود شریف و عدد و ذکر شریف اور اس کے ضمیمہ میں مکتوب محبوب القلوب لکھا گیا ہے۔

مسئلہ ذکر ولادت شریفہ نبویہ و فضائل مصطفویہ کے متعلق اختلاف و افراط و تفریط ہو رہی ہے اس کی تحقیق کے لئے یہ مواعظ بالکل کافی و وافی ہیں اور یہی سبب ہوا مسلسل پانچ سال تک ان کو بیان کرنے کا۔

ہر چند کہ جدا جدا مطبوع ہوگئے تھے لیکن ہمیشہ سے یوں دل چاہتا تھا کہ ان سب کو اگر ایک جگہ جمع کر کے شائع کیا جاتا تو شائقین کو پورا ذخیرہ ایک جگہ مل جاتا اور اب اس خواہش میں اس وجہ سے تقویت ہوگئی کہ وہ مواعظ قریب قریب نایاب ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولوی جلال الدین احمد صاحب کو کہ انہوں نے اس کا تہیہ فرمالیا اور اپنے سلسلہ الاحیاء کا اس کو جزو بنادیا اور میں نے اس مجموعہ کا لقب ''مجمع النور'' (مواعظ میلادالنبی ﷺ) رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو مقبول ونافع فرمادے ع و یرحم اللّٰہ عبداً قال اٰمینا

فقط

اشرف علی تھانوی

عشرہ اخیرہ رجب ۲۸ھ

مقام تھانہ بھون

نبی خود نور اور قرآں ملا نور
نہ ہو کیوں مل کے پھر نورٌ علیٰ نور

وعظ ملقب بہ

النور

این	متی	کم	کیف	ماذا	لم	من ضبط	المستمعون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر	کیا مضمون تھا	سبب وعظ	کس نے لکھا	سامعین کی تعداد	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	۲۸ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ	۲ گھنٹے ۳۳ منٹ	بیٹھ کر	آداب متعلقہ ذکر نبوی ﷺ	اسال عید میلاد النبی ﷺ کا جابجا چرچا	سعید احمد تھانوی کان اللہ لہ	تقریباً ۱۵۰	ہر طبقے کے تھوڑے تھوڑے لوگ موجود تھے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له ونشهد ان سيدنا ومولٰنا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى اله واصحابه وبارك وسلم امابعد فقد قال الله تعالىٰ قَدۡجَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ۔

آیت میں نعمتوں پر امتنان ہے:

یہ ایک مختصری آیت ہے، اس میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی دو نعمتوں کا عطا فرمانا اور ان دونوں نعمتوں پر اپنا احسان ظاہر فرمانا بیان فرمایا ہے، ان دونوں نعمتوں میں ایک تو حضور ﷺ کا وجود باجود ہے اور دوسری نعمت قرآن مجید کا نزول ہے، ایک کو تو لفظ نور سے ذکر فرمایا ہے اور دوسرے کو کتاب کے عنوان سے ارشاد فرمایا ہے اور یہ توجیہ اس آیت کی ایک تفسیر کی بناء پر ہے یعنی جبکہ نور سے حضور ﷺ کا وجود باجود مراد لیا جائے اور اگر دوسری تفسیر اختیار کیا جائے یعنی نور اور کتاب دونوں سے قرآن مجید ہی مراد لیا جائے تو توجیہ بالکل جائے گی اور اس صورت میں عطف کتاب کا نور پر باوجود اتحاد ذات کے تغایر حیثیت وصفت کے اعتبار سے ہوگا کہ ایسی کتاب عطا فرمائی کہ اس میں ایک صفت نوریت کی ہے اور دوسری صفت کتابیت کی ہے اور اس توجیہ کی بناء پر بھی وہ تعداد نعمت فوت نہ ہوگا، یعنی وہ دو نعمتیں اب بھی رہیں گی لیکن ایک پر دلالت مطابقی ہوگی اور دوسری پر دلالت التزامی، یعنی قرآن مجید پر تو دلالت مطابقی ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور چونکہ قرآن مجید کا نزول حضور ﷺ پر ہوا اور حضور ﷺ کی برکت سے ہم کو یہ نعمت عطا ہوئی، اس لئے اسی کلام میں بطریق لزوم حضور ﷺ کے وجود باجود پر بھی دلالت ہوگی بہر حال دونوں بطریق مطابقت مذکور ہوں یا ایک بطریق مطابقت اور دوسری بطریق لزوم مگر ہر حال میں اس آیت میں دو نعمتوں کا ذکر ہے، یہ حاصل ہے، اس آیت کا، مگر قبل اس کے کہ اس کے متعلق کچھ بیان کیا جائے۔

اس آیت کو اختیار کرنے کی وجہ:

اس سوال کا جواب دیتا ہوں کہ اس وقت اس کے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہوئی، تو اول تو یہ سوال ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ حضور ﷺ کا ذکر مبارک ایسا نہیں کہ اس پر یہ سوال ہو سکے، مگر یہ سوال ہمارے کم سمجھ مدعیان محبت اخوان کی بدولت پیدا ہے اور وہ وہ لوگ ہیں جو آجکل مولد میں تخصیصات کے پابند ہیں سوان حضرات نے حضور ﷺ کے ذکر کو خاص خاص ازمنہ کے ساتھ مختص کر دیا ہے جیسے بعض مدعیان محبت حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ذکر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو محرم کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ ایسا ہی مدعیان محبت نے حضور ﷺ کے ذکر مبارک کو ربیع الاول کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور عجب نہیں کہ میرے اس وقت کے اس بیان سے کسی کے ذہن میں یہ بات آئی ہو کہ یہ بیان بھی شاید اسی وجہ سے ہو رہا ہے کہ یہ مہینہ اس بیان کا ہے اور اس کے ذہن میں آنے سے دو قسم کے لوگوں کو دو تعجب پیدا ہوئے ہوں متمسکین فی التخصیصات کو تو یہ تعجب ہے کہ یہ لوگ تو اس تخصیص پر کلام کرتے ہیں، پھر خود اس کا ارتکاب کرنے کی کیا وجہ۔ کیا ان لوگوں کے قول وفعل مطابق نہیں ہوتے اور مانعین تخصیصات کو

یہ تعجب کہ اس نے محققین کا مسلک کیوں چھوڑا، بہر حال چونکہ ایک خاص جماعت نے ذکر رسول کو خاص کر دیا ہے خاص اوقات کے ساتھ اسی لئے اس وقت میرے اس بیان پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے، ورنہ یہ سوال بالکل لایعنی تھا اور یہ کسی مسلمان کے دل میں پیدا ہو ہی نہیں ہو سکتا۔

فضیلت ذکر رسول اللہ ﷺ:

کیا حضور ﷺ کا ذکر مبارک ایسی چیز ہے کہ اس کی نسبت یہ سوال ہو سکے کہ اس وقت اس ذکر کو کیوں اختیار کیا گیا، حضور ﷺ کا ذکر مبارک تو ایسی چیز ہے کہ ہر وقت ہر انسان کے رگ وپے میں جاری وساری ہو بلکہ دوسرے اذکار بھی اسی ذکر کی طرف راجع ہو جایا کریں اور اس کو ہم نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے انسان ہر ذکر سے اسی کا ذکر نکال لیتا ہے اور گفتگو کا خاتمہ اسی کے تذکرہ اور یاد پر ہوتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب کے استغراق فی التوحید کی

حکایت:

حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ کو چونکہ محبت حق اور توحید میں کمال تھا اور توجہ بحق غالب تھی۔ آپ ہر بات کو توحید کی طرف منعطف فرماتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر بعض حکام مکہ کے تشددات کا تذکرہ شروع کیا کہ یوں ظلم کرتے ہیں، یوں پریشان کر رکھا ہے، مگر وہاں تو دل میں ایک ہی بسا ہوا تھا اور یہ حالت تھی کہ۔

خلیل آسا در ملک یقین زن
نوائے لا احب الآفلین زن

اور یہ حالت تھی کہ۔

ہمہ شہر پر زخوباں منم وخیال ماہے
چہ کنم کہ چشم یک بیں نہ کند بکس نگاہے

پس معاًہی فرماتے ہیں کہ آجکل اسماء جلالیہ کا نزول ہو رہا ہے اور اس کے بعد خدا تعالیٰ کے اسماء جمالیہ وجلالیہ یعنی لطیفہ وقہریہ کی تحریک ہونے لگی۔

تحقیق اسماء جلالیہ وجمالیہ:

اور اس اسماء جمالیہ اور جلالیہ کے وہ معنی نہیں جن کو عاملین اسماء جلالیہ وجمالیہ کہتے ہیں

اور جن میں ان کے نزدیک گوشت چھوڑ دینا ضروری ہے وہ تو ایک مخترع اصطلاح ہے بلکہ مراد اسماء جلالیہ سے اسماء قہریہ اور اسماء جمالیہ سے اسماء لطفیہ ہیں۔ تو یہ تحقق وغیرہ جو کچھ ہوتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ظہور ہوتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں، ظلم و ستم اگرچہ ہمارے افعال ہونے کی حیثیت سے اور ہمارے اعتبار سے معصیت ہے مگر اس کی تخلیق و تکوین میں بھی خدا تعالیٰ کے مصالح اور بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں، حتیٰ کہ میں نے اپنے استاد سے سنا ہے کہ دنیا میں چوری ہوتی ہے، مگر اس کا وجود بھی حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اگرچہ یہ تو اعتقاد ہے کہ خدا کی حکمت نے چاہا کہ کوئی ایسا ہو اور کوئی ایسا ہو اور اس فعل میں گناہ بھی ہوگا، بوجہ اس کے اختیاری ہونے کے مگر یہ ایسا ہے جیسے گھر میں پاخانہ ہوتا ہے کہ وہ تمام قطعات سے ارذل ہے لیکن مکان بغیر اس کے ناتمام ہے ایسا ہی عالم بدون کفر کے ناتمام ہے۔ ایک مرتبہ مجھے خیال ہوا کہ بزرگوں کے برکات کا تو مقتضا یہ ہے کہ ان کے مزارات پر خرافات نہ ہوا کرتے اسی شب خواب میں یہ شعر وارد ہوا۔

در کارخانہ، عشق از کفر ناگزیر است
آتش کرا بسوز دگر بولهب نہ باشد

اسی طرح چوری کیسی بری چیز ہے، مگر بہت سی حلال روزیاں اس کی بدولت ہیں، مثلاً لوہاروں سے عمدہ عمدہ قفل بنوائے جاتے ہیں، اور اسی کی بدولت بڑھئی سے مضبوط کواڑ تیار کرائے جاتے ہیں، پاسبانوں کو بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی ہیں، یہ سب اسی کی بدولت ہے، تو اسماء جلالیہ کے ظہور کے یہ معنی ہیں۔ تو حضرت حاجی صاحب فرمانے لگے کہ آجکل اسماء جلالیہ کا ظہور ہو رہا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ غیبت وغیرہ سب بھاگ گئی تو جس کے دل میں کوئی چیز بسی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کو ہر چیز میں اسی کا ذکر یاد آتا ہے جب ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کی محبت کا یہ اثر ہے تو جن لوگوں کو خدا اور رسول کی محبت نصیب ہے، ان کا تو کیا ذکر ہے جو لوگ دنیا کی کسی عورت یا کسی مرد پر عاشق ہو جاتے ہیں۔ ان کو دیکھئے، کہ ہر بات میں ہر تذکرہ میں ان کو اس کی یاد لگی رہتی ہے۔

من احب شیاء اکثر ذکرہ:

ایک کنجوس کی حکایت ہے کہ اس نے اپنے کسی دوست کو ایک مرغی دیدی تھی اب جب کبھی کسی بات کا تذکرہ آیا، اس کو فوراً وہ مرغی یاد آتی کہ زید اس دن گیا تھا جب ہم نے تم کو مرغی دی تھی، فلاں واقعہ اس دن ہوا تھا جب ہم نے تم کو مرغی دی تھی، غرض جو واقعہ ہوتا اس پر یہی ذکر، وہ مرغی ہر واقعہ کا پتہ بتلانے میں اس کے لئے ایسی ہوگئی جیسے ہندوستان کے لئے غدر، کہ غدر میں یوں ہوا تھا اور غدر میں ہماری عمر نو برس کی تھی تو جیسے ہندوستان کے لئے غدر تاریخ ہوگئی تھی۔ ایسے

ہی اس کے لئے مرغی تاریخ ہوگئی، آخر اس دوست نے تنگ آکر مرغی خرید کر اس کے حوالہ کی کہ بھائی تو مرغی لے لے اور اس ذکر کو چھوڑ۔ تو جس چیز کا خیال بندھ جاتا ہے وہ ہر وقت یاد آتی ہے۔

پس جس کو خدا اور رسول سے محبت ہو تو اگر ہر بات میں وہی یاد آئیں تو کیا عجب ہے صحابہ کرام ﷺ کی یہ حالت تھی کہ بات بات میں حضور ﷺ کا تذکرہ آجاتا تھا۔ حضرت ہند ابن ابی ہالہ ﷺ کی نسبت حدیث شریف میں ہے۔ کان وصّافاً لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه واٰله وسلم۔ آخر ہم کو دیکھئے کہ ہم مثلاً حاجی صاحب کے سلسلہ میں ہیں تو ذرا سے بہانہ سے اس سلسلہ کے بزرگوں کا ذکر شروع ہو جاتا ہے اور پھر اس کے قطع کرنے کو جی نہیں چاہتا، یہ محض محبت کے سبب ہے، اسی کو کسی نے کہا ہے۔

دید مجنوں را یکے صحرا نورد
در بیابان غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم
می نمودے بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنوں شیدا چیست این
می نویسی نامہ بہر کیست این
گفت مشق نام لیلے می کنم
خاطر خود را تسلی می کنم،

یعنی اگر مسمّیٰ میسر نہیں تو اسم ہی سہی۔ جب نفسانی کیفیت کی یہ حالت ہے تو خدا تعالیٰ کی محبت کی کیا حالت ہوگی۔

عشق مولےٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئی گشتن بہر او اولےٰ بود

کیا خدا کی محبت لیلیٰ کی محبت سے بھی کم ہے، اس کے واسطے تو بہانہ کافی ہے۔

ذکر ولادت حضور ﷺ کے مساوی درجہ میں ہیں:

اسی طرح حضور ﷺ کا ذکر شریف ہے کہ اس کے واسطے کسی اہتمام کی کیا ضرورت، وہ تو ہر بات میں آجانا چاہئے۔ نیز اس کی بھی کیا ضرورت ہے کہ اگر بیان ہو تو صرف ولادت شریفہ اور معجزات ہی کا بیان ہو۔ آپ کی تو ہر بات ذکر کے قابل ہے۔ نشست و برخاست، اخلاق وعادات، مجاہدات و ریاضات، افعال و احکام، اوامر و نواہی۔ مگر بات یہ ہے کہ انسان کا نفس راحت طلب ہے جس بات میں کچھ کرنا پڑتا ہے اس سے جان چراتا ہے تو ہر بات کے تذکرے

میں چونکہ احکام پر بھی عمل کرنا پڑتا۔ اس لئے اس کو بالکل ترک کر دیا۔ کان پور میں مجھ سے ایک شخص کہنے لگے کہ لوگوں نے مولود شریف کے منانے کا ایک اور بھی طریقہ ایجاد کیا ہے کہ اس میں نماز روزہ وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے اللہ اکبر! انصاف کیجئے کہ جو لوگ نماز وغیرہ کے تذکرہ کو حضور ﷺ کے ذکر کا منانا کہیں، کیا وہ محب رسول ہیں؟ صاحبو! یہ سب امور بھی تو حضور ﷺ ہی کا ذکر ہیں حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مولود کی بابت پوچھا گیا۔ فرمایا کہ میاں ہم تو ہر وقت ذکر مولد کرتے ہیں۔ کیونکہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں۔ اگر حضور ﷺ پیدا نہ ہوتے تو ہم یہ کیوں پڑھتے۔ غرض آپ کا ذکر تو ہر وقت ہی ہونا چاہئے۔

حضور ﷺ کا غصہ اور خفگی بھی مثل دیگر حالات لائق ذکر ہے:

پھر آپ کی ہر ادا کا ذکر ہونا چاہیے حتیٰ کہ آپ کے غصہ اور خفگی کا بھی ذکر ہونا چاہئے۔ محبوب کی تو خفگی اور تیزی بھی محبوب ہوتی ہے کسی نے کہا ہے۔

تم کو آتا ہے پیار پر غصہ
ہم کو غصہ پہ پیار آتا ہے

محبت وہ چیز ہے کہ واللہ العظیم اگر حضور ﷺ کے غصہ اور عتاب کا بھی ذکر ہو تو مزے لے لے کر ذکر کریں صحابہ کرام ﷺ نے اس راز کو سمجھا تھا اور محبت کی یہ دولت ان حضرات کو نصیب تھی۔

حضرت ابوذر ﷺ کی محبت کی حکایت:

حضرت ابوذر غفاری ﷺ اکثر آزادی سے پوچھتے تھے اور ان کے مزاج میں تحقیق کا مادہ تھا اور وہ ذرا آزاد تھے۔ لیکن یہ ان کا حال تھا ان پر اس سے ملامت بھی نہیں ہو سکتی مولانا فرماتے ہیں۔

گفتگوئے عاشقاں درکار رب
جوشش عشقست نے ترک ادب
بے ادب ترنیست زوکس در جهاں
با ادب ترنیست زوکس در جهاں

باادب تو اس لئے کہ جان و مال سے حاضر ہے اور بے ادب اس معنی کر کہ اس کے الفاظ ذرا بے ٹھکانے ہوتے ہیں۔ غرض حضرت ابوذر غفاری ﷺ ایک حدیث کے متعلق بار بار دریافت کر رہے تھے تو حضور ﷺ نے تیسری بار میں فرمایا کہ وان رغم انف ابی ذر یعنی تمہارا جی چاہے یا نہ چاہے، مگر اسی طرح ہوگا، حدیث یہ تھی کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہہ لے گا وہ جنت میں

داخل ہو جائے گا اور حضرت ابوذر غفاری ﷺ کو اس لئے تعجب ہوا کہ انہوں نے نفس ایمان لانے پر دخول اولی کو مرتب سمجھا تو حضرت ابوذر غفاری ﷺ کی یہ حالت تھی کہ جب کہیں اس حدیث کو ذکر کرتے تھے وہیں پیار میں آ کر مزے لینے کو یہ بھی کہتے تھے کہ وان رغم انف ابی ذر۔

حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت:

حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید حج کو گئے انہوں نے فرمایا کہ جب مدینہ جاؤ تو روضہ اقدس پر ہمارا بھی سلام کرنا۔ چنانچہ انہوں نے عرض کیا۔ وہاں سے ارشاد ہوا کہ اپنے بدعتی پیر سے ہمارا بھی سلام کہنا۔ بدعتی اس لئے فرمایا کہ ان سے بعض باتیں بصورت بدعت صادر ہوتی تھیں اگر چہ واقع میں وہ بدعت نہ تھیں۔ یعنی کسی معذوری کی وجہ سے ان سے بعض افعال ظاہر سنت کے خلاف صادر ہو جاتے تھے۔ تو یہ جب واپس آئے تو حضرت شاہ ابوالمعالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ ہمارا سلام بھی کہا تھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے عرض کر دیا تھا حضور ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا کہ اپنے پیر سے ہمارا سلام کہہ دینا۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ وہی لفظ کہو جو وہاں سے ارشاد ہوا ہے۔ مرید نے عرض کیا کہ حضرت جب آپ کو وہ لفظ معلوم ہے تو پھر میرے ہی کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ نیز میں وہ لفظ کیسے عرض کروں آپ نے فرمایا کہ گو معلوم ہے مگر سننے میں اور ہی مزا ہے اور میاں تم خود نہیں کہتے وہ تو حضور ﷺ کا ارشاد ہے تو گویا وہ حضور ﷺ ہی کی زبان سے ادا ہوگا۔ آخر انہوں نے وہی لفظ ادا کر دیا۔ بس ان کی یہ حالت ہوئی کہ وجد میں کھڑے ہو گئے اور بے ساختہ یہ شعر زبان پر جاری تھا کہ۔

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

وجد کرتے تھے اور اس شعر کو پڑھتے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ محبت وہ چیز ہے جس کے آثار کی نسبت میں پہلے کہا ہے۔

تم کو آتا ہے پیار پر غصہ
ہم کو غصہ پہ پیار آتا ہے

اسی لئے اگر حضور ﷺ ناخوش بھی ہوتے تھے تو صحابہ کرام اس کا بھی ذکر لذت لے کر فرماتے تھے کیوں، اسی لئے کہ از محبت تلخہا شیریں بود۔

عود بذکر حضور ﷺ:

تو اگر کسی کو حضور ﷺ سے محبت ہو تو کیا وہ ذکر مولد میں نماز روزہ کے ذکر کو ناگوار سمجھے

گا۔ ہرگز نہیں۔ صاحبو حضور ﷺ کا تو اٹھنا، بیٹھنا، سونا جاگنا حتیٰ کہ حوائج ضروریہ میں مشغول ہونا سب عبادت ہے۔

افضلیت و ترجیح ذکر افعال و احکام بذکر ولادت:

بلکہ ذکر ولادت سے بھی زیادہ برکت کی چیز ہے یہ احکام اور افعال کا ذکر کرنا اس واسطے کہ حضور ﷺ کی ولادت شریفہ تو ایک ہی حیثیت سے ایک نعمت عظیمہ ہے جس پر شکر کر کے ہم اپنے درجات بڑھالیں اور حضور ﷺ کے افعال و احکام دو حیثیتوں سے نعمت ہیں ایک تو یہ کہ یہ آپ کی بدولت ہم کو ملے تو اس عطا پر شکر کریں اور اپنے درجات بڑھادیں۔ دوسرے اس حیثیت سے کہ ہم ان پر عمل کریں اور عمل کر کے قرب الٰہی حاصل کریں۔ نیز تمام شریعت سے غرض یہی ہے کہ ہم اس پر عمل کریں، اور قرب خداوندی ہم کو حاصل ہو، اور یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی تمام عمر میں اپنی ولادت شریفہ کا ذکر تو بہت ہی کم کیا اور احکام کا ذکر بہت زیادہ کیا۔ یعنی نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے تیئیس سال تک تبلیغ احکام فرمائی ہے۔ ان تیئیس سال میں سے اگر وہ تین سال بھی نکال دیے جائیں جن میں وحی مؤخر رہی ہے تو تمام مدت تبلیغ بیس سال ہوتے ہیں۔ ان بیس برس میں تتبع کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ نے اپنی ولادت شریفہ کا جتنے وقت میں ذکر فرمایا ہے۔ اس کی مجموعی مدت غالباً ایک ہفتہ بھی نہیں ہوگی اور اگر ایک ہفتہ بھی مان لیا جائے تو ذکر ولادت اور ذکر احکام میں یہ نسبت ہوگی کہ ایک ہفتہ کم بیس سال تک تو احکام کی تبلیغ فرمائی اور صرف ایک ہفتہ ولادت شریفہ کا ذکر فرمایا تو کیا اتباع سنت کے یہی معنی ہیں کہ جس چیز کو حضور ﷺ نے بیس سال تک ذکر فرمایا ہے اس کو تو بیس منٹ بھی کبھی ذکر نہ کیا جائے اور جس کا ذکر تمام مدت تبلیغ میں چند مرتبہ ہی فرمایا ہے اس کو عمر بھر ذکر کیا جائے۔

حضور ﷺ کے حالات ولادت شریفہ کے متعلق شرعی ضابطہ:

اتباع سنت تو یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی مدت العمر میں جس قدر اپنی ولادت شریفہ کا ذکر فرمایا ہے اسی قدر تم بھی ذکر ولادت کرو اور جتنا احکام کا ذکر فرمایا اسی قدر تم بھی احکام کا ذکر کرو۔ مگر بات یہ ہے کہ ذکر ولادت میں تو آسانی ہے کہ زبان سے ذکر کر لیا اور اس میں کھڑے ہو گئے اور اگر کسی متبع سنت نے اس میں احتیاط سے کام لیا تو اس پر ملامت کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ کہیں اس کو وہابی کہنا شروع کیا، کہیں تکفیر کر دی۔ میں کھڑے ہونے کو فی نفسہ منع نہیں کرتا۔ لیکن یہ بھی سمجھ لو کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟

قیام مولد کی حقیقت و اصل:

اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک وجد ہے اور وجد ہوتا ہے واردات پر، تو بغیر کسی وارد کے وجد کی صورت بنانا نہایت درجہ تصنع ہے۔

محققین کی تصنع سے بچنے کی حکایتیں:

محققین نے یہاں تک احتیاط کی ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ کی مجلس میں ایک شخص کے منہ سے باآواز بلند لفظ "اللہ" نکل گیا آپ نے فرمایا کہ آہستہ کہو، تھوڑی دیر کے بعد اس نے پھر اسی طرح کہا "اللہ" آپ نے فرمایا کہ اس کو مجلس سے اٹھا دو۔ کیونکہ آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ شخص بدوں مغلوبیت کہہ رہا ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک خوش آواز نے ایک شعر پڑھ دیا، اس کو سن کر ایک صوفی کو وجد شروع ہو گیا، لیکن حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح بیٹھے رہے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت آپ کو وجد نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا:۔

وتری الجبال تحسبها جامدة وهي تمر مر السحاب ط میاں تم سمجھتے ہو کہ ہم کو حرکت نہیں ہوئی حالانکہ ہم خدا جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں۔ مگر وہ حرکت تم کو محسوس نہیں ہوئی اور یہ کیا ضروری ہے کہ اگر کوئی وارد ہو تو اس کو ظاہر ہی کر دیا جائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بار وعظ بیان فرمایا۔ بعضوں نے متاثر ہو کر کپڑے پھاڑ ڈالے اسی وقت وحی نازل ہوئی کہ ان سے فرما دیجئے کہ دلوں کو پھاڑو، کپڑے پھاڑنے سے کیا ہوتا ہے۔ مگر اس سے سب کپڑے پھاڑنے والوں پر اعتراض مقصود نہیں۔ اس کا بھی ایک درجہ ہے۔ حضرت شیخ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مکن عیب درویش حیران و مست
که غرق است ازاں می زند پائے دست
به تسلیم سر در گریبان برند
چو طاقت نماند گریبان درند

کہ جب بالکل از خود رفتہ ہو جاتے ہیں تو کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں۔ اب یہ تھوڑے ہی جائز ہوگا کہ خواہ مخواہ کپڑے پھاڑنے شروع کر دے جیسے کانپور میں ایک صاحب نے کسی کے مکان پر مولد پڑھا۔ آپ کے پاس کرتہ پرانا تھا، جی چاہا کہ نذرانہ کے ساتھ صاحب خانہ سے ایک کرتہ بھی وصول کریں۔ آپ نے بیان کرتے ہوئے ایک موقع پر پہنچکر نہایت زور سے ایک

وجدی حالت پیدا کی اور کرتہ پھاڑ ڈالا۔ آخر صاحب نے نذرانہ بھی دیا اور شرم کے مارے ایک نیا کرتہ بھی بنادیا۔

قیام مجالس مولود مروجہ سے ہمارا منع کرنا موجہ ہے:

اب بتلایئے کہ ہم اب بھی اگر منع نہ کریں تو کیا کریں۔

اگر بینم کہ نابینا وچاہ است
وگر خاموش بنشینم گناہ است

ایسے ہی لوگوں کی حالت دیکھ کر ہماری زبان کھلتی ہے اور ہم کو مجبور ہو کر منع کرنا پڑتا ہے۔ بعض خیر خواہ کہتے ہیں کہ اس میں گفتگو کرنے سے عوام میں بدنامی ہوتی ہے مگر آخر کب تک بدنامی کے خوف سے خاموش رہیں گے۔ خاموشی ہی کے بدولت تو یہ منکرات بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اہل حق کا ملامت وبدنامی کے باب میں یہ مذہب ہونا چاہئے۔

ساقیا بر خیز و در دہ جام را
خاک بر سرکن غم ایام را
گرچہ بدنامی است نزد عاقلان
مانمی خواہیم ننگ ونام را

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ بدنامی سے نہ ڈرے۔ حضرت منصور نہ ڈرے اور بضرورت غلبہ حال کیا کیا کہا۔ مگر سب نے ان کے اقوال کی تاویل کی تو علماء جو بضرورت غلبہ اصلاح شریعت کے موافق کہتے ہیں ان پر کیوں ملامت ہوتی ہے اور ان کے قول کو قبول کیوں نہیں کرتے۔

نفس قیام منع نہیں ہے:

غرض ہم نفس قیام کو منع نہیں کرتے۔ مگر قیام حرکت وجدیہ ہے اور یہ وارد پر ہوتی ہے تو اگر کوئی شخص وارد کے غلبہ سے مضطر ہو جائے تو اس کو جائز ہے مگر یہ یاد رہے کہ وہ اضطرار کسی خاص مضمون کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا۔

قیام وجدی میں تمام اہل مجلس کے قیام کی وجہ:

اور ابتداء اس کی اس طرح ہوئی ہے کہ ایک شخص مضطر ہو کر کھڑا ہو گیا اس کی حالت کی تائید میں اور اس حالت مستحسنہ کو باقی رکھنے کے لئے حاضرین مجلس بھی کھڑے ہو گئے اور اس کو

علامہ غزالی نے لکھا ہے کہ اگر ایک شخص وجد سے کھڑا ہو جائے تو اس کے ساتھ سب کو کھڑا ہو جانا چاہئے کیونکہ اس کی تائید ہیں اور اس کی حالت کا اتباع ہے۔ علی ہذا حضرت شیخ گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو کوئی کیفیت ہو وہ کیفیت خدا تعالیٰ کا مہمان ہے اس کی قدر کرو اور اس کی قدر میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرو۔ کہ جس سے اس کا دل بجھ جائے اور وہ کیفیت جاتی رہے۔ غرض صوفیہ نے اس کی حالت کو محفوظ رکھنے کے لئے ایسا کیا ہے۔ لیکن مجلس بھر میں اول جو شخص کھڑا ہو گا اس کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ مکر کرے۔

شاہجہان پور کے ایک صوفی کی حکایت:

میں شاہجہان پور میں ایک صوفی سے ملا ہوں کہ وہ سماع سنتے تھے مگر مکار ومصنع نہ تھے اور ان میں یہ بات نہایت غنیمت تھی کہ وہ مسائل کو علماء سے پوچھ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ سماع سنتے تھے کہ مجلس میں ایک شخص نے کھڑے ہو کر چٹکیاں بجانی شروع کر دیں انہوں نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر اٹھا اور پھر چٹکیاں بجانی شروع کر دیں انہوں نے پھر بٹھلا دیا، تیسری مرتبہ وہ پھر اٹھا تو انہوں نے مجلس سے نکلوادیا۔ غرض محققین صوفیہ اس کا بہت خیال کرتے تھے۔

ہم قیام رسمی کو منع کرتے ہیں نہ کہ حالت وجدیہ کو:

غرض قیام کی ابتداء یوں ہوئی۔ کہ اول کسی کو وجد ہوا پھر بلا وجد ہی اس کو رسم کرلیا اور ہم اس رسم ہی کو منع کرتے ہیں۔ حالت کو منع نہیں کرتے کیونکہ حالت تو غیر اختیاری ہے۔ اس کو کیونکر منع کیا جاسکتا ہے۔ شیخ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ اسی کو کہتے ہیں۔

مکن عیب درویش حیران ومست
کہ غرق است ازاں میزند پاؤ دست

ایسے شخص پر کون اعتراض کرسکتا ہے ہرگز نہیں۔

مولودیوں میں کسی کے اندر بھی قیام کے شرائط موجود نہیں

مگر ایسے کتنے ہیں آپ سو پچاس مولودیوں کو دیکھئے تو وہاں ایک بھی ایسا نہ ملے گا اور اگر ہوں گے بھی تو بمشکل ایک دو باقی خشک اور میں توسع کرکے کہتا ہوں۔

قیام مولد رسم ہی کے مرتبہ میں نہیں رہا بلکہ فساد عقائد تک

نوبت پہنچی ہے:

کہ اگر یہ فعل صرف رسم کے مرتبہ میں رہتا تب بھی ممکن تھا کہ اس پر خاموشی کی جاتی، مگر اب تو یہ غضب ہے کہ اس سے اعتقاد بھی خراب ہونے لگا ہے یعنی بعض لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ خود حضور ﷺ تشریف لاتے ہیں حالانکہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں اور اگر دلیل میں کسی کا کشف پیش کیا جائے تو اول تو ممکن ہے کہ کشف صحیح نہ ہو۔ دوسرے اگر کشف صحیح بھی ہو تو اس کا خلاصہ یہ ہوگا۔ کہ کسی مجلس خاص میں کسی صاحب کشف کو ایسا مکشوف ہوا تو اس سے دوام پر کیونکر استدلال ہوسکتا ہے اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ جب ایسا ہوگا تو ایسا بھی ہوگا۔ یعنی جب مولد ہوگا۔ تشریف آوری بھی ضرور ہوگی۔ لزوم اور دوام کے لئے تو کسی مستقل دلیل کی ضرورت ہے (واذ لیس فلیس) تو یہ اعتقاد بے بنیاد اور خلاف شریعت ہوا۔ تو اس کی اصلاح واجب ہوئی۔

بعض لوگ ترک قیام کو ترک ادب سمجھتے ہیں:

بعض لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ حضور ﷺ تشریف تو نہیں لاتے لیکن اس ذکر کی وقت جو شخص قیام نہ کرے۔ وہ بے ادب ہے۔ لہذا قیام کرنا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے صحابہ ارشاد فرماتے ہیں کہ كُنَّا لَا نَقُوْمُ لَهٗ لِمَا كُنَّا نَعْرِفُ مِنْ كَرَاهِيَّتِهٖ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تو کیا کوئی شخص ایسی جرأت کرسکتا ہے کہ صحابہ کرام کو گستاخ کہے۔ (نعوذ باللہ) جب خود مذکور کے قرب کے وقت ترک قیام بالاذن بے ادبی نہیں تو ذکر شریف کے وقت وہ خلاف ادب کیونکر ہوگا۔ نیز اگر حضور ﷺ کے ذکر پر قیام نہ کرنا ترک ادب ہے تو میں دعویٰ کرتا ہوں کہ جتنے متمسکین قیام و مدعیان محبت ہیں سب کے سب بے ادب ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ صرف اسی مجلس خاص میں حضور ﷺ کے ذکر پر قیام کرتے ہیں اور دوسرے مواقع پر جو آپ کا ذکر مبارک ہوتا ہے جیسے مثلاً اب میں ذکر کر رہا ہوں تو ان میں سے ایک بھی قیام نہیں کرتا۔ غرض لوگوں نے اس میں یہ غلو کرلیا ہے اسی لئے اس کی اصلاح ضروری ہے۔ یہ تحقیق تھی قیام کی، باقی ذکر ولادت شریفہ کی نسبت میں عرض کرچکا ہوں کہ جب ولادت شریفہ سے زیادہ ذکر احکام موجب برکت ہے۔ تو ان کا ذکر کیوں نہیں کرتے۔

حضور ﷺ کے تمام احکام وافعال کا ذکر حضور ﷺ ہی کا ذکر ہے:

صاحبو! یہ سب ذکر رسول ہی ہیں۔

ھر چہ بینم در جہاں غیر تو نیست
یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

ایک شاعر نے کہا ہے۔

گلستاں میں جاکر ہر ایک گل کو دیکھا
نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

مگر اس میں ایک صاحب حال نے اصلاح دی ہے۔

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا
تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

مصلح کا مطلب یہ ہے کہ شاعر تو نابینا تھا اس کو نظر نہ آیا۔ حالانکہ وہاں ہر ایک سے تیرا ہی جلوہ نظر آرہا ہے۔ اسی کو فارسی میں کہا ہے۔

ھرچہ بینم در جہاں غیر تو نیست
یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

تو اگر حضور ﷺ سے محبت ہے تو جیسا ذکر ولادت آپ کا ذکر ہے۔ ایسا ہی لا تقربوا الزنی انہ کان فاحشہ بھی آپ کا ذکر ہے اور قل للمومنین یغضوا من ابصار ھم ویحفظوا فروجھم بھی آپ ہی کا ذکر ہے اور اقیموا الصلوۃ واٰتوا الزکوٰۃ بھی آپ ہی کا ذکر ہے۔

تمام اذکار واحکام نبوی میں سے ذکر میلاد ہی کو لوگوں نے کیوں اختیار کیا ہے:

مگر بات یہ ہے کہ ایک جگہ تو کرنے کا کام ہے، وہ نفس پر گراں گزرتا ہے اور دوسری جگہ کچھ کرنا نہیں پڑتا اور چلتے وقت نذرانہ ملتا ہے اور بہت سی مٹھائی کا حصہ مل جاتا ہے۔

اہل مولود کی محبت رسول کی مثال:

صاحبو یہ محبت تو ایسی ہے جیسے سفر میں ایک شخص کی رفاقت تھی کہ اس کے رفیق نے کھانا تیار کرنے کی نسبت جب کسی کام کو کہا تو اس نے کوئی نہ کوئی عذر کردیا۔ سب سے اخیر میں جب کھانا تیار ہوچکا تو اس کے ساتھی نے کہا یہاں آؤ۔ کھانا تو کھالو کہنے لگا کہ مجھے انکار کرتے ہوئے بہت دیر ہوگئی ہے اب ہر بات میں انکار کرتے ہوئے شرم آتی ہے تم کہو گے کہ سخت نافرمان آدمی

ہے کہ کسی بات کو جی نہیں، چاہتا اور خیر کھا تو کھا ہی لوں۔ بس جیسی یہ رفاقت تھی کہ مشقت میں عذر اور حظ نفس میں موافقت ایسی ہی یہ محبت ہے کہ مشقت کی چیزوں کا تو ذکر نہیں اور جس میں نفس کی خوشی تھی اس میں سرخرو ہو گئے تو جناب اگر محبت رسول اس کا نام ہے تو ایسی محبت کو سلام ہے۔

ایک صحابی کی سچی محبت نبوی کی حکایت:

محبت تو یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ مدینہ منورہ میں کسی مقام پر تشریف لے گئے وہاں جا کر دیکھا کہ ایک مکان قبہ دار گچ سے بنا ہوا ہے آپ نے دیکھ کر دریافت فرمایا کہ یہ کس کا مکان ہے۔ صحابہ ؓ نے عرض کیا کہ فلاں شخص کا ہے آپ سن کر خاموش ہو رہے۔ دوسرے وقت جب اس گھر کے مالک حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا تو حضور ﷺ نے دوسری طرف رخ پھیر لیا وہ دوسری طرف سے حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا تو آپ نے ادھر سے بھی رخ پھیر لیا۔ آخر انہوں نے دوسرے صحابہ ؓ سے دریافت کیا کہ آج کیا بات ہوئی۔ صحابہ ؓ نے عرض کیا کہ اور تو کچھ ہم کو معلوم نہیں اتنا معلوم ہے کہ آج حضور ﷺ نے تمہارے مکان کو دیکھا تھا اس وقت سے خاموش ہیں۔ گو صحابہ ؓ کا گمان ہی تھا مگر ان بزرگ عاشق نے صرف گمان ہی پر اتنا سنتے ہی فوراً جا کر تمام مکان کو گروا دیا، گویا بزبان حال یہ کہتے تھے۔

بہر چہ از دوست وامانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں
بہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش چہ زیبا

اور یہ کہتے تھے۔

ہرچہ جز ذکر خدائے احسن است
گر شکر خوری است آں جاں کندن است

اور عجیب تر لطف اس محبت کا یہ دیکھئے کہ اس کو گرا کر جتلایا تک نہیں اور کیوں جتلائیں اگر مکان گرا دیا تو آپ پر کیا احسان کیا۔ آخر جب حضور ﷺ ایک مرتبہ خود ہی اس طرف تشریف لے گئے اور وہاں مکان نہیں پایا اور حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ وہ مکان کیا ہوا اور صحابہ ؓ نے عرض کیا حضور ﷺ فلاں شخص نے اسی روز اس کو گروا دیا تھا۔ تب آپ کو خبر ہوئی اور اس وقت آپ نے تعمیر کے تکلفات کی مذمت بیان فرمائی۔

سچی محبت کے آثار:

حضرت محبت تو یہ ہے کہ انسان اپنے مال اور جان سب کو فدا کر دے۔ نہ یہ کہ خالی مزہ دار حکایت بیان کرے اور بس۔ اب ربیع الاول کا مہینہ ہے۔ اس میں بہت جگہ مولود ہوا

ہوگا۔ ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ تم نے اپنے حظ کو تو محفوظ رکھا، لیکن حضور ﷺ کے اسلام پر جو اس وقت سخت مصیبت آ رہی ہے اور وہ ڈانواڈول ہو رہا ہے اس کی تم نے کیا مدد کی۔ اس کو کیا سہارا پہنچایا۔

رسم جدید عید میلاد النبی اور اس کے مقاصد:

افسوس ہے کہ امسال بجائے اس مہم امداد اسلام کے بعض مقامات پر محض عید میلاد النبی کے منانے کو مٹھائی کے واسطے چھ سو روپیہ کا چندہ ہوا ایک وہ مسلمان ہیں کہ اسلام کی خدمت میں اپنی گردنیں کٹا رہے ہیں اور ایک یہ ہیں کہ ان کو مٹھائی کی سوجھ رہی ہے۔ ہماری وہ حالت ہے کہ۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست
حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورد

اس بے حسی اور بے تمیزی کی حالت کو دیکھ کر کسی نے پریشان ہو کر کہہ دیا ہے کہ۔

اے بسرا پردۂ یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

پھر غضب یہ کہ اس چھ سو روپیہ کو مٹھائی میں بھی صرف نہیں کیا بلکہ اس سے مسجد کو سجایا گیا۔ جس میں بیان تھا اور سجایا ہندوؤں کی طرز پر۔ اس میں ایک چھتر بنایا گیا۔ جھالر لٹکائے گئے۔ بہر حال اس مسجد کو ایسا بنایا جیسا معلوم ہو کہ کسی ہندو نے اپنے گھر کو سجایا ہے۔ کیا اس کو محبت کہیں گے۔ ہاں محبت تو ہے مگر اپنے حظ نفس کی، ان سے قسم دے کر پوچھا جائے کہ اگر اس وقت حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے اور آپ سے دریافت کیا جاتا کہ یہ چھ سو روپیہ مٹھائی میں صرف کر دیں یا آپ کے جانبازوں پر لگا دیں تو کیا حضور ﷺ یہ رائے دیتے کہ مٹھائی میں صرف کر دو۔ صاحبو کیا کسی دردمند کو ایسے وقت میں مٹھائی کا کھانا بھلا معلوم ہو سکتا ہے ہائے کس منہ سے ایسی حالت میں بھی لوگوں سے مٹھائی کھائی جاتی ہوگی۔ کیسی بے حسی ہے۔ کتنا بڑا ظلم ہے اور پھر غضب یہ ہے کہ یہ لوگ دعویٰ محبت کرتے ہیں۔ کیوں صاحب آپ نے تو مولود شریف کیا اور ترکوں نے اپنی جان لڑائی۔ تو کون شخص محب رسول ہوا۔ آپ نے ساری محبت کا خلاصہ یہ نکالا ہے کہ سال بھر میں ایک دفعہ مولود کر لیا۔

اہل بدعت کو اہل حق کی ضد نے مجبور کر رکھا ہے:

صاحبو ہمارے جی کو تو یہ محبت نہیں لگتی بلکہ واقع میں ان کے جی کو بھی نہیں لگتی۔ مگر رسم اور اہل حق کی ضد نے مجبور کر رکھا ہے۔

اہل حق سے ایک ضد کرنے والے کی حکایت:

حتیٰ کہ ایک صاحب نے ایک اہل حق کی نسبت یہ کہا تھا کہ میں ان کا اس قدر مخالف ہوں کہ اگر یہ کسی چیز کو حلال کہیں گے تو میں اس کو حرام کہوں گا اور بالعکس۔ ان اہل حق نے جواب میں کہا کہ میں تو ماں سے نکاح کرنے کو حرام کہتا ہوں۔ اب آپ اس کو حلال کہئے اور میں تو کلمہ شہادت کو حلال کہتا ہوں آپ حرام کہئے وہ مدعی صاحب تو دم بخود رہ گئے۔ مگر چند روز کے بعد ان کے ایک شاگرد صاحب پیدا ہوئے کہ میرے استاد کے قول کا مطلب ہی نہ سمجھے تھے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ اپنی طرف سے جس کو حلال یا حرام کہیں گے۔ سبحان اللہ کون مسلمان ہے کہ وہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کہہ دے گا۔ علیٰ ہذا ایک اور قصہ ضد کا مجھے یاد آیا کہ دہلی میں ایک شخص نے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی دعوت کی اور بعض ان کے مخالفین کی بھی اور ہر ایک کو دوسرے کی خبر نہیں ہونے دی۔ جب سب جمع ہو گئے اور کھانا سامنے آیا تو میزبان نے کہا کہ صاحب یہ شیخ سدو کا بکرا میں نے پکایا ہے۔ اب جس کا جی چاہے کھائے اور جس کا جی چاہے نہ کھائے۔ شاہ اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو شیخ سدو کے بکرے کو حرام فرماتے تھے۔ انہوں نے ہاتھ کھینچ لیا اور ان کے ساتھ ان کے مخالفین نے بھی ہاتھ کھینچ لیا۔ صاحب خانہ نے ان سے پوچھا کہ آپ تو اس کو جائز کہتے ہیں آپ نے کیوں ہاتھ روکا۔ کہنے لگے کہ بھائی ہے تو حرام ہی مگر ان کی ضد میں حلال کہہ دیتے ہیں۔ لیکن یہ بھی اسی زمانہ کے لوگ تھے۔ آج تو ہرگز بھی اس کا اقرار نہ کریں۔ بلکہ حرام بھی کھا جائیں۔

بعض لوگ مجلس ولادت مروجہ کرنا باعث برکت جانتے ہیں:

اور بعض ایسے بھی ہیں کہ ان کو ضد نہیں ہے مگر وہ اسی لئے مولد کرتے ہیں کہ سال بھر تک برکت رہے گی۔ رشوت لیں گے تو اس کا وبال نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ رنڈیاں تک مولود کراتی ہیں جن کو کچھ بھی مناسبت دینی اعمال سے نہیں ہے۔

بعض لوگ رونق تقریب کے لئے مولود کراتے ہیں:

اور بعض لوگ محض اس لئے مولود کراتے ہیں کہ اس کی بدولت کسی تقریب میں رونق ہو جائے گی۔ چنانچہ کان پور میں ایک صاحب نے اپنے لڑکے کی شادی کی اور اس میں ناچ کرانا چاہا

لیکن چونکہ بعض احباب ان کے ایسے بھی تھے کہ وہ ناچ میں شریک ہونا پسند نہ کرتے اس ضرورت سے رونق مجلس پوری کرنے کو انہوں نے مولود بھی کرایا چنانچہ پہلے مولود ہوا اور اگلے دن اسی جگہ رنڈی کا ناچ ہوا۔ اب بتلائیے کہ جب یہاں تک نوبت پہنچ جائے تو کیونکر خاموشی اختیار کی جا سکتی ہے۔ غرض محبت کی علامت میں نے بتلا دی کہ محبوب کی ہر بات کا ذکر ہو۔ ولادت شریفہ کا بھی، رضاعت کا بھی، آپ کی سخاوت کا، عادات کا اور عبادات کا اور اس میں نہ کسی مہینہ کی تخصیص ہے نہ کسی مقام کی۔ پس میں بھی اس وقت ربیع الاول کی تخصیص سے یہ ذکر نہیں کر رہا ہوں۔ گو اگر یہ تخصیص رسم لازم کے درجہ میں نہ پہنچتی تو اس تخصیص عملی کا بھی مضائقہ نہیں تھا لیکن اب تو اس عارض لزوم علمی یا عملی کی وجہ سے اس کو اصلاً پسند نہیں کرتا۔ یعنی ایسے شخص کے لئے بھی پسند نہیں کرتا۔ جو معتقد لزوم کا نہ ہو۔ کیونکہ یہ خود اس کے لئے یا کسی دوسرے کے لئے اس لزوم تک مفضی ہو جائے گا اور اس ناپسندیدگی اور ممانعت کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی طبیب مریض کو دو تولہ مصری کی بھی اجازت اس اندیشہ سے نہیں دیتا کہ مبادا یہ بجائے دو تولہ کے چار تولہ استعمال کر لے اور پھر تکلیف اٹھائے۔

ہمارا مسلک واعتقاد رسم مولد کے بارے میں:

غرض ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ بلا تخصیص لازم کے اس ماہ میں بھی جائز ہے۔ لیکن اجازت نہ دی جائے گی۔ کیونکہ مطلقاً اجازت دینے سے آئندہ پھر اعتقاد کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ بس یہ ہے ہمارا مسلک اب اس کے سن لینے کے بعد ہم پر جس کا جو بھی چاہے تہمت لگائے۔ غرض اس وقت ذکر کی یہ وجہ نہیں ہے کہ تخصیص زمانہ کی مقصود ہے بلکہ دو وجہ ہیں، ایک یہ کہ اس وقت مختلف اطراف سے طاعون کی خبریں آ رہی ہیں۔ (اور دوسری وجہ وعظ میں یاد نہ رہی تھی۔ گو وعظ میں اس کا بیان بھی تھا مگر اس عنوان سے نہ آیا تھا کہ دوسری وجہ یہ ہے مگر بعد وعظ کے اثنائے مضمون میں خطوط وحدانیہ میں اس کا اضافہ جامع سے کرا دیا گیا چنانچہ عنقریب وہ مقام ملے گا۔ ۱۲ منہ)

طاعون کا علاج حضور ﷺ کا ذکر شریف ہے:

طاعون کا ایک متبرک علاج منجملہ اور علاجوں کے ذکر نبی کریم ﷺ بھی ہے اور یہ علاج تجربہ میں آیا ہے یعنی میں نے ایک کتاب نشر الطیب لکھی ہے حضور ﷺ کے حالات میں۔ اس کے لکھنے کے زمانہ میں خود اس قصبہ میں طاعون تھا۔ تو میں نے یہ تجربہ کیا۔ جس روز اس کا کوئی حصہ لکھا جاتا تھا اس روز کوئی حادثہ نہیں سنا جاتا تھا اور جس روز وہ ناغہ ہو جاتی تھی، اس روز دو چار

اصوات سننے میں آتی تھیں۔ ابتدا میں تو میں نے اس کو اتفاق پر محمول کیا، لیکن جب کئی مرتبہ ایسا ہوا۔ تو مجھے خیال ہوا کہ یہ حضور ﷺ کے ذکر مبارک کی برکت ہے آخر میں نے یہ التزام کیا کہ روزانہ کچھ حصہ اس کا ضرور لکھ لیتا تھا۔ آج کل بھی لوگوں نے مجھے طاعون ہونے کے متعلق اطراف و جوانب سے لکھا ہے تو میں نے ان کو بھی جواب میں یہی لکھا ہے کہ نشر الطیب پڑھا کرو۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجلس منعقد کی جائے اور اس میں مٹھائی منگائی جائے اور ایک شخص بیٹھ کر پڑھے اور سب سنیں۔ کیونکہ ان التزامات میں تو علاوہ اور مذکورہ خرابیوں کے ایک یہ بھی کمی ہوگی کہ کبھی ہوگا، کبھی نہ ہوگا۔ کیونکہ اس قدر التزامات کے ساتھ دوام مشکل ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دوسرے وظائف کی طرح سے روزمرہ اس کا بھی وظیفہ مقرر کر لیا جائے۔ یہ نہیں کہ سال بھر میں ایک دو دفعہ مقرر تاریخوں پر کر لیا۔ اہل محرم کی طرح اور پھر سال بھر کروٹ بھی نہ لی۔

ایک شاعر کی حکایت:

مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک شاعر حلب میں پہنچا۔ وہاں شہر کے شیعہ ماتم کر رہے تھے۔ اس نے پوچھا آج کوئی مر گیا ہے؟ لوگوں نے کہا تو دیوانہ ہے معلوم ہوتا ہے تو شیعی نہیں۔ ارے یہ دن شہادت امام کا ہے۔ کہنے لگا۔ اللہ اکبر یہاں آج اتنے دنوں کے بعد خبر پہنچی ہے یا تم لوگ سوتے تھے۔ اسی طرح ہمارے ان مدعیان محبت رسول کی بھی یہی حالت ہے کہ سال بھر تک غافل رہتے ہیں۔ پھر چونکتے ہیں۔

حضور ﷺ کے ذکر کی ترغیب اور روایات موضوعہ اور لغویات سے تحذیر:

میں کہتا ہوں کہ حضور ﷺ کا ذکر ہر وقت کرو اور ایسی کتاب اپنے وظائف کے ساتھ رکھو۔ مگر مولود غلام امام شہید یا اور غیر معتبر کتاب نہیں۔ اس قسم کی کتابیں تو بالکل بے سروپا ہیں اور بعض میں اشعار ایسے خرافات بھرے ہیں کہ لغت کے اشعار میں بعض مضامین کفر تک پہنچ گئے ہیں۔ نیز ان کے پڑھنے والے بھی میں نے دیکھے ہیں کہ امرد پرست تارک صلوٰۃ و صوم، آج کل کچھ ایسا مذاق بگڑ گیا ہے کہ لوگوں کو اس قسم کے امور کی ذرا حس نہیں رہی۔ میں ایک جگہ بیان کرنے کے لئے گیا۔ اس روز اتفاق سے مجھے زکام ہو رہا تھا۔ بیان کے بعد ایک صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ خوش الحان نہیں ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ بھائی میں ڈوم کا لڑکا نہیں ہوں کہ مجھ میں خوش الحانی ہوتی۔ خدا کا شکر ہے میں ایک شریف کی اولاد ہوں مجھے خوش الحانی اور بدالحانی سے کیا

واسطہ۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ابتدا زمانہ میں اجمیر میں تشریف رکھتے تھے وہاں ایک شخص شریف سید فن موسیقی میں کامل تھے۔ مولانا کو چونکہ ہر فن کی تحصیل کا شوق تھا۔ اسی لئے مولانا نے چند روز ان سے اس فن کے اصول کو سیکھا تھا۔ لیکن اللہ والے اگر کوئی معمولی نفع بھی کسی سے حاصل کرتے ہیں تو اس دوسرے کو بھی دینی نفع پہنچاتے ہیں۔

حضرت سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت:

اس پر مجھے ایک اور حکایت مسموعی یاد آئی حضرت سلطان نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی کہ آپ بیمار ہو گئے تھے حتیٰ کہ خدام کو بالکل مایوسی ہو گئی تھی، اس زمانہ میں دہلی میں ایک شخص رہتا تھا کافر، کہ وہ توجہ سے مرض کو سلب کر دیتا تھا۔ خدام نے آپ سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو اس کو بلا لیں حضرت نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ اس میں سخت فتنہ ہوگا، اور میرا کیا ہے زندہ رہا نہ رہا نہ رہا۔ اس کے بعد آپ کو پھر بیہوشی طاری ہو گئی۔ اسی حالت بیہوشی میں خدام آپ کو اس کے گھر لے گئے۔ اس کے لئے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تشریف لے جانا موجب فخر ہو گیا، فوراً اس نے توجہ کی اور حضرت کا تمام مرض سلب کر دیا۔ اسی وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو افاقہ ہوا آپ نے دیکھا کہ میں ایک ملحد کے مکان میں ہوں اور مرض بالکل زائل ہو گیا ہے آپ سمجھ گئے اور خیال ہوا کہ ہَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ط اس کو بھی اس نفع کا صلہ دینا چاہئے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ میاں یہ کمال تم میں کس بات سے پیدا ہوا۔ اس نے کہا کہ صرف ایک بات سے۔ وہ یہ کہ میرے گرو نے کہہ دیا تھا کہ جس بات کو جی چاہے وہ نہ کرنا۔ بس میں یہی مجاہدہ کرتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ کہتا کیا مسلمان ہونے کو جی چاہتا ہے کہنے لگا نہیں۔ فرمایا کہ پھر اسی قاعدہ کے موافق مسلمان ہونا چاہئے، کچھ تو حضرت کی توجہ کچھ اس تعلیم کا خیال۔ وہ ایسا مغلوب ہوا کہ کچھ بن نہ پڑا اور مسلمان ہو گیا۔ اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت ہو کر ساتھ ساتھ ہو لیا۔ غرض اللہ کے بندے ہر جگہ نفع ہی پہنچاتے ہیں اسی طرح مولانا محمد یعقوب صاحب نے ان سے سیکھا تو ہوگا ہفتہ دو ہفتہ اس کا مگر اس کا یہ اثر ہوا کہ چند روز کے بعد ان کی ہدایت کا سامان پیدا ہوا۔ اس طرح سے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا کہ وہ بھی اس فن میں ماہر تھا۔ اس نے کچھ سنانے کی فرمائش کی۔ انہوں نے سادہ اب سنا چکے تو وہ کہنے لگا کہ سبحان اللہ کیا گلا پایا ہے۔ یہ جملہ سن کر ان کو سخت غصہ آیا اور کہا کہ افسوس اتنی محنت کا یہ صلہ ملا کہ میری وہ تعریف کی گئی جو ایک ڈوم کی ہو سکتی ہے اور عہد کیا کہ اس کے بعد پھر کبھی اس مہمل کام کے پاس بھی نہ جاؤں گا۔ بس مولانا کی برکت سے تائب ہو گئے اور اخیر تک یہ دین کا رہا۔

آجکل لوگ خوش الحانی کے طالب ہیں:

آج کل لوگ خوش الحانی کو تلاش کرتے ہیں چنانچہ میرے بیان میں یہ عیب نکالا کہ خوش الحان نہیں ہے میں نے کہا کہ بھائی انسان تو ہوں آواز تو منہ سے نکلتی ہے۔ دوسرے کے کانوں تک پہنچ جاتی ہے جو مضامین کی تبلیغ میں کافی ہے میں خوش الحانی وبدالحانی کو کیا جانوں اور میں تو اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ آواز کے درست کرنے کے لئے گلے پر حلوے باندھے جائیں جیسا کہ آج کل بعض قراء کا معمول ہے ممکن ہے کہ کسی کو یہ شبہ ہو کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قرآن شریف خوش آوازی سے پڑھو اس لئے حلوا باندھتے ہیں، تو جناب جہاں یہ حدیث پڑھی ہے اس کی تفسیر بھی تو پڑھی ہوتی۔ اسی حدیث میں راوی کہتے ہیں کہ خوش آوازی یہ ہے کہ پڑھتے ہوئے ایسا معلوم ہو اس کے دل میں خدا کا خوف بھرا ہوا ہے۔

آواز صاف ہونے کا ایک عجیب طریق:

اور اگر بلغم کا صاف کرنا مقصود ہے تو میں اس کا ایک دوسرا طریق بتلاتا ہوں اس طریق سے صاف کرو۔ عشق خدا پیدا کرو، بلغم اور سب رطوبات خود خاکستر ہو جائیں گی۔ خوب فرمایا ہے۔

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت
ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لا در قتل غیر حق براند
درنگر آخر کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت
مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

باقی اگر کوئی کہے کہ یہ تو ایک شاعرانہ نکتہ ہے اس کو بلغم سے کیا واسطہ تو سمجھو کہ یہ سب رطوبتیں ہیں اور محبت کی آگ میں زائد رطوبت نہ رہے گی۔ آپ نے کبھی کسی عاشق کو موٹا نہ دیکھا ہوگا۔

عاشق کے موٹا نہ ہونے کے معنی:

لیکن یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی عاشق قدرتی موٹا بھی نہ ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ کھا کھا کر بے فکری سے جو انسان پھول جاتا ہے وہ بات اس میں نہ ہوگی۔ کیونکہ وہاں تو ہر وقت سوختن وگداختن ہے تو اس نسخہ سے ویسے ہی گلا صاف رہے گا۔ ایسے موٹے ہونے کی نسبت حدیث

شریف میں ہے ان اللّٰہ یبغض الحبر السمین یعنی اللہ تعالیٰ کو موٹے عالم سے نفرت ہے مگر وہی بے فکری کا پھولا ہوا نہ وہ جو طبعی وفطری ایسا ہو اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا کہ میں اپنے لڑکپن میں شہر میرٹھ میں ایک مسجد میں بیٹھا ہوا وضو کر رہا تھا اور میرے قریب ہی ایک اور مولوی صاحب بیٹھے ہوئے تھے وہ ذرا موٹے تھے وہاں ایک شخص رجب علی تھے وہ ان مولوی صاحب سے اکثر مزاح کیا کرتے تھے اس وقت وہ بھی آئے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ تم اس قدر دبلے کیوں ہو رہے ہو۔ میں نے ظریفانہ کہا کہ بھائی حدیث شریف میں آیا ہے کہ ان اللّٰہ یبغض الحبر السمین اس واسطے میں دبلا ہوں اور مجھ کو خیال نہ رہا کہ یہاں مولوی صاحب موٹے بیٹھے ہوئے ہیں۔ رجب علی ان مولوی صاحب کی طرف منہ کر کے کہتے ہیں کہ مولوی صاحب آپ سنتے ہیں اس وقت مجھے متنبہ ہوا کہ یہ بھی بیٹھے ہیں تو میں بہت شرمندہ ہوا اور میں نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ جو کھا کھا کر بے فکری میں موٹا ہو کہنے لگے کہ جناب اب آپ جو مطلب چاہیں بیان کریں۔ باقی حدیث مولوی صاحب پر صادق آ ہی گئی۔ خیر یہ تو ایک لطیفہ ہے۔ مگر مطلب حدیث کا یہی ہے کہ جو بے فکری کھا کر موٹا ہو۔ غرض نسخہ عشق سے بلغم میں زیادتی ہی نہ ہوگی۔ پھر یہ کہ حلوا گلے کے اندر جانے کے لئے بنا ہے نہ کہ گلے کے اوپر باندھنے کے لئے۔ ہاں اگر کوئی ایسا کرے کہ باندھ کر پھر کھا بھی لے۔ تو دوسری بات ہے لیکن اس کو کون کرے گا۔ اگرچہ بعض ایسے لطیف المزاج لوگوں کی حکایت بھی سنی ہے کہ انہوں نے پان منہ سے نکال کر رکھ دیا اور کھانا کھا کر پھر اس کو کھا لیا۔

خوش الحانی مطلوب کی حقیقت:

خوش الحانی کے وہ معنی نہیں ہیں جو حلوا باندھنے سے حاصل ہو بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ جو اوپر مذکور ہوئے کہ اگر کوئی اس کو پڑھتے ہوئے سنے تو یوں سمجھے کہ خدا کے خوف سے اس کا قلب لبریز ہے مگر لوگ آج کل خوش الحانوں کو ڈھونڈتے ہیں چنانچہ پڑھنے والے اپنے ساتھ خوش آوازوں کو رکھتے ہیں۔ اکثر تین تین چار چار امرد اور نوجوان لڑکے رہتے ہیں کہ وہ گلے ملا ملا کر گاتے ہیں۔ سو ان رسوم کو چھوڑ دو۔ حضور ﷺ کا ذکر مبارک تو غذا ہے۔ اس میں کسی وقت کی تخصیص کی کیا ضرورت ہے۔

حضور ﷺ کے ذکر شریف کا طریق:

بس حضور ﷺ کے حالات کی کتابیں لے کر جن میں صحیح حالات ہوں اگرچہ ان میں ایک شعر بھی نہ ہو۔ اس کو روزانہ پڑھا کرو۔ اسی لئے میرا بہت روز سے جی چاہتا تھا کہ کوئی ایسی صحیح

معتبر کتاب لکھ دوں۔

کتاب نشر الطیب پڑھنے کی ترغیب اور طریقہ:

چنانچہ بحمد اللہ وہ کتاب تیار ہوگئی اور میں نے اس کتاب میں اس کی بھی رعایت کی ہے کہ اس میں غذا کے ساتھ تفریح کا سامان بھی رکھا ہے یعنی میں نے اس میں اشعار بھی لکھے ہیں اور بہت کثرت سے ہیں۔ یعنی کتاب میں اکتالیس فصلیں ہیں ہر فصل کے اخیر میں اشعار لکھے ہیں اور نہایت لذیذ اشعار عربی کے ہیں اور ان کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ لکھ دیا ہے۔ تو جس کا جی چاہے اس کتاب کو اپنے پاس رکھے کہ وہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے لئے بہت مفید ہوگی۔ مگر اس کو مجلسوں میں ان رسوم کے ساتھ نہ پڑھا جائے بلکہ بطور وظیفہ کے قرآن مجید کے بعد پڑھ لیا جائے جیسا میں نے اوپر مجنوں کی حالت ذکر کی ہے کہ

گفت مشق نام لیلےٰ می کنم
خاطر خود را تسلی می کنم

تو کیا مجنوں نے لیلیٰ کی سالگرہ کی تھی۔ اسی طرح حضور ﷺ کے ذکر مبارک کے لئے قیود کیسے وہ تو ہر وقت کا وظیفہ ہونا چاہئے۔ میں نے حضرت مولانا گنگوہی کو دیکھا ہے کہ ہر وقت درود شریف کا ورد رہتا تھا اور بات بہت کم کرتے تھے مگر افسوس ہے کہ جو لوگ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ یاد کریں وہ تو محب ہوں اور جو ہر وقت سرشار رہے اس کو منکر سمجھا جائے۔ کیسا غضب ہے۔ صاحبو کہاں گیا انصاف اور تدین اب چاہتے ہیں کہ ذکر بھی اگر ہو تو دوسروں کو دکھلا کر ہو۔ بھائی محبت میں دکھلانے کی ضرورت ہے۔ اپنی اولاد کے لئے انسان محبت سے کیا کچھ نہیں کرتا مگر کیا کسی کو دکھلاتا پھرتا ہے۔ غرض یہ معمول کرلو کہ اس کتاب کے دو چار ورق روز پڑھ لیا کرو اور خود پڑھنا نہ آتا ہو تو کسی سے سن لیا کرو اور گھر میں روزانہ پڑھ کر سنایا کرو اور عمر بھر اسی طرح معمول رکھو۔ دیکھیں تو کون منع کرتا ہے۔ تم تو اپنے ہاتھوں منع کراتے ہو۔ صاحبو یہ تو ذکر مستحب ہے۔ (گویا عشاق کے نزدیک فرض عشق ہے مگر فتویٰ کے رو سے تو مستحب ہی ہے) نماز بھی جو کہ فرض ہے۔ از روئے فتویٰ بے ڈھنگے پن سے پڑھی جائے تو اس سے بھی منع کیا جائے گا اور مشروع طور پر ذکر کرنا خود قرآن شریف سے ثابت ہے دیکھو اسی آیت میں حضور ﷺ کا ذکر شریف ہے۔ اور میں نے اسی لئے اس وقت اس آیت کو پڑھا ہے کہ اس سے آپ کے ذکر کو بھی ثابت کر دوں اور اس کا طریق اور آداب بھی بتلا دوں۔ بس آپ اس ذکر شریف کے برکات حاصل کیجئے۔ ان برکات میں سے ایک برکت رفع طاعون بھی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ (اور بعد وعظ کے فرمایا کہ آیت کے اختیار کرنے کی ایک وجہ تو یہ تھی۔)

آیت صدر کو بیان کرنے کیلئے اختیار کرنے کی دوسری وجہ:

دوسری وجہ یہ تھی جس کو وعظ میں بیان کرنا یاد نہیں رہا۔ کہ آپ کے ذکر ولادت کے متعلق لوگوں میں آجکل بہت سے منکرات اور اختراعات شائع ہوگئی ہیں جن سے عملاً و اعتقاداً لوگوں کی حالت خراب ہوگئی اور ان منکرات کا ارتکاب اس مہینہ میں اکثر کیا جاتا ہے اس لئے بھی اس وقت یہ مضمون اختیار کیا گیا کہ یہ بتلا دیا جائے کہ شریعت میں ان کا ثبوت کہیں نہیں ہے سعید الرض آیت سے ذکر شریف بھی ثابت ہوا اور آداب پر بھی متنبہ موجود ہے کیونکہ اسی آیت میں آگے ارشاد ہے۔ یهدی به الله من اتبع رضوانه سُبُل السلام ویخرجهم من الظلمت الی النور باذنه ویهدیهم الی صراط مستقیم سو اصل غرض آپ کی بعثت سے یہ ہے کہ ہدایت ہو صراط مستقیم کی تو جو امر صراط مستقیم کے خلاف ہوگا۔ وہ اس مقصود کے منافی اور قابل ترک ہوگا۔

منع التخصیص وقت از ذکر شریف:

ان ہی امور غیر مستقیمہ سے ایک تخصیص لازم بھی ہے پس بنا اس وقت کے ذکر کی تخصیص ربیع الاول کی نہیں ہے جیسا اوپر بھی عرض کر چکا ہوں اور اس عدم تخصیص سے ربیع الاول کی فضیلت کا انکار نہ سمجھا جائے کیونکہ فضیلت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس زمانہ فاضل کو بلا دلیل شرعی جس عبادت کے لئے چاہے خاص کر لیا جائے پس ربیع الاول میں فضیلت ہو۔ مگر اس کی تخصیص ذکر نبوی کے لئے ثابت نہیں جیسے جمعہ کے روزہ کی تخصیص کی ممانعت حدیث شریف میں آئی ہے۔ باوجود یہ کہ اس کے فضائل بھی وارد ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں اس کی فضیلت میں آیا ہے۔ فیه ولد ادم وفیه ادخل الجنة وفیه هبط الی الارض۔

آدم علیہ السلام کا جنت سے دنیا میں نزول فرمانا نعمت ہے:

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ ہبوط الی الارض میں کون سی نعمت ہے جو اس کو دلائل فضیلت میں ذکر فرمایا تو بظاہر نہایت درجہ تکلیف ہے تو اس شبہ کا جواب عارفین سے پوچھئے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بھائی اگر حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نہ نکلتے تو ان کی اولاد میں سے کوئی نہ نکلتا۔ کیونکہ جو ممانعت ان کو ہوئی تھی چونکہ وہ شجرہ قابل نہی کے تھا، وہی ممانعت ان کی اولاد کو بھی ہوتی اور یہ ظاہر ہے کہ اس ممانعت کے خلاف بھی بہت لوگ کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ نکالے جاتے اور اخراج ایسی حالت میں ہوتا کہ جنت خود آباد ہوتی وہاں اس کے ماں باپ

بھائی بیٹے بیوی بھی ہوتے۔ ان سب سے علیحدہ کر کے اس کو دنیا میں بھیجا جاتا۔ تو جنت میں ایک کہرام مچ جاتا۔ تو وہ جنت مثل دوزخ کے ہو جاتی۔ اسی لئے اللہ میاں نے وہاں سے سب کو رخصت فرما دیا۔ یہ مصلحت تو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے حق میں ہے کہ جنت میں تکلیف ہونے سے سخت تکلیف ہوتی۔ باقی حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں جو حکمت تھی اس کو حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عارفوں کے لئے بڑی نعمت معرفت کی دو قسمیں ہیں ایک علمی اور ایک عینی۔ معرفت علمی تو یہ ہے کہ صفات کمال اور اس کے آثار کا علم ہو جائے، اور معرفت عینی یہ ہے کہ اس صفت کے اثر کا مشاہدہ ہو جائے۔ تو اس وقت آدم علیہ السلام کو معرفت علمی تو حاصل تھی لیکن معرفت عینی صرف بعض صفات کی حاصل تھی جیسے کہ منعم کہ اس صفت کا اس وقت مشاہدہ ہو رہا تھا۔ لیکن بعض صفات کا مشاہدہ اس وقت نہ تھا۔ مثلاً تواب کہ اس صفت کی معرفت علمی تو حاصل تھی، باقی معرفت عینی حاصل نہ تھی اور معرفت عینی افضل ہے معرفت علمی سے تو جنت سے علیحدہ کر کے خدا تعالیٰ کو حضرت آدم علیہ السلام کی تکمیل عرفان کی مقصود تھی۔ پس یہ اخراج حقیقت میں عقوبت نہ تھی تکمیل تھی اور بعض قرائن سے آدم علیہ السلام کو اس کا کچھ پتہ بھی چل گیا تھا۔ چنانچہ ایک حدیث ہے کہ جب آدم علیہ السلام کی ناک میں روح داخل ہوئی تو آپ کو چھینک آئی۔ ارشاد ہوا کہ کہو الحمد للّٰہ اور فرشتوں کو حکم ہوا کہ کہو یرحمك اللّٰہ تو بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام روئے اور کہا کہ دعائے رحمت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی لغزش ضرور ہوگی۔ اور توبہ کے بعد رحمت ہوگی اور اس کمال معرفت کی مصلحت سے حضور ﷺ کو جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے اتنا بخار چڑھتا تھا جتنا دو آدمیوں کو چڑھتا ہے۔ کیونکہ جس اسم کا یہ مظہر ہے اس کی معرفت حضور ﷺ کو علی وجہ الکمال عطا فرمائی تھی۔ غرض حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے آنا بھی نعمت ہے۔ پس یہ بھی وجوہ فضائل جمعہ سے ہوا تو دیکھئے۔ جمعہ کے بارہ میں باوجودیکہ یہ فضائل خود حدیث سے ثابت ہیں۔ لیکن اس دن میں تخصیص صوم کی ممانعت ہے۔ تو ربیع الاول کے فضائل تو منصوص بھی نہیں تو اس میں تخصیص ذکر کی اجازت کیسے ہوگی۔

ماہ ربیع الاول کے فضائل اور یہ کہ ان فضائل سے تخصیص اس کی پھر بھی ممنوع ہے:

مگر پھر مکرر کہتے ہیں کہ باوجود اس منع تخصیص کے اس ماہ کی فضیلت کے ہم منکر نہیں فضیلت اس میں ضرور ہے اگر اس میں فضیلت نہ ہوتی تو اس میں حضور ﷺ پیدا کیوں کئے جاتے۔ جیسے جمعہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے تین واقعہ ہیں ایسا ہی یہاں بھی تین واقعے ہیں ایک تو ولادت

شریفہ کہ بالاتفاق اسی ماہ میں ہے مشابہ ولادت آدم علیہ السلام کے اور دوسری بعثت بعض روایات پر کہ مشابہ دخول جنت آدم علیہ السلام کے ہے اور تیسری وفات شریف کہ ماہ اور یوم تو علی الاتفاق بعین زمانہ ولادت شریفہ ہے اور تاریخ بھی علی الاشہر وہی ہے جیسا تیسرا واقعہ وہاں ہبوط تھا کہ مشابہ وفات کے تھا۔ غرض اس ماہ کے لئے یہ فضائل ضرور ثابت ہیں اور اسی ولادت شریفہ کی طرف اشارہ کر کے کہا گیا ہے۔

لهذا الشهر فی الاسلام فضل
ومنقبة تفوق على الشهور
ربیع فی ربیع فی ربیع
ونور فوق نور فوق نور

اول ربیع سے مراد ہیں حضور ﷺ اور دوسرا ربیع ہے موسم بہار کہ اس وقت یہ موسم تھا یا یہ کہا جائے کہ آپ کے پیدا ہونے سے بہار ہو گئی تھی چنانچہ اسی سنہ کو لوگوں نے سنة الفتح والابتہاج کہا ہے اور تیسری ربیع سے مراد ہے مہینہ اور دوسرے مصرعہ میں نورٌ فوق نورٍ الخ سے حضور ﷺ ہی مراد ہیں کہ آپ میں انوار مجتمعہ متزائدہ تھے۔ تو یہ فضیلت اس ماہ کو حاصل ہے۔ خواہ تو وہ فضیلت اس طرح ہو کہ اس ماہ کو پہلے سے فضیلت عطا ہوگئی تھی اور اس ماہ کے ذی فضیلت ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ کی ولادت شریفہ کے لئے اس کو خاص فرمایا رہی یہ بات کہ اس کو کیوں فضیلت عطا ہوئی تھی سو اس کی علت ہم کو معلوم نہیں۔ خدا تعالیٰ کو اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں فضیلت عطا فرمائیں۔

دوشنبہ اور جمعہ کی فضیلت میں دو اعتبار:

اور اسی طرح دوشنبہ کے دن میں فضیلت پہلے سے ہو اور بوجہ ان دونوں کے ذی فضیلت ہونے کے حضور ﷺ کو اس میں پیدا کیا گیا ہو، جیسے جمعہ میں فضیلت پیدا کر کے حضرت آدم علیہ السلام کو اس میں پیدا کیا گیا، اور خواہ وہ فضیلت اس طرح ہو کہ حضور ﷺ کی ولادت شریفہ اس میں ہوئی ہے اس تلبس سے اس کو فضیلت حاصل ہو گئی ہے اور ایسا ہی احتمال جمعہ میں بھی ہے کہ خود ولادت آدم علیہ السلام اور دیگر واقعات سے اس میں فضیلت آ گئی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے سے فضیلت ثابت ہو اور ان واقعات کو علامت کے طور پر ذکر فرمایا ہو تو ایک احتمال پر یہ واقعات دلیل لمی ہوں گے فضائل کے اور دوسرے احتمال پر دلیل انی علیٰ ہذا حضور ﷺ دوشنبہ کو روزہ رکھتے تھے اور اس کی وجہ یہ فرماتے تھے فِيْهِ وُلِدْتُّ وَفِيْهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ۔ اس میں بھی دونوں احتمال ہیں کہ چونکہ میری ولادت اور بعثت سے اس میں فضیلت آ گئی ہے اسی لئے روزہ رکھتا ہوں یا یہ کہ یہ دن

پہلے سے فضیلت کا ہے۔ جس کی علامت یہ ہے فِیْہِ وُلِدْتُ وَفِیْہِ اُنْزِلَ عَلَیَّ اس فضیلت سابقہ کی وجہ سے روزہ رکھتا ہوں، تو دونوں احتمال دونوں جگہ ہیں اور اصل مقصود ثبوت فضیلت میں ہر دو مفید ہیں خواہ وہ فضیلت سبب ہو یا مسبب ہو، خوب کہا ہے۔

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف
گر بکشد زہے طرب در بکشم زہے شرف

اس نے کھینچ لیا یا میں نے مگر اصل مقصود یعنی قرب تو حاصل ہو گیا۔ علیٰ ہذا یہ اس کی فضیلت کا سبب ہو یا وہ اس کی فضیلت کی علامت ہو۔ دونوں میں کچھ مضائقہ نہیں۔

رسم عید میلاد النبی ﷺ کا بے اصل و بدعت ہونا اور بدعت کی حقیقت مختلف پہلوؤں سے:

مگر قابل تعرض کے ایک اور بات ہے۔ وہ یہ کہ اس حدیث ذلک الیوم الذی فیہ ولدت سے بعض لوگوں نے (کیا کہوں) بعض لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ہوائے نفسانی کے لئے محض بہانہ ہی ڈھونڈھا کرتے ہیں جیسے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شائقان متعہ کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ لوگ متعہ کے لئے بہانہ ڈھونڈتے ہیں، جہاں میم ت عین ان کو ملا اور انہوں نے اس سے متعہ ثابت کیا اور فرمایا کہ اگر متعہ ایسا ہی سستا ہے تو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر میں بھی یہی مراد ہوگا۔

تمتع ز ہر گوشہ یافتم الخ

اور میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید میں رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ میں بھی یہی مراد ہوگا کہ انسان اور جن آپس میں متعہ کرتے تھے تو بعض لوگوں نے جو حدیث سنی تو اس کو اپنی ایک غلطی کا سہارا بنالیا اور وہ ہے تو پرانا خیال مگر اس میں اب ایک نیا رنگ قومیت کا چڑھا ہے۔ جب سے یہ نئی جماعت بڑھی ہے اس وقت سے ہر امر میں ایک قومیت اور تمدن کا رنگ پیدا ہو گیا ہے اور وہ غلطی عید میلاد النبی ﷺ کی ایجاد ہے اور یہ پہلے سے بھی لوگوں میں رائج تھا کہ اس میں کپڑوں کا بدلنا اور مکان سجانا، احباب کو جمع کرنا، اور ذکر شریف کا رسم کے طور پر اہتمام کرنا، اطعمہ یا شیرینی کا انتظام یہ سب کچھ ہوتا تھا۔ مگر اب کے نوتعلیم یافتوں نے اس میں ایک اور سیاسی نیا رنگ چڑھایا ہے اور میں کیا کہوں، اب کی مرتبہ ایک قصبہ نئے رنگ کا بعض قدیم الخیال لوگوں کا سننے میں آیا۔ یعنی ایک جگہ ذکر مولود ہوا ہے تو یہ اعلان کیا گیا تھا کہ اخیر شب میں ہوگا جو عین وقت ولادت شریفہ کا ہے۔ چنانچہ اخیر شب میں لوگ جمع ہوئے اور عین طلوع فجر کے وقت ذکر ولادت شریفہ ہوا۔

صاحبو! کیا یہ امور قابل منع کے نہیں ہیں۔ صاحبو! آپ تو اس کی ممانعت سے وحشت کرتے ہیں جس کی کوئی اصل بھی قرآن و حدیث میں نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو اس درخت کو کہ جس کی گونہ فضیلت خود قرآن مجید میں بھی موجود ہے لَقَدْ رضی اللہ عن المؤمنین اذیبا یعونك تحت الشجرۃ محض اسی لئے جڑ سے کٹوا دیا تھا، کہ لوگ اس کی زیارت کا زیادہ اہتمام کرنے لگے تھے۔ صاحبو! جو اساطین دین ہیں وہ دین کی خرابی پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے وہ محض اپنی بدنامی کے خوف سے ہرگز خاموش نہیں ہو سکتے اگر چہ ان سے کوئی ناراض ہو اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ حق سن کر کوئی ناراض نہیں ہوتا۔ زیادہ تر جو لوگ ناراض ہوتے ہیں اس کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ ناصح ادھوری بات کہتے ہیں۔ جس سے عوام سمجھتے ہیں کہ یہ بالکل اصل ہی کے منکر ہیں۔ پوری بات کہنے والے سے کوئی نہیں بگڑتا اور اگر کوئی پوری بات کہنے پر بگڑے تو اس میں خود زیغ ہے اس کی ایسی حالت ہے جیسے یرقانی کی کہ اس کو ہر چیز زرد یا سیاہ نظر آتی ہے۔ غرض اس حدیث سے بعض لوگ عید میلاد النبی ﷺ کو ثابت کرتے ہیں اور یہ بھی پہلے سے لیکن امسال اس پر ایک نیا سیاسی رنگ چڑھا ہے کہ بارہ ربیع الاول کو اہتمام کے ساتھ سب جمع ہوں اور جمع ہو کر سب دعا کریں۔ مسلمانوں کی فلاح کے واسطے دعا بہت اچھی چیز ہے مگر ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ دین میں ایک چیز کا بڑھانا کہ جمع کے لئے یہ تاریخ معین کی جائے کیسے جائز ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اس میں دین کی شوکت ہے۔ مجھ سے ایک مولوی صاحب نے کہا کہ تعزیوں کو منع نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس میں کرتب دکھانے سے مشق ہو جاتی ہے اور شجاعت کی تحریک ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک جنٹلمین صاحب نے فرمایا کہ شب برات میں آتش بازی وغیرہ سے منع نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس سے بہادری کا اسپرٹ محفوظ رہتا ہے اللہ اکبر کس قدر بے حسی غالب ہو گئی ہے اور لوگوں کی عقول کیسی ماؤف ہو گئی ہیں۔ اگر ان کے قبضہ میں دین ہوتا تو یہ حضرات جانے کیا کچھ کتر بیونت کرتے۔

صاحبو! تمہارے اوپر ایک شرعی قانون حاکم ہے۔ تم کو اس کا اختیار ہرگز نہیں ہے کہ تم خود کوئی قانون بنالو مگر جو قانون تمہارے پاس ہے اس پر عمل کرنے کا حکم تم کو ہے۔ دیکھو بہت سے قانون ایسے ہیں کہ وہ حکام کو مفید ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص تعزیرات چھپنے کے وقت اخیر میں مثلاً یہی ایک دفعہ بڑھا دے کہ جو شخص حکام کے نام کے ساتھ جناب کا لفظ نہ کہے گا اس پر پچاس روپے جرمانہ ہوگا تو تصحیح قانون کے وقت جب اس زیادتی کی اطلاع ہوگی فوراً اس شخص کے نام وارنٹ جاری ہو جائے گا اور اسی مثال سے بدعت کے معنی بھی انشاء اللہ آپ کی سمجھ میں آجائیں گے۔ وجہ اس کے جرم ہونے کی یہ ہے کہ قانون کا بنانا صاحب سلطنت کا کام ہے تو جب کسی شخص نے کوئی قانون بنایا تو اگر چہ وہ قانون سراسر مفید حکام ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن در پردہ اس مقنن نے اپنے صاحب سلطنت ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی بدعت سراسر

مسلمانوں کے لئے بزعم موجد نافع ہی ہو لیکن دین سے زائد ہو تو وہ ایسی ہی ہے جیسے کہ یہ قانون بڑھانا تو اس کی وہی سزا ہو گی یہ جواب ہے ان لوگوں کو جو یہ کہتے ہیں کہ فلاں بدعت میں یہ مصلحت ہے۔

صاحبو! اس میں تو خدا اور رسول پر سخت اعتراض لازم آتا ہے کہ فلاں امر نافع تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اس کو دین میں نہیں رکھا (نعوذ باللہ) غرض عید میلاد النبی ﷺ پر آج کل یہ رنگ چڑھایا گیا ہے اور مقصود اس سے وہی اظہار شوکت قومی ہے۔ لیکن ہمارا مذہب تو تفویض الی الشرع ہے۔

بے حکم شرع آب خوردن خطاست
وگر خوں بفتوی بریزی رواست

رہی دعا تو نمازوں کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور دعا کے لئے جو جلسے کئے جاتے ہیں ان میں زیادہ تر ایسے شخص جمع ہوتے ہیں کہ وہ نماز بھی نہیں پڑھتے۔ بس محض اس واسطے کہ اپنا نام ہو اور بعض محض اقتضاء طبیعت کیوجہ سے کہ ان کی طبیعت میں اس وقت اس قسم کے کاموں کا جوش پیدا ہوتا ہے لیکن شریعت مطہرہ نے ہم کو زا جوش نہیں سکھایا۔ اس جوش کی کیا انتہا ہے کہ بعض نے قربانی ہی کو حذف کر دیا۔

صاحبو! ہم کو شریعت نے جوش سے زیادہ ہوش کا حکم دیا ہے۔ یہ تو انگریزی خوانوں کا قصہ تھا۔ جو غریب اپنی اس ایجاد کا اس سے زیادہ جواب نہیں دے سکتے۔ کہ اس میں قومی مصلحت ہے۔ مگر کوئی شرعی دلیل نہیں بیان کرتے تو اس سے پھر بھی گمراہی کم ہوتی ہے لیکن یہ عربی پڑھے لکھے جو بگڑے تو انہوں نے ایک جواب شرعی بھی تیار کر لیا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ ذلک الیوم الذی ولدت فیہ اس سے اس دن کا مبارک ہونا معلوم ہوا اور اس کی فضیلت ثابت ہوئی اور حضور ﷺ سے اس میں روزہ بھی ثابت ہے جس سے ثابت ہوا کہ زمانہ ولادت جو یہ یوم العبادت ہے۔ تو جب ایک عبادت اس میں ثابت ہے اور دوسری کو بھی کہ فرحت و سرور بالنعمۃ ہے اس پر قیاس کر لیا جائے گا اور وہ دوسری بھی ثابت ہو جائے گی۔ لیکن ہم کو دونوں مقدموں میں کلام ہے۔ اس میں بھی کہ روزہ اس لئے رکھا تھا۔ ممکن ہے کہ روزہ اس لئے رکھا ہو کہ وہ پہلے سے یوم الفضیلت ہے اور یوم الولادت ہونا اسی فضیلت کے سبب تجویز فرمایا گیا ہو۔ اور اسپر کہ روزہ کا سبب اس یوم کا کسی دوسری وجہ سے افضل ہونا ہے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس روز میں اعمال پیش ہوتے ہیں تو میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا عمل روزہ کی حالت میں پیش ہو تو معلوم ہوا کہ یوم دوشنبہ پہلے سے یوم العرض ہونے کی سبب ذی فضیلت ہے اور اسی وجہ سے اس میں آپ کی ولادت بھی متحقق ہوئی جیسے دسویں محرم کی کہ اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہادت

ہوئی لیکن وہ دن آپ کی شہادت کی وجہ سے افضل نہیں ہوا بلکہ اس کے ذی فضیلت ہونے کی وجہ سے اس میں آپ کی شہادت واقع ہوئی اور اگر ثابت بھی ہو جائے کہ فضیلت اسی وجہ سے ہے یا دونوں کو سبب میں من وجہ دخل ہے تو زیادہ سے زیادہ اسی قدر تم بھی کر لو۔ جو حضور ﷺ سے ثابت ہے اور اگر قیاس ایسا ہی عام ہے تو چاہیے کہ مکہ والے ہر دوشنبہ کو حج بھی کر لیا کریں۔ کہ جب روزہ ثابت ہے حج کو بھی قیاس کر لیں۔ حضرات قیاس کرنا آپ کا کام نہیں ہے اگر قیاس ایسا سستا ہے تو غیر مقلدوں کو ہرگز برا نہ کہو۔ غیر مقلد اس کو نہیں کہتے ہیں جو اپنے کو غیر مقلد کہے۔ بلکہ آج بلا ضرورت شرعیہ جو لوگ قرآن و حدیث سے استخراج کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ سب غیر مقلد ہی ہیں اور لطف یہ کہ سب سے زیادہ یہی لوگ غیر مقلدوں کے دشمن ہیں۔ غرض جو شخص اعمال ظاہرہ کے اثبات میں کذا فی الہدایہ کذا فی درالمختار نہ کہے۔ بلکہ خود دعوی استنباط کا کرے۔ بس وہ غیر مقلد ہے۔

صاحبو! علماء نے تصریح فرمادی ہے کہ چوتھی صدی سے اجتہاد منقطع ہے۔ ہمارے لئے اسلم یہی ہے کہ جو بات ہم کو پیش آئے اس کو ہدایہ میں دیکھیں یا درمختار میں اور اس کا پتہ نہ ہدایہ میں ہے نہ مختار میں۔ محض ایک مسلمان بادشاہ کی ایجاد ہے اس نے عیسائیوں کے توڑ پر ایجاد کیا تھا۔ کہ جیسے ان کے یہاں بڑے دن میں خوشی ہوتی ہے، اور رونق ہوتی ہے اسی طرح ہم بھی کریں۔ مگر اس کے اہتمام سے گو وہ سنت کے خلاف تھا۔ مگر یہ غرض تو حاصل تھی اور اب تو وہ بھی نہیں۔ کیا دو آنہ کی مٹھائی تقسیم کر دینے سے یا چند آدمیوں کے جمع ہو جانے سے ان کا توڑ ہو سکتا ہے اور اصل تو یہ ہے کہ اس بادشاہ کی یہ رائے ہی غلط تھی۔ اسلام کو ان عارضی شوکتوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام کی تو وہ شوکت ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملک شام میں تشریف لے گئے اور وہاں لوگوں نے لباس بدلنے کے لئے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ نَحْنُ قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ۔ صاحبو! اگر ہم سچے مسلمان ہیں تو ہماری عزت سب کے نزدیک ہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک معمولی وضع میں رہتے تھے۔ مگر لفٹنٹ گورنر ان کو سلام کو آتے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ ماہان ارمنی کی مجلس میں تشریف لے گئے، وہاں حریر کا فرش بچھا ہوا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس کو ہٹا دیا۔ ماہان نے کہا کہ اے خالد رضی اللہ عنہ میں نے تمہاری عزت کی تھی لیکن تم نے اس کو قبول نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ماہان تیرے فرش سے خدا کا فرش اچھا ہے۔ ہم کو حضور ﷺ نے حریر کے استعمال سے منع فرما دیا ہے۔ تو کیا اس حریر کے ہٹا دینے سے اس کی شوکت کم ہوئی یا اور بڑھ گئی مسلمانوں کی عزت یہی ہے کہ ہر موقع پر کہہ دیں کہ ہم کو فلاں کام سے حضور ﷺ نے منع فرما دیا ہے۔ مگر آج کل لوگ اسلام کے احکام ظاہر کرنے کو ذلت سمجھتے ہیں۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ میں نے ریل میں نماز اسی لئے نہیں پڑھی کہ وہاں سب ہندو ہی تھے۔ دیکھ کر اسلام پر ہنستے۔ اِنَّا

لِلّٰہِ ایک وہ وقت تھا کہ ہر بات میں قرآن وحدیث زبان پر آتا تھا حتیٰ کہ جب صحابہ کرام ؓ نے روم پر حملہ کیا ہے۔ تو وہاں کے عیسائیوں نے کہا کہ تم بھی اہل کتاب ہو اور ہم بھی اہل کتاب ہیں۔ تو ہم میں تم میں ایسا زیادہ اختلاف نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ تم اول مجوس فارس سے لڑو کہ وہ مشرک ہیں۔ واقعی ہم تو شاید اس سوال کا جواب نہ دے سکتے لیکن صحابہ کرام نے فوراً ارشاد فرمایا کہ ہم کو حکم ہے۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ اور تم ان کی نسبت نزدیک ہو۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے قلب میں قرآن بسا ہوا تھا تو انہوں نے فرمایا۔ ماہان ارمنی سے کہ تیرے فرش سے خدا کا فرش افضل ہے۔ کہ حضرت آدم ؑ سے پہلے سے ہے اور آج تک چلا آتا ہے نہ دھونا پڑتا ہے نہ کچھ بلکہ اور ناپاکی کو بھی پاک کر دیتا ہے۔ یہ وہ فرش ہے کہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے جب سنا وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا تو جوتہ نکال کر پھینک دیا کہ خدا کے فرش پر جوتہ لے کر نہ چلنا چاہئے۔ آخر تمام درندچرند کو حکم ہو گیا کہ جہاں جہاں بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ جائیں وہاں وہاں بیٹ نہ کرنے پائے۔

صاحبو ہماری عزت سامان سے نہیں ہے اگر ہے تو بے سروسامانی سے ہماری عزت ہے۔ یہ بے سروسامانی کی وہ عزت ہے کہ۔

زیر بارند درختاں که ثمرها دارند
ای خوشا سرو که از بند غم آزاد آمد
دلفریبان نباتی همه زیور بستند
دلبر ماست که باحسن خدا داد آمد

اور سنئے (واقعی اگر آدمی غور کرے تو بدعت کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے) جونپور میں ایک صاحب نے دسویں ایجاد کی تھی کہ وہ ہر مہینہ کی دسویں تاریخ کو شہادت نامہ پڑھواتے تھے نیت تو یہ تھی کہ لوگ شیعوں کی مجالس میں شریک نہ ہوں۔ لیکن ان کا یہ مقصود بھی حاصل نہ ہوا لوگ اس سے فارغ ہو کر شیعوں کی مجالس میں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ میاں چلو ان کم بختوں کے ہاں بھی دیکھ آئیں کیا ہو رہا ہے۔ یہ ہیں بدعات کی مصالح۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر یہ مصالح واقع میں مصالح ہیں تو خدا تعالیٰ نے باوجود ان مصالح کی رعایت نہ کرنے کے یہ کیوں فرمادیا تھا کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ، اور بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اذکار و اشغال بہیآت وقیود خاصہ بھی تو درمختار میں نہیں ہیں تو سمجھو کہ اذکار و اشغال خاصہ سے غرض تحصیل ثواب نہیں ہے۔ بلکہ مقصود ان سے خاص کیفیات کا طبیعت میں پیدا کرنا ہے (اسپر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ محققین کیفیات کو غیر مقصود کہتے ہیں سو ان کا مطلب ہے کہ مقصود بالذات نہیں ۱۲ منہ) مثل تقلیل خطرات وجمعیت ویکسوئی کو پھر ان سے عبادت میں کام لیا جائے۔ ان کی حالت مثل ادویہ طبیہ کے ہے کہ کوئی دوا بخار کو نافع اور کوئی کھانسی کو نافع ہے تو مقصود ان سے تحصیل کیفیت صحت ہے پھر چاہے وہ ذریعہ عبادت کا بن

جائے اور یہ تجربہ ہے کہ وہ کیفیات ان خاص طرق سے حاصل ہوتی ہیں تو جواب کا حاصل یہ ہے کہ ہم ان کو نفع عاجل ہے جب ان ہی کے زمانہ کو یوم عید اور یوم الحزن بنانے کی جڑ کٹ گئی تو اور واقعات کے ازمنہ کے لئے تو بدرجہ اولےٰ، اگر شرعی دلائل موجود نہ ہوتے تو ہم اس دلیل کو کوئی چیز نہ سمجھتے۔ لیکن چونکہ اب یہ شریعت کے موافق ہے۔ اسی لئے ہم اس پر خدا کا شکر کرتے ہیں غرض وہ شبہ جو حدیث ذلك اليوم الذى ولدت فيه سے ہوا تھا اب زائل ہو گیا ہوگا۔ یہ ہے ہمارا کلام اس مسئلہ کے متعلق باقی۔

نفس ذکر شریف کا تاکد:

نفس ذکر قطع نظر رسوم سے تو خدانخواستہ ہم اس کا انکار کیسے کر سکتے ہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ اس کو وظیفہ کے طور پر کرو اور قرآن ہی میں اس کا وظیفہ ہونا جگہ جگہ مذکور ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اور قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ علی ہذا اور بہت جگہ قرآن شریف میں مذکور ہے تو جو شخص روزانہ قرآن شریف کی تلاوت کرتا ہے وہ ایک دو آیت آپ کے ذکر شریف کی ضرور پڑھتا ہے تو کیا ایسا شخص منکر ہوگا اور دیکھئے جہاں اشهد ان لا اله الا اللّٰه موجود ہے وہیں واشهد ان محمدا رسول اللّٰه بھی ہے علی ہذا نماز میں بھی تشہد میں حضور ﷺ کا ذکر ہے اور تشہد کے بعد تو درود شریف میں حضور ﷺ ہی کا زیادہ تر ذکر ہے تو نماز اور قرآن بھی آپ کے ذکر سے بھرا پڑا ہے ایک اور جگہ فرماتے ہیں يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا تو کون ظالم ہے کہ اس سے منع کرے اور کون ظالم ہے کہ وہ کسی کو منع کرنیوالا ہے۔ لیکن حدود سے باہر نہ نکلو۔ نماز پڑھو۔ لیکن قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھو۔

آیت صدر قد جاءکم الخ کی تفسیر اور ختم وعظ:

پس منجملہ ان آیات کے ایک یہ آیت بھی ہے جس کی میں نے تلاوت کی ہے اور اس کی ایک تفسیر یہ ہے جو میں نے ذکر کی کہ نور سے مراد حضور ﷺ ہوں اور اس تفسیر کی ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ اس سے اوپر بھی قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا کے لئے کرتے ہیں اور ان کو مثل ادویہ طبیہ کے سمجھتے ہیں مثلاً ہم حبس دم کو ہرگز عبادت نہیں سمجھتے۔ بلکہ تدبیر سمجھتے ہیں۔ جمع طبیعت کی۔ بخلاف بدعات متعارفہ کے کہ وہ کی جاتی ہیں۔ تحصیل ثواب کے لئے اور حبس دم وغیرہ تحصیل کیفیات کے لئے کی جاتی ہیں اور یہ نفع ان کا مشاہد ہے۔ پس چونکہ اس کو دین سمجھ کر نہیں کیا جاتا۔ اسی لئے اس کے در انکار میں ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور بدعات کو چونکہ دین سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ (اور اسپر یہ شبہ نہ

کیا جائے کہ اگر کسی بدعت کو دین نہ سمجھیں بلکہ دنیوی شوکت کے لئے کریں تو کیا حرج ہے بات یہ ہے کہ ہوگی تو وہ دین ہی کی شوکت گو وہ فی الدنیا ہو اور اظہار شوکت دین عبادت ہے۔ پس وہ ہر حال میں دین ہی ہو گیا) اس واسطے اس کے درمختار میں ہونے کی ضرورت ہے اور جب کہ یہ درمختار وغیرہ میں نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ بدعت ہیں۔ لغو ہیں خلاصہ یہ ہوا کہ ہر حکم کے ثبوت کا مدار شریعت پر ہے۔ پس حدیث شریف سے اتنا ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے روزہ رکھا تو تم بھی اتنا ہی کرلو۔ باقی عید میلاد النبی ﷺ وغیرہ یہ کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ تو تھے دلائل شرعیہ۔

یوم ولادت کو عید منانے یا یوم وفات کو ماتم منانے کی ممانعت کا ایک نہایت لطیف اور عجیب نکتہ:

اب میں ایک اور دلیل بیان کرتا ہوں جو کہ بطور دلیل الہامی کے ہے اور اس کے بیان سے کچھ فخر مقصود نہیں بلکہ ہر امر جو شریعت کے خلاف نہ ہو اور کہیں مدون بھی نہ ملا ہو اور وہ القا ہو قلب میں تو اس کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے الہام سمجھا جائے گا وہ یہ ہے کہ عجیب اتفاقی بات ہے کہ حضور ﷺ کا یوم ولادت ووفات اور ماہ ولادت ووفات بالاتفاق اور دونوں کی تاریخ بھی علی المشہور ایک ہی ہے تو عجب نہیں کہ اس اتحاد میں اس طرف اشارہ ہو کہ کوئی شخص اس دن کو نہ یوم العید بنائے اور یوم الحزن کیونکہ اگر کوئی اس کو یوم العید بنانا چاہے تو وفات کا خیال مانع خوشی ہو جائے اور کوئی یوم الحزن بنانا چاہے تو ولادت شریفہ کا خیال مانع رنج ہو جائے تو اس سے بھی اس دن کے یوم العید ہونے کی جڑ کٹ گئی اور چونکہ دونوں واقعوں سے زیادہ کوئی واقعہ سرور وحزن کا نہیں فرمایا ہے تو یہ قرینہ ہے اس پر کہ دونوں جگہ جاءکم کا فاعل ایک ہو۔ دوسرے اوپر قَدْ جَاءَکُمْ رَسُوْلُنَا کے ساتھ جو آپ کی شان بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے یبین لکم کثیراً مما کنتم تخفون من الکتاب یعنی آپ کو مبین ومظہر فرمایا ہے اب سمجھئے کہ نور کی حقیقت ہے ظاہر بنفسہ مظہر لغیرہ تو حضور ﷺ کی شان مظہر کے بہت مناسب ہے کہ مراد نور سے آپ ہوں اور اس کے آگے قرآن کی شان میں فرماتے ہیں کتاب مبین یھدی بہ اللّٰہ تو کتاب کو تو آلۂ اظہار فرمایا اور آپ کو مبین میں خود مظہر فرمایا۔ پس یہ قرینہ ہے تفسیر بالا کا اور گو کتاب بھی ظاہر کرنے والی ہوتی ہے مگر اس میں آلیت کی شان زیادہ ملحوظ ہوتی ہے۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ کتاب میں بھی ظہور اور اظہار دونوں ہوتے ہیں اور نور میں بھی دونوں ہوتے ہیں لیکن ایک فرق ہے وہ یہ کہ نور پر جب اول بار نظر ہوتی ہے۔ تو یہ نیت اور خیال بھی نہیں ہوتا کہ وہ خود نظر آیا ہے۔ مثلاً نور سے کتاب دیکھی تو اس طرف ذہن بھی نہیں کہ ہم کو نور نظر آیا ہے۔ پھر اس کے ذریعہ سے کتاب نظر آئی ہے بلکہ اس میں اول ہی سے مظہر کی شان ظاہر ہوتی ہے برخلاف کتاب کے کہ اول ہی نیت ہوتی ہے کہ وہ خود

سمجھ میں آئے۔ پھر سمجھ میں آنے کے بعد ان مضامین سے دوسری جگہ کے احکام منکشف کئے جاتے ہیں تو نور کی شان میں تو اظہار غالب ہے اور کتاب میں ظہور غالب ہے تو یھدی بہ اللّٰہ کتاب کے زیادہ مناسب ہے اور نور حضور ﷺ کے زیادہ مناسب ہے۔ یہ ہے وجہ ترجیح۔ مگر اس میں ایک اشکال ہو سکتا ہے کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ قد جاء کم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا۔ تو یہاں برہان سے مراد غالباً بقرینہ جاءکم حضور ﷺ ہیں اور نور سے مراد غالباً بقرینہ انزلنا قرآن ہے اور یہی نور وہاں بھی آیا ہے والقران یفسر بعضہ بعضاً تو جواب اس کا یہ ہے کہ ہم یہ کب دعویٰ کرتے ہیں کہ جہاں لفظ جاءَ ہو وہاں اس کا فاعل حضور ﷺ ہی ہوں گے۔ ممکن ہے کہ یہاں جاءکم کی اسناد کتاب کی طرف مجازاً ہو۔ مگر جہاں اسناد حقیقی بن سکے۔ وہاں اس کو کیوں نہ اختیار کیا جائے اور یہاں یعنی قَدْ جَاءَکُمْ نُوْرٌ میں ہو سکتا ہے۔

پس یہاں یہی مناسب ہوگا۔ دوسرے ہم اَنْزَلْنَا سے بھی رسول ہی مراد لے سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک اور مقام پر ہے اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا رسولاً بدل بطور تفسیر ہے ذکراً سے یہاں بھی انزلنا کا معمول لفظ رسولاً واقع ہوا ہے پس اس سے بھی تفسیر مختار پر کوئی غبار نہیں رہا۔ خیر طالب علموں کے کام کی ایک بات تھی۔ مقصود یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضور ﷺ کے تشریف لانے کو بطور امتنان کے فرمایا ہے تو اس سے ہم کو سبق لینا چاہئے کہ ہم ایک تو روزانہ ذکر کیا کریں اور اگر کوئی کہے کہ قرآن کی تلاوت میں آ ہی جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مجمل ہوتا ہے اس سے اکثر کچھ تفصیل نہیں سمجھ سکتے۔ دوسرا یہ سبق لینا چاہئے کہ اس امتنان کے بعد یہ ارشاد ہے کہ ان سے ہدایت ہو اور اپنا نہ ہو اور اگر یہ حاصل نہیں کیا تو محبت نہیں ہے۔ اسی کو کہتے ہیں۔

تعصی الرسول وانت تظھر حبہ
ھذا لعمری فی الفعال بدیع
لو کان حبک صادقا لا طعتہ
ان المحب لمن یحب مطیع

یعنی حیرت ہے کہ تم دعویٰ حب رسول کا کرتے ہو اور پھر ان کی نافرمانی کرتے ہو۔ اگر تم سچے محب ہوتے تو ضرور اطاعت کرتے۔ کیونکہ محب محبوب کی اطاعت کیا کرتا ہے۔ بس یہی بیان کرنا تھا۔ اس وقت اس کی تو گنجائش تھی نہیں کہ مفصل حالات کا ذکر کرتا۔ اس لئے اصول پر اکتفاء کیا۔ دوسرے میں نے ایک کتاب کا پتہ بھی دے دیا ہے (وہ کتاب نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ہے۔ یہ کتاب حضور ﷺ کے حالات میں جامع ومستند ہے۔ ہمارے یہاں موجود ہے) مفصل ذکر کو جس کا جی چاہے اس کو منگا کر اپنے پاس رکھے۔ اب خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ توفیق مرضیات عطا فرمادے اور ہم سب کو اپنی اور اپنے رسول کریم ﷺ کی محبت اور اطاعت عطا فرمادے۔ آمین!

پیش ازہمہ شاہان غیور آمدۂ
ہر چند کہ آخر بظہور آمدۂ
ای ختم رسل قرب تو معلوم شد
دیر آمدۂ زراہ دور آمدۂ

وعظ

الظّہور

الملقب

بسر المولد النبوی من المثنوی المعنوی

این	متی	کم	کیف	ماذا	لم	من ای شان	من ضبط	[illegible]	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر	کیا مضمون تھا	سبب وعظ	کس طبقہ کو زیادہ مفید ہے	کس نے لکھا	سامعین کی تعداد	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	۳ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ	۲ گھنٹہ ۳۰ منٹ	بیٹھکر	حضور ﷺ کی ولادت شریف کا راز بطرز صوفیہ	تمہید میں مذکور ہے	جملہ طبقات کو عموماً اور اہل بدعت کو خصوصاً	مولوی عبد اللہ صاحب	تقریباً ۲۰۰	بیشتر عوام اور اہل علم کا مجمع تھا

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم ط

التماس از جامع وعظ ہذا عفی عنہ

یہ وعظ جس میں ۱۳۰ اشعار مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی شرح ہے ان کو قبل وعظ یکجا نقل کرنا لحاظ ناظرین کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے۔

قال مولانا الرومی فی الدفتر السادس من المثنوی

معنی نختم علی افواههم نختم علی افواہہم کے معنی یہی سمجھو	این شناس انیست رهرورامهم یہ بات سالک کے لئے بہت ضروری ہے
تار راه خاتم پیغمبران بکر خاتم النبیین ﷺ کے طریقہ پر چلنے سے	بو که برخیز درلب ختم گران ممکن ہے کہ یہ مہر گراں لب سے اٹھ جائے
ختمهائے کانبیا بگذا شتند جو مہریں اور انبیاء علیہم السلام چھوڑ گئے تھے	آں بدین احمدی برداشتند ان کو دین محمد ﷺ سے کار کنان قضا وقدر نے اٹھا دیا
قفلهائے ناکشاده مانده بود جو قفل بے کھلے رہ گئے تھے	ازکف انا فتحنا بر کشود وہ صاحب انا فتحنا کے دست مبارک سے کھلے
او شفیع این جهان وآنجهان آپ شفیع ہیں اس عالم میں بھی اور اس عالم میں بھی	این جهان دردین آنجا در جنان اس عالم میں تو دین کے باب میں اور اس جگہ جنت کے باب میں
این جهان گوید که توره شان نما یہ عالم کہتا ہے کہ آپ لوگوں کو رستہ دکھلایئے	واں جهان گوید که تومه شان نما اور وہ عالم کہتا ہے کہ آپ ہم کو جمال محبوب جو مشتاق ہو رہے ہیں دکھلایئے
پیشه اش اندر ظهور ودر کموں آپ کا شیوہ علانیہ اور خفیہ یہ تھا	اهد قومی انهم لایعلمون کہ آپ دعا کرتے تھے کہ میری قوم کو ہدایت فرمائیے وہ لوگ جانتے نہیں
باز گشته از دم او هر دو باب آپ کے دم یعنی سخن سے دونوں دروازے مفتوح ہو گئے	درد وعالم دعوت او مستجاب دونوں عالم میں آپ کی دعا مقبول ہے
بهر این خاتم شد است او که بجود آپ خاتم اسی لئے ہوئے ہیں کہ فیض رسانی میں	مثل اونے بو دو نے خواهند بود نہ کوئی آپ کا مثل ہوا اور نہ آئندہ آپ کے مثل ہوں گے
چونکه در صنعت برداستاد دست جب کسی صنعت میں کوئی استاد سب پر فائق ہو جاتا ہے	نے تو گوئی ختم صنعت بر توست تو کیا تم اس وقت یوں کہا نہیں کرتے کہ تم پر صنعت کا خاتمہ ہو گیا

درکشاید ختمها تو خاتمی آپ ان ختوم کے فاتح ہونے میں بھی خاتم ہیں	در جهان روح بخشا خاتمی روح عطا کرنے والوں کے عالم میں تو آپ خاتم ہیں
هست اشاداتِ محمد المراد محمد ﷺ کے اشارات	کل کشاد اندر کشاد اندر کشاد کل کے کل فتوح در فتوح درفتوح ہیں
صد هزاراں آفریں بر جان او آپ کی روح مطہر پر ہزاروں ثنا نازل ہوں	بر قدوم ورود فرزندان او آپ کے فرزندوں کی تشریف آوری اور گشت فرمائی پر بھی
آں خلیفه زاد گان مقبلش آپ کے وہ بااقبال شہزادے	زاده انداز عنصر جان ودلش جو آپ کے روح وقلب کے عنصر سے پیدا ہوئے ہیں
گرز بغداد وهرے یا از رے اند اگر وہ بغداد وہرات کے ہوں یا رے کے ہوں	بے مزاج آب وگل نسل دیند بدون ترکیب آب وگل کے آپ کی نسل ہیں
شاخ گل هر جا که روید هم گل است شاخ گل جہاں بھی پیدا ہو وہ شاخ گل ہی ہے	خم مل هر جا که جو شد هم مل است خم شراب جہاں بھی جوش میں آجائے وہ شراب ہی ہے

وقال فی مقام آخر

خودیکے بو طالب آں عم رسول خود ایک ابوطالب ہی تھے کہ جو رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے	می نمودش شنعت عرباں مهول جن کو عرب کی تشنیع ہولناک نظر آتی تھی
که چه گویندم عرب کز طفل خود کہ مجھ کو عرب کیا کہیں گے کہ اپنے لڑکے سے	او بگر دانید دین معتمد انہوں نے اپنا دین جو قابل اعتماد تھا بدل دیا
منصب اجداد وآباد ابماند اباء واجداد کا منصب چھوڑ دیا	درپے احمد چنیں بے راه براند احمد ﷺ کے پیچھے اس طرح بے راہ روانہ ہو گئے [1]
آں رسول پاکباز مجتبیٰ رسول پاکباز مجتبےٰ نے	ازپے آں تار هاند مرورا اس غرض سے کہ ان کو خلاصی دیں
گفتش اے عم یك شهادت تو بگو ان سے یہ فرمایا کہ اے چچا تم ایکبار کلمۂ شہادت کہہ لو	تاکنم باحق شفاعت بهر تو تاکہ میں حق تعالیٰ کے سامنے تمہارے لئے شفاعت کرسکوں

[1] ترجمہ بحاصل است ورا صل راند متعدی است یعنی مرکب را براند چوں رواں کردن مرکب مستلزم ما ست رواں شدن را معنی مجازی ترجمہ کرده شد ۔ ۱۲ منہ

گفت لیکن فاش گرد داز سماع ابوطالب کہنے لگے لیکن سننے سے ظاہر ہو جائے گا	کل سر جاوز الاثنین شاع جو راز دو سے تجاوز کرتا ہے شائع ہو جاتا ہے
من بمانم در زبان ایں عرب میں ان عربوں کی زبان پر رہوں گا	پیش ایشان خوار گردم زیں سبب ان کے سامنے اس سبب سے بے قدر رہوں گا
لیك اگر بو دیش لطف ماسبق لیکن اگر ان پر لطف ازلی ہوتا	کے بدے ایں بد دلی با جذب حق تو جذبہ حق تعالیٰ کے ہوتے ہوئے یہ بددلی کیوں ہوتی

وقال فی مقام آخر

چوں جمال احمدی در هر دو کون جمال احمدی کی برابر دونوں عالم میں	کے بدست اے فریز دانیش عون کب ہوا ہے اے مخاطب نور الٰہی ان کا معین ہے
ناز هائے هر دو کون اور ارسد دونوں عالم کے نازوں کا آپ کو استحقاق پہنچتا ہے	غیرت آں خورشیدصد تو را رسد رشک اس صد درجہ خورشید کو پہنچتا ہے
کاندر افگندم بکیواں کوئے را کہ میں نے زحل پر گیند پھینکی ہے	در کشید اے اختراں هے روئے را اے ستارو خبر دار اپنا منہ نہ چھپالو
در شعاع بے نظیرم لاشوید میری شعاع بے نظیر میں تم معدوم ہو جاؤ	ورنه پیش نور من رسوا شوید ورنہ میرے نور کے سامنے رسوا ہو گے

وقال فی مقام آخر

پس محمد صد قیامت بود نقد پس محمد ﷺ سو (۱۰۰) قیامت حاضرہ تھے	زانکه حل شد در فنایش حل وعقد کیونکہ آپ کے آستانہ میں حل وعقد حل ہوگیا
زادئه ثانی است احمد در جهان آپ مولود ثانی ہیں عالم میں	صد قیامت بود او اندر عیاں آپ سو (۱۰۰) قیامت تھے عیاں

اَلْوَعْظُ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الّا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلی الہٖ واصحابہٖ وبارک وسلّم امابعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم. لعمرک انھم لفی سکر تھم یعمھون.

تمہید متعلق مجموعہ وعظ و تعیین مضمون:

یہ ایک آیت ہے سورہ حجر کی اس سے مجھے اپنا بیان مستنبط کرنے کی حاجت نہیں، بلکہ اس مقصود کی اس آیت میں تصریح ہے صرف اس کی تفسیر کرنا منظور ہے، میں نے اس مقصود کی اجمالی تعیین اثناء خطبہ جمعہ میں نماز سے قبل کر دی ہے (اطلاع حاضرین کے لئے کہہ دیا تھا کہ بعد نماز فلاں مضمون بیان ہوگا، تاکہ شائقین ٹھہر جائیں۔) جس کا حاصل جناب رسول اللہ ﷺ کے فضائل کے ساتھ دنیا میں حضور ﷺ کی تشریف آوری کا راز بیان کرنا ہے۔ اسی لئے کہ حضور ﷺ کی ولادت شریف ودیگر حالات کے متعلق حکایات وواقعات تو بیان کئے ہی جاتے ہیں اور ان میں حظ بھی ہے اور نیز اگر منکرات سے خالی ہو طاعت بھی ہے، اسی لئے کہ حضور ﷺ کا ذکر شریف حق تعالی ہی کا ذکر ہے اور میں اگر اس ذکر کے اندر کوئی کوتاہی نہ دیکھتا تو اس پر بھی اقتصار وقناعت کرتا مگر دیکھا جاتا ہے کہ اس میں ایک بڑی کوتاہی ہو رہی ہے۔ اسی لئے اس کے ساتھ دوسرا ضروری مضمون یعنی اس کا راز بھی بیان کرنا ضروری ہوا تاکہ اس کے جاننے سے اس کوتاہی کی بھی اصلاح ہو۔

غلوفی الدین کی حقیقت اور اس سے ممانعت:

تفصیل اس کی الدین یہ ہے کہ اول یہ سمجھو کہ شریعت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شارع ﷺ نے ہر شئی کی ایک حد مقرر فرمائی ہے اس سے آگے بڑھنے کو غلوفی الدین کہا جاتا ہے۔ جس کی نسبت ارشاد ہے لاتغلوافی دینکم مخاطب اس کے اہل کتاب ہیں۔ وہ جناب عیسٰی علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی مدح میں بیحد مبالغہ کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی مدح کرنا عین طاعت ہے۔ لیکن اگر حدود نہ ہوتے تو یہ کہا جاتا کہ جس قدر مدح کی جائے سب طاعت ہے لیکن وہ تو حدود سے تجاوز کر گئے اور اپنی حد سے جو شے بڑھے گی وہ منہی عنہ ہو جائے گی۔

حق تعالی کی حمد میں بھی غلو پایا جاسکتا ہے:

حتی کہ حق تعالی کے کمالات حالانکہ غیر محدود ہیں لیکن غلو اس میں بھی جائز نہیں وہاں بھی غلو کے معنی یہی ہیں کہ حد شرعی سے آگے بڑھے یعنی غیر واقعی امر کو حق تعالی کی طرف منسوب کرے۔ اتنا فرق ہے کہ اگر غیر واقعی کمال کو بشر کی طرف منسوب کرے تو وہ کمال گنا جاتا ہے اور اگر اس میں ہوتا تو کمال ہی ہوتا بخلاف حق تعالی کے کہ اگر اس کے لئے کوئی امر غیر ثابت کرے تو وہ کمال نہیں نقص لازم آجائے گا۔ مثلاً یہ کہے کہ اللہ تعالی اتنے بڑے قادر ہیں کہ اپنے شریک پر بھی قادر ہیں۔ تو یہ صفت مدح نہیں اس لئے کہ جب شریک تجویز ہوا تو وہ شریک فی القدرت بھی ہوگا۔ اور جب شریک فی القدرت ہوا تو قدرت جس کے اندر یہ مبالغہ کرتا تھا ناقص ہوگی۔ پس جب اللہ تعالی کے لئے بھی امر غیر واقع کو ثابت کرنا جائز نہیں تو انبیاء کے لئے کیسے جائز ہوگا۔ پس حضرت عیسی علیہ السلام کو دیکھیے کتنے بڑے پیغمبر ہوئے ہیں کہ غایت قرب اور بلاواسطہ ظاہرہ کے پیدا ہونے کے سبب آپ کا لقب روح اللہ ہے۔ لیکن وہ ظالم اس روح اللہ کے معنی حد سے تجاوز کر کے جزئیت کے خواہ اعتقاداً یا تقولاً قائل ہو گئے اور تعمیم میں نے اس لئے کی کہ عقلاً تو جزئیت بالمعنی الحقیقی کے قائل ہو ہی نہیں سکتے اس لئے کہ محال عقلی ہے گو تقولاً ہوں باقی جو عقل سے معرا ہیں وہ جو چاہیں کہیں۔ پس اہل کتاب کے اس تجاوز عن الحد کے بارہ میں ارشاد ہے۔ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ یعنی اے اہل کتاب تم لوگ اپنے دین میں حد سے مت بڑھو اور اللہ پر بجز حق بات کے مت کہو اور وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ میں ایک نکتہ عجیب اسی وقت سمجھ میں آیا ہے اور وہ میرے مقصد کی پوری دلیل ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ عیسی علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے تو اس کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ یہ فرماتے لَا تَقُولُوا عَلَى عِيسٰى إِلَّا الْحَقَّ۔ یعنی عیسیٰ پر سوائے حق بات کے مت کہو۔ پھر عَلَى اللّٰهِ یوں فرمایا، پس سمجھئے کہ عَلَى اللّٰهِ

فرمانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ جب مخلوق کی شان میں حد سے تجاوز کرو گے تو یہ ضرور خدا کی تنقیص ہوگی۔ پس عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا یہ تنقیص ہے باری تعالیٰ کی۔ یہاں سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ہم لوگ جو بدنام ہیں کہ یہ رسول کی مدح سے منع کرتے ہیں تو جو مدح حد کے اندر ہو اس کو ہم اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ ہاں ہم خدا تعالیٰ کی تنقیص کو منع کرتے ہیں۔ پس رسول کی اتنی مدح کرنا کہ جس سے حق تعالیٰ کی شان میں بے ادبی ہو۔ یہ رسول کی تو ظاہراً مدح ہوگی۔ لیکن واقع میں اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہوگی۔ ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص کسی کی اتنی مدح کرے کہ اس کے باپ کی اہانت ہو جائے۔ پس ایسی مدح کو وہ بیٹا بھی پسند نہ کرے گا بلکہ اس سے ناراض ہوگا۔ پس لا تقولوا علی اللہ الا الحق سے صاف ظاہر ہو گیا کہ مدح کے اندر حد شرعی سے بڑھنا یہ خدا تعالیٰ کی تنقیص ہے آگے جو ارشاد ہے اس سے میرا مقصود جو نکتہ کے عنوان سے بیان کیا ہے بہت صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ لَاتَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ بھی اس مدح عیسوی ہی کے متعلق ہے اور وہ ارشاد یہ ہے کہ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ یعنی مسیح عیسیٰ ابن مریم اور کچھ نہیں ہیں۔ صرف اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ پس اگر آیت کے یہ معنی نہ ہوں جو میں نے بیان کئے ہیں۔ تو درمیان میں لَاتَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ بالکل بے ربط معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اول وآخر میں تو عیسیٰ علیہ السلام کا بیان ہے۔ اور درمیان میں لَاتَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ کے کیا معنی۔ پس صاف ظاہر ہے کہ مدعا یہی ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کی جزئیت کے قائل ہو گے تو اللہ تعالیٰ پر بہتان ہوگا اور اس سے تنقیص جناب باری تعالیٰ کی لازم آئے گی۔

مدح اور حضور ﷺ کی نعت کے اندر غلو کا ناجائز ہونا اور اس کی حد شرع:

پس مدح بھی اس وقت تک جائز ہوگی کہ حد سے نہ گزرے۔ اسی طرح حضور ﷺ کی شان میں بھی سمجھ لو کہ حضور ﷺ کی نعت اسی حد تک جائز ہوگی کہ حد شرعی سے متجاوز نہ ہو۔ باقی اس کی حد کیا ہے۔ اس کو مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت مختصر الفاظ میں بیان کر دیا ہے وہ یہ ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یعنی خواص ربوبیت کے علاوہ سب کمالات حضور ﷺ کے لئے امکاناً تو سب ثابت اور وقوعاً جس میں روایت وارد ہو وہ ثابت اور خواص ربوبیت کے علاوہ اگر کوئی ایسا امر ثابت کرو گے جو روایت سے ثابت نہ ہو۔ تو یہ کذب اور گناہ تو ہوگا۔ لیکن اس سے تنقیص حق تعالیٰ کی لازم نہ

آئے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ مدح نبوی کے اندر دو چیزوں کی رعایت رکھو۔ ایک تو یہ کہ حضور ﷺ کو خدا کے درجہ میں مت پہنچاؤ دوسرے یہ کہ وہ امر ثابت کرو کہ روایات ثابتہ اس کی مساعد ہوں۔

آجکل لوگ ذکر ولادت میں حدود کی رعایت نہیں رکھتے ہیں:

ان دو امروں کی رعایت کے بعد جو چاہو ثابت کرو کوئی منع نہیں کرتا۔ مختصر یہ ہے کہ اس باب میں نسبت الوہیت اور کذب سے احتراز رکھو۔ لیکن چونکہ ابنائے زمان ان دونوں باتوں سے اجتناب نہیں کرتے۔ حضور کی شان کو ایسا بڑھاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تک پہنچا دیتے ہیں اور حکایت وواقعات وہ بیان کرتے ہیں کہ روایات صحیحہ میں ان کا پتہ بھی نہیں اور انکی اصلاح ضروری ہے اس لئے ہم حکایات وواقعات سے زیادہ ضروری مضمون بیان کرتے ہیں جس کو میں نے راز ولادت سے تعبیر کیا ہے اور اگر یہ غلو ہم نہ دیکھتے تو ہم بھی صرف واقعات صحیحہ بیان کرتے اس لئے کہ۔

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ
(نعمان کے ذکر کا اعادہ کر اس لئے کہ اس کا ذکر
مشک ہے۔ جتنا اس کو مکرر کرو گے مہکے گا۔)
ھو المسک ما کررتہ یتضوع
اور اس لئے کہ محبوب کا ذکر بھی مایہ تسلی ہے۔ بمصداق حکایت۔

دید مجنوں را یکے صحرا نورد
دربیابان غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم
می نمودے بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنوں شیدا چیست ایں
می نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نام لیلےٰ می کنم
خاطر خودرا تسلی می کنم

وعظ ہذا میں حضور ﷺ کی تشریف آوری کا راز بیان فرمانے کی وجہ:

پس حقیقت یہ ہے کہ محبوب کا ذکر بھی محبوب ہے لیکن کیا کیا جائے اسی محبوب کے امر کی

وجہ سے یہ بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ محبوب کے احکام کا ذکر زیادہ اہتمام سے ہو۔ اس لئے واقعات بیان نہ کروں گا۔ نیز وقت بھی نہیں اور ضرورت بھی نہیں اس لئے کہ بفضلہٖ تعالیٰ وہ واقعات جو علمائے محققین نے صحیح صحیح روایات سے مدون کر دیئے ہیں۔ (چنانچہ اس مبحث میں خود حضرت مولانا مد ظلہم العالی نے نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب تصنیف فرمائی ہے جو قابل دید ہے۔ جامع وعظ) مشہور اور السنہ پر مذکور ہیں اسی لئے میں بجائے حضور ﷺ کی تشریف آوری کے واقعات کے وہ حکمت اور راز بیان کرنا چاہتا ہوں جو حضور ﷺ کے تشریف لانے سے مقصود ہے اور نیز حضور ﷺ کے واقعات اور حکایات کا بھی مقصود اور غایت اصلی وہی ہے۔

قرآن مجید کے اندر قصص واقعات سے ان کی غایات مقصود ہیں:

قرآن مجید کے اندر بھی غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جتنے واقعات اور قصص حق تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں، مطمح نظر ان سے ان کی غایات ہی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ کتاب انزلناہ الیك لتخرج الناس من الظلمات الی النور ۔ یعنی یہ کتاب ہے ہم نے اس کو آپ کی طرف اسی لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالیں اور ارشاد ہے هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ انہوں نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اسی لئے بھیجا ہے کہ اس دین کو تمام دینوں پر غلبہ دیدیں اور فرماتے ہیں۔ قد انزل علیکم ذکرا رسولا یتلوا علیکم ایٰت اللہ مبینٰت لیخرج الذین امنوا وعملوا الصٰلحٰت من الظلمٰت الی النور۔ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ ایک یاداشت (یعنی رسول کو کہ وہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھتے ہیں کہ وہ آیات (حق کو) ظاہر کرنے والی ہیں۔ تاکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور عمل نیک کئے ہیں ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالیں۔ آیت موخر الذکر میں اللہ تعالیٰ نے ذکر اور رسول کو مبدل منہ اور بدل واقع کر کے گویا ایک قرار دیا ہے۔ اس سے عقلاء سمجھ سکتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ذات مقدس سے مقصود ذکر ہے۔

بہر حال قرآن شریف کے اندر جہاں حضور ﷺ کا ذکر ہے وہاں غایت بھی حق تعالیٰ نے بیان فرمائی۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی ذات بابرکات سے اور آپ کے واقعات سے وہ غایت ہی مطلوب ہے۔ پس الحمد للہ میرا یہ بیان اور دعویٰ بے دلیل نہیں رہا۔ پس اس غایت و راز کو بیان کرنا۔ عین امتثال ہے اللہ تعالیٰ کے ارشادات کا اور نیز یہ اس حیثیت سے

افضل ہو گا صرف واقعات کو بیان کرنے سے یہ تو اجمالی تعیین تھی مقصود کی۔

راز ولادت شریفہ کو صوفیہ کے طرز پر بیان کیا جائے گا:

اس کے بعد سمجھئے کہ میں نے خطبہ جمعہ میں وعدہ بیان کے ساتھ یہ بھی قید لگائی تھی کہ میں آپ کی تشریف آوری کا راز حضرات صوفیہ و اہل اسرار کے طرز پر بیان کروں گا۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت کو ان ہی حضرات نے خوب سمجھا ہے اور لوگ تو الفاظ ہی میں ہیں اور یہ لوگ اسرار سمجھتے ہیں۔ ان کی تحقیقات اور علماء ظاہر کے علوم میں ایسا فرق ہے۔ جیسے ایک شخص تو کتاب خوان نعمت سے لڈو، پیڑے، برفی، بالوشاہی کے بنانے کی ترکیب اور طریقے بیان کرتا ہو کہ لڈو بنانے کی یہ ترکیب ہے اور بالوشاہی اس طرح بنتا ہے۔ تو اس سے بنانے کی ترکیب تو معلوم ہوئی۔ لیکن حقیقت معلوم نہ ہوئی کہ وہ کیا ہیں۔ اور دوسرے شخص نے بالوشاہی اور لڈو منہ میں رکھ دیئے گو اس کو بنانے کی ترکیب بھی معلوم نہ ہو۔ حضرت قبلہ حاجی صاحب قدس سرہ کے یہاں ایک مولوی صاحب جو پہلے بھی کسی شیخ سے مثنوی پڑھ چکے تھے۔ حضرت حاجی صاحب سے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی شریف پڑھتے تھے۔ حاجی مرتضےٰ صاحب لکھنوی اس وقت وہاں موجود تھے۔ انہوں نے ان مولوی صاحب سے پوچھا کہ تم تو خود عالم ہو۔ پھر مثنوی بھی پڑھ چکے ہو پھر تم حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کیوں پڑھتے ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ کچھ علوم پڑھے ہوئے بھی ہیں۔ حاجی مرتضیٰ صاحب نے کہا کہ میں نے علوم میں سے تو کچھ نہیں پڑھا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ اگر آپ عالم ہوتے تو علماء کے طرز پر آپ کو سمجھا دیتا۔ اب میں ایک موٹی سی مثال بیان کرتا ہوں اس سے تم کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارے پہلے پڑھنے پڑھانے میں اور حضرت کے پڑھانے میں کیا تفاوت ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک مکان عالی شان ہے ایک شخص نے اس کے دروازہ پر کھڑا کر کے کہا کہ اس مکان کے اندر اتنے کمرے ہیں اتنا سامان ہے۔ فلاں جگہ گھنٹہ لگ رہا ہے اور فلاں جگہ یہ ہے اور فلاں جگہ وہ ہے۔ غرض اس کے اندر جو کچھ ہے اس کی تمام فہرست بے کم و کاست ایسی بیان کر دی کہ کوئی امر متروک نہ رہا مگر صرف فہرست ہی بتلائی۔ باقی دکھلائی کوئی شئی نہیں۔ دوسرا شخص آیا اس نے فہرست کا تو ایک حرف نہ بتایا مگر یہ کیا کہ ہاتھ پکڑ کر اس مکان کے اندر لیجا کر کھڑا کر دیا کہ اس کے سب سامان اور زینت آنکھوں کے سامنے ہو گئے۔ پس حضرت کا پڑھانا تو ایسا ہے جیسے مکان کے اندر کھڑا کر دیا ہو اور پہلی تعلیم ایسی ہے کہ فہرست بتا دی ہو پس ان حضرات کے علوم واقع میں عین الیقین ہوتے ہیں پس اہل اسرار سے مراد یہ لوگ ہیں ان کے طرز پر میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

صوفیہ کی تحقیقات مخترع نہیں بلکہ ثابت بالکتاب والسنۃ ہیں:

مگر اس سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ وہ مضمون اہل اسرار کا مخترع ہوگا اور ثابت بالکتاب والسنۃ نہ ہوگا یاد رکھو کہ وہ حضرات جو کچھ سمجھے ہیں وہ کتاب وسنت ہی سے سمجھے ہیں۔ کوئی شے خارج اس سے زائد ان کے پاس نہیں ہے اور اگر کتاب وسنت سے خارج کوئی شے ہوگی تو وہ خود مردود ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ صوفیوں کے پاس کچھ علوم واحکام شریعت سے علیحدہ بھی ہیں سو یہ بالکل غلط ہے۔ ان کا علم قرآن وحدیث سے ہی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اور لوگ سمجھتے نہیں وہ حضرات سمجھتے ہیں اور یہ خیال لوگوں کا بہت پرانا ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ سے کچھ علوم واحکام ایسے پہنچے ہیں کہ کسی دوسرے کو نہیں بتائے گئے۔ لیکن اس کے صحیح وغلط ہونے کا معیار خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کا قول کافی ہے۔ مگر ان سے پوچھے کون۔ سو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ کسی باہمت نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھ بھی لیا۔ چنانچہ بخاری کی جو کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا۔ ھل خصکم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بشیء دون الناس یعنی کیا تم کو حضور ﷺ نے ایسی خاص بات بتائی ہے جو اوروں کو نہیں بتائی۔ قال لا الا فھما اوتیہ الرجل فی القرآن۔ فرمایا ہرگز نہیں۔ مگر ہاں ایک سمجھ کہ آدمی کو قرآن یعنی دین کے اندر عطا ہوتی ہے۔

پس حضرات صوفیہ واہل اسرار کو حق تعالیٰ نے قرآن وحدیث کی سمجھ ایسی عطا فرمائی ہے کہ وہ اس سمجھ سے کام لے کر جب کسی کو سمجھاتے ہیں تو بعد ان کے بتانے کے سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ قرآن وحدیث ہی ہے اور لوگوں کو بدون ان کے بتائے سمجھ میں نہیں آتا۔

صوفیہ کے اسرار اور تحقیقات کی صحت کا معیار:

یہی معیار ہے ان تحقیقات کے صحیح اور ثابت ہونے کا کہ اگر بعد سمجھانے کے یہ روز روشن کی طرح معلوم ہونے لگے کہ یہ تحقیقات قرآن وحدیث کے خلاف نہیں تو وہ صحیح ہیں اور اگر بعد سمجھانے کے بھی مخالف معلوم ہوں۔ تو غلط اور تصنیف یاران ہے اور اس کا وہی درجہ ہے۔ جیسا

جاہل فقیروں کی جہالت کی دو حکایتیں:

ایک شخص کی حکایت ہے کہ اس نے والضحٰی واللیل اذا سجٰی کے معنی بیان کئے تھے۔ کہ اے نفس تیری یہی سجا۔ (سزا) ہے، اور ایک بانوا فقیر کے کسی سے پوچھا کہ بتا محمد ﷺ کا رتبہ بڑا ہے یا رزق کا؟ اس نے کہا کہ حضور ﷺ کا مرتبہ بڑا ہے۔ کہنے لگا کہ بے پیرا ہی رہا۔ دیکھ

سوٹے کو سر پر گھما کر کہا اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ دیکھو ان پہلے آیا ہے محمد پیچھے آئے۔ ان ہندی میں کہتے ہیں رزق کو پس رزق کا مرتبہ بڑا ہے۔ یہ فقیری ہے کہ روٹیوں کا مرتبہ رسول سے بڑھا دیا۔ تو کیا ان خرافات کو تفسیر کہا جائے گا۔ غرض میری مراد راز سے یہ ہے کہ سمجھانے کے بعد سمجھ میں آجائے کہ یہ مدلول قرآن وحدیث ہی کا ہے وہ راز مراد نہیں جو مخترع اور من گھڑت ہو۔ ایک بات تو یہ تھی جو قبل مقصود بیان کرنا تھی۔ دوسری بات اور ہے جو اس سے اہم ہے اور وہ راجع ہے۔ سنت وبدعت کی طرف۔ وہ یہ ہے

ماہ ربیع الاول کی فضیلت ایک عجیب طرز سے:

کہ ماہ ربیع الاول شریف کو شریف اسی لئے کہا کہ حضور ﷺ کی اس ماہ میں ولادت ہوئی ہے اور جس زمانہ میں آپکی ولادت ہوئی ہو وہ ماہ ایسا نہیں ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت سے اس میں شرف نہ آئے جیسے کہ ولادت شریف کا مکان اسی وجہ سے معظم ہے کہ حضور ﷺ کی جائے ولادت ہے۔ چنانچہ آج تک وہ موضع شریف محفوظ ہے۔ اور لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ زمان بھی شریف ہوگا جس زمانہ میں حضور ﷺ کی ولادت ہوئی ہے خوب کہا ہے۔

در منزلے کہ جاناں روزے رسیدہ باشد
باخاک آستانش داریم مرحبائے

ایک اور عاشق صاحب حال کہتا ہے۔

بمقامیکہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس مقام کو سجدہ کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے قدم شریف کے موقع پر اس کے متبرک ہونے کے سبب ہم سجدے کیا کریں۔ یہ شعر تو مکان کے شرف میں ہے اور اگر وہ زمان ہے تو اس میں بھی ضرور شرف آئے گا اور وہ ماہ ربیع الاول شریف ہے جس کی نسبت کوئی قائل کہتا ہے (اس کے ساتھ دوسرا شعر آگے آتا ہے)۔

لھذا الشھر فی الاسلام فضل
ومنقبۃ تفوق علی الشھور

یعنی اس ماہ کے لئے اسلام میں ایک فضیلت ہے اور ایسی منقبت وفضیلت ہے جو بعض حیثیتوں سے تمام مہینوں کی منقبت پر بڑھی ہوئی ہے اور "بعض حیثیتوں سے" اس لئے میں نے کہا کہ رمضان المبارک کی فضیلت تو حق تعالیٰ نے بیان بھی فرمائی ہے اور ماہ ربیع الاول کی فضیلت صرف بنائی ہے۔ بس رمضان المبارک کی فضیلت تو بنائی بھی اور بتلائی بھی اور ربیع الاول کی صرف

بتائی ہے۔ بتلائی نہیں تو جس کی فضیلت بتائی بھی اور بنائی بھی وہ افضل ہے اس ماہ سے جس کی فضیلت صرف بنائی ہو اور بتائی نہ ہو۔ اس لئے میں نے من وجہ کہا اور وہ وجہ وحیثیت یہی ہے کہ اس ماہ میں حضور ﷺ کی ولادت ہوئی۔ پس اس حیثیت خاص سے اس کو رمضان پر بھی فضیلت ہے اور اگر نظر کو زیادہ وسیع کیا جائے تو رمضان المبارک کو اس حیثیت سے بھی ربیع الاول پر معنی فضیلت ہو سکتی ہے اس لئے کہ ربیع الاول میں یہ شرف کہاں سے آیا۔ آپ کی ولادت شریفہ کا ظرف ہونے سے اور رمضان المبارک میں شرف کیوں ہے آپ کی عبادت شریفہ کا ظرف ہونے سے۔ پس ربیع الاول شریف تو ولادت شریفہ کا ظرف ہے اور رمضان المبارک عبادت مبارک کا ظرف ہوا اور ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی عبادت آپ کی ولادت سے افضل ہے اس لئے کہ مقصود اور غایت ولادت سے عبادت ہی ہے پس عبادت شریفہ کا ظرف ولادت شریفہ کے ظرف سے افضل ہے۔ لیکن تاہم ربیع الاول کو اس خاص حیثیت سے کہ حضور ﷺ کی اس میں ولادت باسعادت ہوئی ہے صورۃً رمضان المبارک پر فضیلت ہے۔ آگے شاعر کہتا ہے۔

ربیع فی ربیع فی ربیع
ونور فوق نور فوق نور

یعنی حضور ﷺ کا وجود باجود خود بہار پھر ولادت شریف کا ماہ بھی ربیع کا جس کے معنی بہار کے ہیں اور وہ موسم بھی بہار کا تھا اور حضور ﷺ خود نور جو سب انوار سے فائق ہے یہ وجہ تھی میرے شریف کہنے کی۔

جواب اس شبہ کا کہ اہل بدعت اور متبعین سنت میں کیا فرق رہا جبکہ اس بیان کیلئے ماہ ربیع الاول کی تخصیص کی گئی:

اب میں اس مضمون اہم کی طرف راجع ہوتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ یہ ماہ ہے ربیع الاول شریف کا اور اسی میں میں یہ مضمون بیان کر رہا ہوں تو شاید پڑھے لکھے لوگوں کو شبہ ہو کہ ہم میں اور اہل بدعت میں کیا فرق رہا۔ وہ بھی بیان کے لئے اس ماہ کی تخصیص کرتے ہیں اور تم نے بھی کی تو بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں کوئی تخصیص نہیں تخصیص کیسے۔ یہاں تو کوئی وعظ اور کوئی بیان اس سے خالی نہیں جاتا۔ کہ آپ کی تشریف آوری کی حکمتیں اور غایات اور اسرار و مقاصد کو کہ محصل ان کا اتباع کامل ہے اس میں بیان نہ ہوں۔ لیکن اب بھی شاید کسی کو شبہ ہو کہ اور زمانوں میں تو اس خاص اہتمام کے ساتھ بیان نہیں ہوا۔ اس طرح خاص اسی ماہ میں کیوں کیا گیا۔ تو اسی لئے عرض ہے کہ ہم نے اس ماہ کو اس ذکر کے لئے من حیث انہ زمان الولادۃ مخصوص نہیں کیا۔ بل من حیث انہ

یذکر فیہ اہل البدعۃ ذکر الولادت والمحترزون عن البدعات (یعنی اس وجہ سے تخصیص اس ماہ کی نہیں کی گئی کہ اس میں ولادت شریفہ ہوئی ہے۔ اس لئے کہ شریعت میں اس کا پتہ نہیں بلکہ اس وجہ سے یہ تخصیص کی ہے کہ اہل بدعت اس ماہ میں ذکر ولادت شریف کی مجالس کیا کرتے ہیں اور ان میں بدعات سے نہیں بچتے ۱۲ جامع) جسے حکیم صاحب اسی وقت دوا دیں گے جب درد ہو اور جب درد جاتا رہا گو دوا دینا اس وقت بھی اس حیثیت سے کارآمد ہے کہ جب بھی درد ہوگا استعمال کریں گے۔ لیکن درد کے وقت کو تو اس وقت پر ترجیح ہوگی بالفعل تو وہ کارآمد نہیں۔

ہر کجا پستی است آب آنجا رود
ہر کجا مشکل جواب آنجا رود
ہر کجا دردے دوا آنجا رود
ہر کجا رنجے شفا آنجا رود

گو اس شعر میں رنج اور شفا سے مراد اور ہے یعنی طلب و عشق و وصول لیکن اگر الفاظ کے عموم سے امور منکرہ اور ان کی اصلاح کو بھی شامل ہو تو کیا حرج ہے پس درد اور مرض جب دیکھا جاتا ہے جب ہی دوا دی جاتی ہے اور وہ مرض اسی ماہ میں شروع ہوتا ہے۔ اسی لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کا معالجہ اور اصلاح کی جائے بخلاف اس کے کہ چار ماہ پہلے یا پیچھے یہ مضمون بیان کیا جاتا کہ گو مفید ہوتا لیکن اس مدت کے اندر لوگ اس کو بھول بھال جاتے اور اتنی ہم نے ان کی مخالفت بھی کر لی کہ وہ لوگ تو بارہویں کا انتظار کرتے ہیں ہم کو اتنا صبر کہاں تھا کہ بارہویں کا انتظار کرتے، یہاں تو اس ماہ کے شروع ہوتے ہی اضطراب شروع ہوا کہ بیان کرو۔ اس لئے ہم نے سب سے اول کے جمعہ ہی کو شروع کر دیا۔ اس مخالفت کرنے سے اب ہم پر بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔

ایک دوست بیان کرتے تھے کہ ہم کو ایک مرتبہ ایک اسلامی یعنی مسلمانوں کے ہوٹل میں کھانا کھانے کا اتفاق ہوا۔ ہوٹل میں میز کرسی پر کھانا کھاتے ہیں۔ چنانچہ میز پر کھانا چن دیا گیا۔ ہم نے عمر بھر میں اس طرح کھانا نہ کھایا تھا اس لئے کہ تشبہ ہے نصاریٰ کے ساتھ۔ ہم نے دو طرح سے اس تشبہ کو توڑا۔ ایک تو یہ کیا کہ اپنے ہاتھ میں برتن کھانے کا لے لیا۔ وہ لوگ ہاتھ میں لے کر نہیں کھاتے بلکہ میز پر رکھا ہوا کھاتے ہیں۔ دوسرے مخالفت یہ کی کہ سب نے مل کر ایک برتن میں کھایا اور وہ مل کر نہیں کھاتے۔ اپنے اپنے سامنے سے کھاتے ہیں۔

مجھے ایک مرتبہ حیدرآباد جانے کا بطریق سیاحت اتفاق ہوا۔ پھرتے پھراتے کھانے کا وقت آ گیا۔ کھانے کے لئے مغل کے ہوٹل میں گئے۔ وہاں کھانا رکھنے کے لئے میز اور بیٹھنے کے لئے تپائیاں تھیں۔ ہم نے کہا کہ ہم لوگ تو اس پر کھانا نہ کھاویں گے۔ ان لوگوں نے کہا کہ یہاں تو اسی طرح کھانا کھایا جاتا ہے۔۔ ہم نے کہا کہ ہم لوگ طالب علم ہیں کچھ تخفیف کر لیں گے۔

چنانچہ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ان سب تپائیوں کو جوڑ دو۔ چنانچہ وہ جوڑی گئیں تو وہ ایک تخت سا ہو گیا۔ پھر سب نے بیٹھ کر اس پر ثقہ آدمیوں کی طرح کھانا کھایا۔ پس ہم نے یہاں بھی اہل بدعت کی اتنی مخالفت کر لی۔ اس کے بعد تو اگر واقعات اور قصص بھی ہم بیان کرتے تب بھی کچھ حرج نہ تھا اور اب تو صرف زیادہ مقصود بالبیان حضور ﷺ کی تشریف آوری کا راز بغرض تنبیہ واصلاح دین ہے اس لئے شبہ کی بھی کوئی بات نہیں۔ یہ دو مضمون تو قبل مقصود بطور تنبیہ کے تھے ان کو تمہید نہیں کہہ سکتے۔

تمہید اصل مقصود:

اب قبل مقصود عرض کرنے کے ایک مضمون بطور تمہید کے بیان کیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ میں نے کہا تھا کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری کا راز بطرز اہل اسرار وصوفیہ کے بیان کروں گا۔ تو جاننا چاہیے کہ صوفیہ واہل اسرار بکثرت گزرے ہیں اور عجب نہیں کہ انہوں نے مختلف طور سے اس مضمون کو بیان فرمایا ہو۔ مگر اس سے تو جی گھبراتا ہے کہ کتابیں ٹٹولی جائیں اور سب میں تلاش کیا جائے اور بزرگوں کے ملفوظات دیکھے جائیں۔ کام کی بات اگر ایک معتمد جگہ سے بھی مل جاتی ہے تو قناعت ہو جاتی ہے۔ اسی واسطے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اس کی کوشش مت کرو کہ بزرگوں کے ملفوظات ازبر کر لو۔ بلکہ اس کی سعی کرو کہ تم خود ایسے بن جاؤ کہ تمہارے منہ سے بھی وہی نکلنے لگے جو ان ملفوظات والوں کے منہ سے نکلا ہے۔ مگر ہم سوال ایسے تو کہاں ہوئے تھے۔ لیکن اتنی بات تو ضرور ہے کہ زیادہ کاوش سے جی گھبراتا ہے۔ اگر مقنع مضمون ایک مقام سے مل جاتا ہے تو بس اسی پر کفایت کی جاتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ پہلے سے کچھ بیان کا قصد تھا بھی نہیں۔ نہ کوئی مضمون ذہن میں حاضر تھا۔ دفعۃً ہی دل میں آیا کہ اس کے متعلق بیان کیا جائے اور اتفاق سے میں آج کل مثنوی شریف کے دفتر ششم کی شرح لکھ رہا ہوں اس میں ایک مقام آ گیا بلکہ چند مقامات کہ ان میں اس کے متعلق مضمون ہے اور مضمون بھی کافی پس میں نے اس پر قناعت کی اس لئے کہ مضمون کافی اور کہنے والے یعنی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا صوفی وعارف ومحقق ہونا مسلم الثبوت۔ تو پھر کفایت کیوں نہ ہو۔

مثنوی شریف مولانا رومیؒ اور مولانا روم کی خوبیاں اور مولانا کی جامعیت واعتدال:

پھر مثنوی شریف ایک ایسی عجیب اور مقبول کتاب کہ اس کی مقبولیت بھی عام ہاں جو محض

ظاہر پرست اور خشک ہیں وہ اس کی خوبی کو کیا جانیں۔ جیسا کہ جب مجنوں کے عشق کی بہت شہرت ہوئی۔ تو خلیفہ وقت کو خیال ہوا کہ لیلیٰ کو بلا کر دیکھنا چاہیے کہ کیسی ہے جس کی وجہ سے مجنوں مجنوں ہو گیا۔ بلا کر دیکھا تو ایک سانولی سی عورت ہے خلیفہ تعجب سے کہتا ہے جو اس شعر میں مذکور ہے

گفت لیلےٰ را خلیفہ کان توئی
کز تو مجنوں شد پریشان وغوی
از دگر خوباں تو افزوں نیستی
گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی
دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا
ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

یعنی تو دوسرے خوبصورتوں سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ لیلیٰ نے کہا کہ تو چونکہ مجنوں نہیں ہے اس لئے تو خاموش رہ۔ اگر مجنوں کی آنکھ تجھ کو ہوتی تو دونوں جہاں تیرے نزدیک بیقدر ہو جاتے۔ پس مثنوی شریف کی طرف نظر کرنا بھی سوائے اس کے مجنوں کے کسی اور کو روا نہیں۔ اگر مجنوں کے سوا کوئی اور دیکھے گا تو دو قسم کے ضرر ہوں گے اس لئے کہ دیکھنے والے دو قسم کے ہیں۔ یا تو وہ لوگ ہیں جو متشدد ہیں جنہوں نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر کفر تک کا فتویٰ دیا ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں۔

بد گہر را علم وفن آموختن
دادن تیغ است دست راہزن

یہ تو عام طور سے ایسے متشدد دین کے بارہ میں ہے اور ایک مقام پر دفتر سوم میں خاص مثنوی شریف پر طعن اور اعتراض کرنے والے کو کہتے ہیں گو وہ اعتراض دوسری نوع کا تھا۔

خر بطے ناگاہ از خرخانۂ
سر بروں آورد چوں طعانۂ
کایں سخن پست است یعنی مثنوی
قصۂ پیغمبر است وپیروی

کسی شخص نے مثنوی شریف پر اعتراض کیا تھا اس کے متعلق یہ اشعار ہیں آگے چل کر بہت لتاڑا ہے اور طاعن مثنوی کو طاعن قرآن سے تشبیہ دے کر فرمایا ہے۔

اے سگ طاعن تو عوعو می کنی
طعن قرآن را برو تشوی کنی

غرض متشددین کو تو مثنوی شریف کے دیکھنے سے یہ ضرر ہوگا کہ بزرگوں پر اور اہل اللہ پر اعتراض کریں گے اور اعتراض اور طعن اہل اللہ پر کرنا بہت سخت بات ہے اس کا ادنیٰ نقصان تو جو کہ فی نفسہ وہ بھی بڑا نقصان ہے یہ ہے کہ یہ شخص ان کی برکات سے محروم رہتا ہے اور اشد نقصان یہ کہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ ایسے شخص کے سوء خاتمہ کا خوف ہے اور یا دوسری قسم کے دیکھنے والے جاہل معتقد ہوں گے ان کو ضرر پہلے ضرر سے زیادہ ہوگا کہ وہ مضامین سمجھیں گے نہیں اور ایسے معانی پر محمول کریں گے کہ ان کا اعتقاد کرنا کفر ہے تو اپنا ایمان اسی وقت خراب کریں گے حالانکہ مولانا کا وہ مطلب بھی نہ ہوگا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تمام مثنوی کا خلاصہ تو وہ ہے جو انہوں نے اس شعر میں بیان فرمایا ہے۔

مثنوی ء من دوکان وحدت است
ہر چہ بینی غیر وحدت آں بت است

یعنی توحید مگر وہ خود ایسا دقیق مضمون ہے کہ اس میں بھی جہل سے غلط فہمی غالب ہے۔
ایسے مضامین کے متعلق بھی مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

فلچہا چوں تیغ پولا دست تیز
چوں نداری تو سپر واپس گریز
پیش ایں الماس بے اسپر میا
کز بریدن تیغ را نبود حیا

یعنی جب تمہارے پاس تیغ و ڈھال نہیں ہے۔ یعنی ایسے مضامین کے لائق فہم نہیں جس سے تم اپنے ایمان کو بچا سکو تو ایسے مضامین کے پاس مت آؤ اور جو لوگ باوجود کم فہم اور کورے ہونے کے تصوف کے نکات اور تحقیقات دوسروں کے سامنے بیان کر کے اپنے کو صوفی کہلوانا چاہتے ہیں، ان کے متعلق بھی مولانا لکھتے ہیں۔

ظالم آں قومیکه چشماں دو ختند
از سخن ها عالمے را سو ختند

ان اشعار سے معلوم ہو گیا ہوگا، کہ مولانا بڑے اعتدال سے چلتے ہیں مگر اسی کے لئے ہے کہ جو سمجھے اور جو نہ سمجھے اس کے لئے تو فتویٰ ہے شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا کہ یحرم النظر فی کتبنا۔ یعنی ہماری کتابوں کا دیکھنا نا اہل کو حرام ہے مگر اس سے ان کتب کا مذموم ہونا لازم نہیں آتا۔ جیسے حسین لڑکے اور حسین عورت کی طرف بدنظر سے دیکھنا حرام ہے۔ سو اس کے حسین ہونے میں کلام نہیں بیشک وہ حسین ہے اور حسین ہی کی وجہ سے دیکھنا حرام بھی ہے۔ مگر خاوند کو اور باپ بھائی کو دیکھنا جائز ہے اس لئے کہ وہ اہل ہے اسی طرح تصوف کی کتابیں دیکھنا اس

کے اہل اور اس کے محرم کو جائز ہے اور نا اہل کو جو اس سے اجنبی ہو اس کو حرام ہے۔ پس جب مثنوی شریف ایسی خوبیوں اور اعتدال کو لئے ہوئے ہے تو اس سے اس مضمون کو نقل کر دینا میرے نزدیک کافی وافی ہے۔

آغاز مقصود:

بعد ان تنبیہات وتمہید کے اب میں بعونہ تعالیٰ مقصود کو بیان کرتا ہوں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۔ یہ آیت قوم لوط کے بارے میں ہے۔ اوپر سے ان کا قصہ چلا آتا ہے۔

قوم لوط کا قصہ:

خلاصہ یہ ہے کہ قوم لوط کی بدکاری تو مشہور ہی ہے۔ ان کے ہلاک کرنے کے لئے فرشتے حسین لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کی خدمت میں آئے۔ لوط علیہ السلام نے ان کو پہچانا نہیں۔ سمجھے کہ مہمان ہیں دیکھ کر بہت پریشان ہوئے کہ اب لوگ ان کو دق کریں گے۔ چنانچہ قوم کو خبر ہوئی کہ لوط علیہ السلام کے یہاں بڑے حسین حسین لڑکے آئے ہیں۔ یہ سن کر بہت سے بدمعاش آئے۔ لوط علیہ السلام بہت گھبرائے اور فرمایا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں۔ مجھ کو میرے مہمانوں کے روبرو رسوا نہ کرو۔ قوم میں لڑکیاں موجود ہیں ان سے شادی کر لو۔ قوم نے کہا کہ ہم کو عورتوں کی ضرورت نہیں۔ یہ منظر دیکھ کر لوط علیہ السلام اور بھی زیادہ پریشان ہوئے۔ جب فرشتوں نے دیکھا کہ لوط علیہ السلام کو بہت پریشانی ہے تو فرشتوں نے کہا۔ یَا لُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ یعنی تم پریشان مت ہو ہم تو تمہارے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ لوط علیہ السلام مطمئن ہو گئے۔ جب قوم نے ان لڑکوں پر ہاتھ ڈالنا چاہا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنا بازو ان کی آنکھوں پر پھیر دیا۔ سب کے سب اندھے چوپٹ ہو گئے۔ اسی کی نسبت ارشاد ہے۔ فَطَمَسْنَا اَعْيُنَهُمْ کوئی تعجب نہ کرے کہ بازو پھیرنے سے کیسے اندھے ہو گئے۔ فرشتوں کو تو اللہ تعالیٰ نے بڑی قدرت عطا فرمائی ہے۔ انسانوں میں بعضے بندوں کو عجیب عجیب تصرفات عطا فرمائے ہیں۔

حضرت مولانا فخر نظامیؒ کے تصرف کا قصہ:

حضرت مولانا فخر نظامی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ یہ حسین بہت تھے اور ابتدا عمر ہی سے اللہ تعالیٰ نے صاحب نسبت فرمایا تھا۔ جب دہلی پہنچے تو بدمعاشوں میں شہرت ہوئی کہ ایک بڑا حسین لڑکا آیا ہے چلو گھوریں۔ چنانچہ سب دیکھنے اور چھیڑنے کے لئے آئے۔ حضرت مولانا اس

وقت جامع مسجد میں تھے۔ جامع مسجد کے دروازہ پر ایک حلقہ کا حلقہ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ جب مولانا نماز پڑھ کر اترے تو دق کرنا چاہا۔ مولانا نے ایک نظر اٹھا کر دیکھا تو سب گر گئے اور فرمایا کہ آؤ گھورو۔ گھورتے کیوں نہیں۔

خلاصہ آیت کریمہ لعمرك الخ:

بس اس قصہ کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ۔ یعنی اے محمد ﷺ آپ کی حیات اور جان کی قسم ہے وہ یعنی قوم لوط اپنی مستی اور نشہ میں بھٹک رہے تھے۔ مضمون تو صرف اتنا ہے۔

آیت لعمرك انهم لفى سكرتهم سے محبوبیت نبویہ کا استنباط:

اب میں اس سے اپنا مقصود عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس قسم سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی حیات شریف کی عظمت شان بیان فرمادی اور سبحان اللہ بیان بھی فرمائی ایسے طرز سے کہ سننے والوں کو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقصود قوم لوط کی حالت کو بیان کرنا ہے مگر اس کے ضمن میں حضور ﷺ کی محبوبیت کو عجیب انداز سے بیان فرما گئے۔

خوش تر ان باشد که سر دلبران
گفته آید در حدیث دیگران

کہ جو طالب اور محب اور جن کے دل میں کھٹک ہے ان کی نظر تو فوراً پڑ جائے گی اس لئے کہ پانی کو اگر اسباب میں چھپا کر بھی لے کر چلیں تو پیاسے کو تو اس کی جھلک ہی بتلا دے گی۔ گو کوئی نہ کہے۔ طالب کی تو یہ شان ہوتی ہے۔

بهر رنگے که خواهی جامه می پوش
من از رفتار پایت می شناسم

اور ایک نسخہ ہے "من انداز قدت رامی شناسم"۔ اگر کوئی محبوب صورت بدل کر آئے اور عاشق یہ کہے کہ کون ہے تو وہ عاشق نہیں۔ عاشق وہ ہے کہ محبوب خواہ کسی حال میں ہو۔ ہر حالت میں وہ اس کے دل میں نقش کالحجر ہو۔ پس طالب کے لئے تو انداز بیان کا کافی ہو گیا اور محبوبیت حضور ﷺ کی اس کو عیاں ہو گئی اور جو ناقد اور غیر طالب ہے اس کو التفات بھی نہ ہوگا۔ کہ کیا بات کہدی اور کتنی دور کی اور کس قدر گہری فرمائی اور ایسے ایسے انداز سے فرمایا ایسے ہی ناقدروں اور

ظاہر پرستوں سے چھپانے کیلئے ہے۔

بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی
بگزار تا بمیرد در رنج و خود پرستی

پس ایسوں سے چھپا رہنا ہی بہتر ہے۔

حق تعالیٰ کی غیرت کا اقتضاء بعض اولیاء اور انبیا کی بعض شانوں کو اخفا کیا ہے:

حق تعالیٰ کی غیرت کا اقتضا ہوتا ہے کہ بعض اوقات میں شیون کے اعتبار سے اپنے خاص بندوں کی شان کو مخفی رکھیں فرماتے ہیں اولیائی تحت قبائی لا یعرفهم سوائی۔ چنانچہ بعض اولیاء اللہ کا بالکل اخفا کیا گیا ہے کہ کسی کو ان کے مقرب ہونے کی اطلاع بھی نہیں اور وہ خود بھی اپنے کو مخفی رکھتے ہیں اور اگر کوئی ان سے کہتا بھی ہے کہ اپنے کو ظاہر کیجئے لوگوں کو فیض ہوگا۔ سلسلہ چلے گا۔ تو وہ بزبان حال جواب دیتے ہیں۔

احمد تو عاشقی بشیخت تراچه کار
دیوانه باش سلسله شد شد نشد نشد

اور انبیا کے شیون نبوت کا تو اس لئے اخفا نہیں کیا جاتا کہ مخفی رکھیں تو فیض کس طرح ہوں ہاں ان کی بعض شیون کو بعض احوال میں بعض موقع پر بعض اوقات تک بعض وجوہ دلالت کے اعتبار سے مخفی رکھا جا سکتا ہے چنانچہ حضور ﷺ کا یہ کمال یعنی محبوبیت کا خاصہ جو قسم سے مفہوم ہو جائے اس مقام پر اس حیثیت سے مخفی کی گئی ہے کہ یہ آیت اس کے لئے دال بعبارت النص نہیں ہے گو دال باشارۃ النص ہے اس لئے کہ اس مقام پر کہ مقام ذکر قوم لوط ﷺ کا ہے ضرورت اس کے اظہار کی نہ تھی اور اہل نظر کے نزدیک بعض وجوہ سے اظہار صریح سے بھی زیادہ ہو گیا۔ کیونکہ اس طور پر بیان فرمانا بہ نسبت قصداً بیان کرنے کے اس لئے زیادہ بلیغ ہوتا ہے کہ اس انداز سے اس کو مثل مسلمات اور معروف کے کر دیا گیا ہے کہ اسکو قصداً بیان کرنے کی گویا ضرورت ہی نہیں۔ مخاطب کو بھی تسلیم ہے اس لئے اس کو مقسم بہ قرار دے دیا۔ ہاں اس کو دعویٰ بنا کر اس پر احتجاج کرنے کے موقع پر اس کو تصریحاً وقصداً بیان کیا جائے گا۔

آیہ مذکورہ سے محبوبیت کیسے سمجھی گئی:

رہا یہ کہ محبوبیت اس سے کیسے سمجھی گئی اور وجہ استدلال کیا ہے تو وہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ

جس شے کی قسم کھائیں تو وہ بہت بڑی شے ہوگی اس کی ایسی مثال ہے جیسے ہمارے عرف میں کہتے ہیں کہ تمہارے سر کی قسم۔ سو ایسی قسم بہت ہی کھائی جاتی ہے جبکہ قسم کھانے والے کو مقسم بہ سے غایت تعلق ہو۔

جواب اس شبہ کا کہ کسی شے کو مقسم بہ بنانے سے محبوبیت نہیں سمجھی جاتی:

یہاں پڑھے لکھے حضرات کو شبہ ہو سکتا ہے کہ قسم کھانا تو دلیل عظمت کی نہیں ہے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کی قسم کھائی ہے۔ انجیر کی قسم اور فجر اور چاشت اور رات کی قسمیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اگر یہی دلیل عظمت کی ہے تو یہ سب چیزیں عظیم الشان ہوں گی۔ اس شبہ کے جواب کے لئے اول ایک مقدمہ عقلی سمجھ لیجئے۔ اسی واسطے قرآن مجید کے فہم کے لئے علوم عقلیہ کی بھی ضرورت ہے (سوال یہ ظاہراً اس تحقیق کے معارض ہے کہ قرآن مجید ایسے وقت پڑھنا چاہئے کہ دماغ علوم عقلیہ سے متاثر نہ ہو اس کو حل فرمایا جائے۔ جواب۔ حل اس کا یہ ہے کہ علوم عقلیہ میں چند چیزیں ہیں ایک نفس مسائل سو ان کی تقدیم تو ضروری ہے اور وہ بہت معین ہے۔ شرح دین میں۔ دوسرے اصطلاحات خاصہ۔ تیسرے تدقیقات و تعمیقات۔ سو یہ فی نفسہ نافع ہیں لیکن ان سے ایسا متاثر ہونا کہ قرآن و حدیث کے الفاظ کو ان اصطلاحات پر محمول کرنے لگے یا قرآن و حدیث میں دور از کار و احتمالات غیر ناشی عن الدلیل پیدا کرنے لگے یہ مضر فی الدین ہے یا تو علوم دینیہ کی اس سے تقدیم ہو یا اس تاثیر سے علوم دینیہ میں کام نہ لے۔ خلاصہ جواب یہ کہ علوم عقلیہ کا حاصل ہونا اور چیز ہے اور اس سے متاثر ہونا اور چیز۔ (اشرف علی)) خواہ تحصیل سے ہو یا فطرت سلیمہ سے۔

قرآن وحدیث سمجھنے کیلئے علوم عقلیہ کی ضرورت اور یہ کہ اگر فطرت صحیح ہے تو علوم عقلیہ کی تحصیل کی ضرورت نہیں:

کیونکہ اگر فطرت صحیح ہے تو پھر تحصیل کی ضرورت نہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے معقول کہیں نہیں پڑھی۔ مگر حق تعالیٰ نے فطرت ہی سلیم پیدا کی تھی ان حضرات کے طبائع ایسے سلیم تھے کہ عقلیات ان کے سامنے دست بستہ کھڑی رہتی تھیں جیسے کسی صرفی نحوی کا قول مشہور ہے کہ کہا کرتا تھا کہ ہمارے تو حجرہ کا چوہا چوہا صرفی نحوی ہے۔

حضرت شاہ سید احمد اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہید کا قصہ:

حضرت شاہ سید احمد صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جن کے ہمراہ مولانا اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ شہید بھی تھے۔ جب پشاور پہنچے ہیں تو وہاں کے علماء مولانا شہید کی شہرت سن کر امتحان کی غرض سے آئے مولانا اس وقت ایک خستہ سا تہبند باندھے ہوئے گھوڑے کو کھرا کر رہے تھے۔ ان سے پوچھا کہ مولانا کہاں ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ کیا کام ہے۔ انہوں نے کہا تجھ کو اس سے کیا مطلب ہے۔ مولانا کا پتہ بتلاؤ۔ مولانا نے فرمایا کہ تم بتلاؤ تو سہی کیا غرض ہے، کہنے لگے کہ ہم کو کچھ پوچھنا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ مجھ سے ہی پوچھ لو۔ ان کو معلوم ہو گیا۔ کہ یہی ہیں پھر جو کچھ جس فن میں پوچھا گھوڑے کو کھرا کرتے ہوئے حل کر دیا۔ سب متعجب ہوئے کہ ہم باوجود اس کے کہ کم علم ہیں ایسے عبا و قبا و عمامے باندھے ہوئے ہیں اور مولانا اتنے بڑے عالم اور اس حالت میں رہتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا تعجب نہ کرو۔ تم مجھ کو اپنے سب کی برابر سمجھتے ہو۔ اگر میں تم سب کے برابر کپڑے پہنوں تو اتنے بار کا کیسے متحمل ہوں۔ یہاں سے تو وہ عالم چلے گئے اور سمجھے کہ مولانا چونکہ عالم ہیں ان سے تو ہم جیت نہ سکے۔ چلو سید صاحب رحمۃ اللہ کو دق کریں گے وہ پڑھے لکھے نہیں ہیں کیونکہ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کافیہ تک پڑھے ہوئے تھے حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کے یہاں پڑھنے کے لئے آئے تھے ایک روز مطالعہ دیکھ رہے تھے کتاب کے حروف نظر نہ آئے۔ اور سب چیزیں تو نظر آئیں لیکن کتاب کے حروف نظر نہ آویں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر مطلع ہو کر پڑھنا چھوڑا دیا۔ کہ تم پڑھنا چھوڑ دو۔ تم اور کام کے لئے پیدا ہوئے ہو۔ چنانچہ پڑھنا لکھنا چھڑا کر ان کو ذکر و شغل کی تعلیم کی۔ الحاصل یہ علماء سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے۔ ادھر کے علماء اکثر یک فنی ہوئے ہیں۔ کوئی معقول میں یکتا ہے۔ کوئی صرف صرف جانتا ہے۔ کوئی نحوی ہے۔ غرض جمع ہو کر آئے اور مختلف سوالات شروع کئے۔ اگر دینیات کے متعلق کوئی سوال کرتے تو سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ داہنی طرف رخ کر کے جواب دے دیتے تھے اور جو غیر دینیات کا ہوتا تھا معقول وغیرہ کا تو بائیں طرف رخ کر کے جواب دے دیتے تھے اور جواب بھی کیسا اہل علم کے طرز پر۔ مرتدین کو سخت حیرت ہوئی کہ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے وہ الفاظ نکل رہے ہیں کہ کبھی عمر بھر بھی نہ سنے تھے جب وہ مجلس ختم ہوئی۔ تو بعض لوگوں نے پوچھا۔ فرمایا کہ جب یہ لوگ آئے تو میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ مجھ کو رسوا نہ کیجئے۔ حق تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ بو علی رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو حکم دیا کہ جواب میں اعانت کرو۔ چنانچہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روح میرے داہنی طرف تھی اور شیخ کی بائیں طرف۔ جو وہ کہتے تھے۔ میں کہہ دیتا تھا۔ پس ایسے حضرات تو مستثنیٰ ہیں لیکن ہم کو تو علوم ضروریہ نقلیہ و عقلیہ کی تحصیل ہی کرنا چاہئے۔

تحصیل سے مراد علوم کی تحصیل ہے۔ ضلع و تحصیل نہیں:

مگر ایسی تحصیل نہیں جیسے سہارنپور میں ایک مسجد میں کوئی واعظ آئے۔ اس مسجد میں ایک نابینا عالم بھی رہتے تھے۔ واعظ صاحب نے کسی سے پوچھا کہ یہاں اواج (واعظ) بھی ہوا کرے لوگوں نے کہا کہ آج تو کوئی بیان کرنے والا نہیں ہے۔ پکار کر کہا کہ بھائیو اواج ہوگی۔ چنانچہ بعد نماز کے منبر پر جا بیٹھے اور کچھ واہی تباہی بک کر کہا کہ بھائیو تھکے ماندے ہیں۔ اتنی آج کی اور باقی پھر کہیں گے۔ ان نابینا مولوی صاحب نے فرمایا کہ ان واعظ صاحب کو ذرا میرے پاس لاؤ۔ آئے۔ مولوی صاحب نے پوچھا کہ آپ کی تحصیل کہاں تک ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ تسیل (تحصیل) پچھے مھاری اندھے تسیل (یعنی اے اندھے ہماری تحصیل پوچھتے ہو، تسیل مھاری ہا پڑی۔ تو جناب تحصیل سے ایسی تحصیل مراد نہیں ہے۔ بلکہ علماء کی تحصیل مراد ہے کہ برسوں چٹائیاں گھستے ہیں اور دھواں دماغوں میں لیتے ہیں جب کچھ حاصل ہوتا ہے۔

صوفی نشو وصافی تا در نکشد جامے
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

علماء کو دولت باطنی جلدی حاصل ہونے کا راز:

ایک درویش سے کسی نے پوچھا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ علماء اگر تھوڑا سا بھی مجاہدہ کرتے ہیں تو ان کو بہت جلدی دولت باطنی حاصل ہو جاتی ہے۔ ان درویش نے بہت اچھا جواب دیا مجھ کو پسند آیا۔ انہوں نے فرمایا کہ علماء تھوڑا مجاہدہ نہیں کرتے بلکہ سب سے زیادہ کرتے ہیں۔ جب سے وہ الف بے تے پڑھتے ہیں اور تحصیل علوم تک مجاہدہ ہی تو ہے۔ قابلیت اور استعداد تو اس سے ہی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے بعد تھوڑا سا کام کرنا ان کا کام بنا دیتا ہے تاؤ تو پہلے ہی سے آجاتا ہے صرف پڑیڈالنے کی کسر ہوتی ہے۔ تو وہ شیخ کے یہاں آ کر ہو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن فہمی کے لئے تمام علوم کی ضرورت ہے۔ بعض لوگ لکھے پڑھے تو ہوتے نہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم قرآن کو سمجھ لیں اور چونکہ موقوف ہے دوسرے علوم پر اس لئے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ان شبہات کو لے کر علماء سے الجھتے ہیں۔ چنانچہ یہ شبہ بھی کہ جب قرآن میں انجیر وغیرہ کی بھی قسم ہے تو اللہ تعالیٰ کا قسم کھانا دلیل عظمت ورفعت شان مقسم بہ کی نہیں ہے۔ اس کم علمی ہی سے پیدا ہوا ہے۔

ہر شے کا شرف اس کی نوع کے اعتبار سے ہوتا ہے:

اس کے جواب کے لئے ایک مقدمہ عقلی سمجھئے وہ یہ ہے کہ ہر شے کا شرف اس کی نوع

کے اعتبار سے ہوتا ہے تو مقسم بہ ہونا بے شک دلیل ہے شرف کی۔ لیکن نہ مطلقاً بلکہ فی نوعہ یعنی یہ سمجھا جائے گا کہ یہ شے اپنی نوع میں سب افراد سے افضل ہے اس کو میں اور زیادہ واضح کرتا ہوں۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ کھانا افضل ہے یا پانی، تو وہ مجنوں ہے۔ یہ سوال ہی غلط ہے کہ افضلیت اور مفضولیت ایک نوع کے افراد میں ہوتی ہے۔ مثلاً یہ سوال صحیح ہے کہ پلاؤ افضل ہے یا بریانی، پانی افضل ہے یا دودھ، ہاں اگر انواع ہی میں گفتگو ہو تو وہ دوسری بات ہے۔ لیکن اگر افراد میں ہو تو اس میں یہ رعایت ضرور ہوگی کہ ایک نوع کے تحت میں داخل ہوں۔ مثلاً یوں نہ کہیں گے کہ مسجد افضل ہے یا فلاں کتاب۔ ہاں یوں کہیں گے کہ یہ مسجد افضل ہے یا فلاں مسجد یا فلاں گھر۔ جب یہ قاعدہ سمجھ میں آ گیا تو اب جواب سمجھئے کہ مقسم بہ ہونا بیشک دلیل اس کے شرف کی ہے مگر یہ نہیں کہ وہ سب اشیاء سے افضل ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی نوع میں افضل ہے۔ پس انجیر بیشک افضل ہے۔ لیکن ثمرات میں اور فجر بلا شبہ اشرف ہے مگر اوقات میں۔

جواب شبہ مذکور:

پس اس بنا پر آپ کی حیات کے مقسم بہ ہونے سے حضور ﷺ کی جو فضیلت وعظمت ثابت ہوئی وہ اپنے اخوان یعنی انبیاء میں ثابت ہوئی پس اس سے تمام پیغمبروں سے افضل ہونا ثابت ہوا اور انبیاء سب انسانوں سے افضل ہیں پس حضور ﷺ کا سید ولد آدم ہونا معلوم ہوا۔ اب رہی یہ بات کہ فضیلت مطلقہ کیسے ثابت ہوئی یہ تو وہ بدیں طور ہے کہ باتفاق عقلاء انسان اشرف المخلوقات ہے اور نیز حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ ولقد کرمنا بنی ادم۔ پس جبکہ نوع انسان تمام انواع سے افضل ہے اور انواع انسان میں انبیاء افضل ہیں اور حضور ﷺ افضل المرسلین وسید الانبیاء ہیں۔ پس حضور ﷺ افضل الخلق ہوئے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی دو قسمیں فرمائی۔ عرب و عجم ان میں عرب کو فضیلت عطا فرمائی۔ پھر عرب میں قریش کو افضل بنایا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب فرمایا۔ پھر ان میں مجھ کو پیدا کیا۔ پس میں افضل الناس ہوں نسباً بھی۔ پس اب وہ شبہ رفع ہو گیا اور لَعَمْرُكَ سے فضیلت ومحبوبیت حضور ﷺ کی ثابت ہو گئی۔

حضور ﷺ کی ذات کا شرف اور حیات النبی ﷺ کی تفصیل:

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اول معلوم ہو چکا ہے قسم معمولی شے کی نہیں کھائی جاتی۔ مقسم بہ کوئی عجیب اور ذی شرف شے ہونا چاہیے اب دیکھنا چاہیے کہ مقسم بہ یہاں کیا ہے تو مقسم بہ

یہاں حضور ﷺ کی حیات ہے۔ اس لئے کہ عرف عام میں عمر نام ہے حیات اور بقا کا اور حیات کہتے ہیں ذی حیات کی اس حالت کو جو تولد سے لے کر وفات تک ہے اور اگر نظر کو اور وسیع کیا جائے تو حضور ﷺ کے لئے بعد وفات کے بھی حیات برزخی ثابت ہے۔ اور وہ حیات شہداء کی حیات برزخی سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیات ناسوتی کے قریب قریب ہے۔ چنانچہ بہت سے احکام ناسوت کے اس پر متفرع بھی ہیں۔ دیکھئے زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے حضور ﷺ کی ازواج مطہرات سے بھی نکاح جائز نہیں اور زندہ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ حضور ﷺ کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوئی اور حدیثوں میں صلوٰۃ وسلام کا سماع وارد ہوا ہے۔ سو یہ تحقیقات ہیں اہل اسرار کی اس سے اصلی راز ان احکام یعنی لَا تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اور لَا نُوْرَثُ وَمَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ کا معلوم ہو گیا۔ پھر حیات برزخی کے بعد حیات اخروی ہے۔ وہ تو سب کو شامل ہے تو انبیاء کو بطریق اولیٰ حاصل ہوگی۔

پس حیات کا مصداق حضور ﷺ کی ولادت شریف لے کر جنت کے دخول وخلود تک ہے۔ یہ کلام تو منتہٰی کی جانب میں ہے اور اگر ابتداء کی جانب نظر کو وسعت دی جائے تو آپ کی نوریت کی جو حالت عالم ارواح سے بھی پہلے تھی اس کو بھی حیات کہہ سکتے ہیں جس کی نسبت ارشاد ہے کُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ اور عالم ارواح میں جب الست کا عہد لیا گیا اور پوچھا گیا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تو سب نے حضور ﷺ کی طرف دیکھا کہ دیکھیں آپ کیا جواب دیتے ہیں تو سب سے اول حضور ﷺ نے جواب دیا بَلٰى اَنْتَ رَبُّنَا اس کے بعد اوروں نے بلیٰ کہا اوروں کی علم ومعرفت کے مربی بھی حضور ﷺ ہوئے اور تربیت فی العلوم حیات پر موقوف ہے۔ پس جب سے نور مخلوق ہوا ہے اس وقت سے حیات مراد لی جا سکتی ہے۔ پس اس تقریر پر حضور ﷺ کی حیات کی چار حالتیں ہوں گی۔ ایک تو نور کے پیدا ہونے سے ولادت شریف تک دوسرے ولادت شریف سے وفات تک تیسرے وفات سے حشر ونشر تک۔ چوتھے اس سے خلود جنت تک جو غیر متناہی ہے۔ پس اگر لَعَمْرُكَ سے یہ حیات جس کے چار حصے ہیں مراد لی جائے تو مجھ کو ہر حصہ کے متعلق مفصل بیان کرنا پڑے گا اور وقت اتنا وسیع نہیں اس لئے میں وہ ہی حصہ حیات کا لیتا ہوں جس کو اہل عرف حیات کہتے ہیں۔ یعنی ولادت شریف سے لے کر وفات تک۔ پس معنی لَعَمْرُكَ کے یہ ہوئے کہ آپ کی اس حصہ عمر کی قسم ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا یہ حصہ عمر اتنا رفیع الشان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقسم بہ بنا اور اس حصہ عمر وحیات کا ایک جزو ولادت شریفہ بھی ہے تو اس کا بھی عظیم القدر ورفیع الشان ہونا ثابت ہوا۔ اسی طرح اس کا دوسرا حصہ قوت استعداد وحصول کمالات کا ہے۔ تیسرا حصہ تبلیغ ودعوت کا ہے۔ چوتھا حصہ تکمیل امت کا ہے اور یہ تیسرا اور چوتھا حصہ بعض احوال میں متحاق بھی ہے پھر تکمیل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تکمیل حاضر کی خود اس کی

اصلاح کے لئے دوسری تکمیل حاضر کی اصلاح غایت کے لئے۔ پس ان سب حصص کی رفعت وعظمت ثابت ہوئی اور عظمت ورفعت شے کی جس طرح باعتبار اس کی ذات کے ہوتی ہے اسی طرح باعتبار اس کی غایت کے بھی ہوتی ہے۔ بلکہ زیادہ مقصودیت شے کی اس کی غایت ہی کی وجہ سے ہوتی ہے پس حضور ﷺ کی تشریف آوری عالم ناسوت جمیع الحصص کی بھی کوئی غایت ضرور ہوگی۔

مدعیان محبت نبویہ نے حضور ﷺ کی تشریف آوری کا راز ہی نہیں سمجھا:

اور وہ غایت ایسی ہے کہ اس کو سن کر مدعیان محبت کی بھی اصلاح ہوگی۔ اس لئے کہ انہوں نے مزہ دار مضمون تو یاد کر لئے کہ حضور ﷺ یوں پیدا ہوئے۔ اور ایسے معجزات پیدا ہوئے۔ لیکن اس تشریف آوری کی غایت کو انہوں نے سمجھا ہی نہیں۔ اس لئے کہ اس کے سمجھنے میں تو نفس کو تعب ہوتا ہے اور جان نکلتی ہے۔ ان لوگوں کی تو بلا تشبیہ ایسی مثال ہے کہ مثلاً ہندوستان میں ایک حاکم نائب السلطنت ہو کر آیا اس کے آنے کی خوشی میں بڑے لوگوں نے بڑے جلسے کئے اور مٹھائی تقسیم کی اور بڑے لکچر اور اشعار مدحیہ کہے اور ان ہی بزرگوں کا ایک اخبار بھی نکلتا تھا۔ جب وہ حاکم اس جلسہ سے چلا گیا تو اخبار میں بغاوت انگیز مضمون لکھنے شروع کر دیے۔ کیا ان لوگوں کو محب حاکم کہا جائے گا۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہے کہ محبت رسول کا دم بھرتے ہیں اور ان کی ہی نافرمانی کرتے ہیں چنانچہ جن لوگوں نے عید میلاد النبی ﷺ تراشی ہے (جس کے متعلق میں نے پار سال بیان کیا تھا اور وہ بیان الظُّهُوْر کے نام سے طبع بھی ہو گیا ہے اور اتفاقی بات ہے کہ جن صاحب نے اس کو طبع کرایا تھا۔ انہوں نے ہی آج کے بیان کی بھی طبع کرنے کی درخواست کی ہے اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اتحاد مضمون اور اتحاد شائع کنندہ پر نظر کر کے نام بھی اس کا اس کے مناسب اَلظُّهُوْر رکھ دیا جائے۔ اس لئے کہ اس میں حضور ﷺ کی تشریف آوری غایت کو ظاہر کیا گیا ہے) انہوں نے (یعنی موجدان عید میلاد النبی ﷺ نے) بیان ولادت شریف میں یہاں تک بے ادبی کی ہے کہ صبح صادق کے وقت وہ بیان ہوا اس لئے کہ حضور ﷺ کی ولادت شریف اسی وقت ہوئی ہے اور ایک گہوارہ لٹکایا گیا۔ غرض پوری نقل بنائی گئی۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ عَلٰى هٰذِهِ الْمُخْتَرَعَاتِ۔ اگر یہی نقل ہے تو خدا خیر کرے ایک عورت کو بھی لا دیں گے اور اس کو کہہ دیں گے چلایا کرے۔ صاحبو! جب کوئی شے حد سے بڑھتی ہے تو صراط مستقیم سے بہت دور جا پڑتی ہے۔

حق وباطل کی مثال:

حق وباطل کی مثال ایسی ہے جیسے مثلث کی دو ساقین اور ان کے ملتقی پر مثلاً ایک چیونٹی بیٹھی ہو تو اس وقت تو خط حق سے دور نہیں۔ لیکن دوسری ساق پر جو باطل کی مثال ہے۔ اگر وہ چلے گی تو اول اول اس کو حق سے بعد نہ ہوگا۔ مگر جس قدر چلتی جائے گی۔ دوسری ساق سے دور ہوتی جائے گی اس لئے کہ مثلث کی ساقین جس قدر بڑھتی جائیں گی۔ ان میں بعد بھی بڑھے گا۔ حتی کہ بعد بڑھتے بڑھتے اتنا بڑھے گا کہ پھر وہ چیونٹی اگر لاکھ تدبیریں اور سعی کرے کہ میں دوسری ساق پر پہنچوں لیکن ہرگز نہیں پہنچ سکے گی اسی طرح صراط مستقیم اور کج راستہ ہے کہ بے راہ چلنے سے رفتہ رفتہ قبول حق کی استعداد اتنی فاسد ہو جاتی ہے کہ بری بات بھی بھلی معلوم ہونے لگتی ہے اور اس کی برائی بالکل ذہن میں نہیں آتی اور اہل حق سے اعراض پیدا ہو جاتا ہے۔ پس یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری کی غایت انہوں نے نہیں سمجھی۔

حضور ﷺ کی تشریف آوری کی غایت اور راز فیض فناء وبقاء کا افاضہ ہے:

پس اسی غایت کی تقریر مولانا کے کلام سے معلوم ہوئی جس کی شرح عنقریب آتی ہے۔ یہ ہے کہ وہ غایت وہ شے ہیں جن کا عنوان صوفیہ کی اصطلاح میں فنا اور بقا ہے۔ پس حضور ﷺ کی تشریف آوری اس واسطے ہوئی کہ آپ سے فیض فنا اور بقا کا ہو۔

مختصر فہرست مضامین متعلقہ افاضہ اور بقاء:

یہ خلاصہ ہے اس غایت کا اور یہ مضمون باعتبار حصص مذکورہ بالا کے مرکب ہے۔ چند اجزاء سے۔ اول اس کمال فنا وبقاء اور اس کے افاضہ میں بڑ وفطرت سے آپ کا کامل الاستعداد ہونا۔ دوسرے اس کے درجہ فعلیت میں بھی آپ کا کامل ہونا جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ محض واسطہ فی الاثبات ہی نہیں۔ واسطہ فی الثبوت ہیں۔ تیسرے دوسروں کی تکمیل کی طرف آپ کا متوجہ ہونا پھر ان کے استفاضہ کے لئے ان کی استعداد کا شرط ہونا فساد استعداد کا مانع ہونا اور اس فساد استعداد کا سبب خود فساد عمل ہونا۔ چوتھے ان میں سے جو اہل استعداد ہیں حضور ﷺ کا ان کی کامل تکمیل فرمانا اور اس تکمیل میں آپ کی بے نظیری ثابت ہونا اس استعداد کی تکمیل کا سبب آپ کے اتباع طریق میں منحصر ہونا اور پانچواں جزو جو حالت موجودہ کے اعتبار سے سب سے زیادہ

ضروری ہے یہ ہے کہ فیض پہنچانے کے لئے چونکہ اس کی ضرورت ہے کہ مفیض موجود ہو اور اس وقت حضور ﷺ بظاہر اس عالم میں تشریف رکھتے نہیں اب اگر فیض پہنچے تو اس کی کیا صورت ہے۔ یہ مختصر فہرست ہے ان مضامین کی جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے اقتباس کی گئی ہے۔ مقتضا ترتیب کا یہ تھا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں یہ مضامین اسی ترتیب سے ہوتے یعنی اشعار متقدمہ میں پہلے اجزا ہوتے اور اشعار متاخرہ میں پچھلے اجزاء مگر اتفاقی بات ہے کہ بالکل اس کا عکس نکلا اجزاء متقدمہ پر جو اشعار دلالت کرتے ہیں۔ وہ متاخر ہیں اور مضمون متاخر جن اشعار سے مفہوم ہوتا ہے وہ متقدم ہیں اور نکتہ اس تعاکس میں بطور لطیفہ کے یہ ہو سکتا ہے کہ ہر جزو سابق اجزاء خمسہ میں سے جزو لاحق کا توطیہ وتمہید ہے پس اجزاء سابقہ سے اجزاء لاحقہ ہی مقصود ہیں چنانچہ آپ کی استعداد وفعلیت کے لئے ہے اور فعلیت کمالات شرط تکمیل ہے۔ یعنی آپ کا خود صاحب فنا وبقا ہونا دوسروں کو فیض پہنچانے کے لئے بھی ہے۔ پھر اس افاضہ کی یہ بھی ایک غایت ہے کہ یہ فیض بعد وفات بھی باقی رہے۔ پس مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار وقوع مدلول کی ترتیب کے اعتبار سے تو عکس ہیں لیکن مقصودیت کے لحاظ سے مرتب ہیں تو گویا مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مقصودیت ہی کا اعتبار کیا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف کی ترتیب بھی اکثر اسی مقصودیت اعتبار سے ہے۔ دیکھو سورۂ بقرہ مدنی ہے اور سورۂ اقراء مکی ہے۔ لیکن ترتیب میں سورۂ بقرہ پہلے ہے۔ اس لئے کہ مقصود اعظم ہیں احکام خواہ اعتقادی ہوں خواہ عملی اور وہ سورۂ بقرہ میں زیادہ ہیں۔

پس اس تعاکس میں کچھ حرج نہیں بلکہ کلام مجید کے اتباع کے سبب سے یہ صورت اولیٰ ہوگی۔ مگر بیان میں وہ اشعار وقوع ہی کی ترتیب سے عرض کئے جائیں گے۔ مثنوی شریف کی ترتیب کی رعایت نہ کی جائے گی لیکن قبل اس کے کہ وہ اشعار اور ان کی شرح بیان کی جائے۔

فنا اور بقا کے معنی:

اول یہ سمجھ لیجئے کہ فنا اور بقا ہے کیا چیز؟ شاید فنا اور بقا کے سامعین یہ معنی سمجھے ہوں گے کہ فنا تو یہ ہے کہ مر رہے اور بقا یہ ہے کہ جی اٹھے۔ پھر اشکال پیدا ہوا ہوگا کہ مرنا تو اختیاری ہے کہ ایک تولہ سنکھیا کھالے۔ لیکن پھر زندہ ہونا تو اختیاری نہیں تو یاد رکھو کہ یہاں مراد فنا وبقا لغوی نہیں ہے بلکہ یہ اصطلاح تصوف کی ہے۔ پس فنا وبقا سے مراد سالک کی ذات کا فنا وبقا مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مضاف الیہ ایک خاص شے ہے یعنی علوم واخلاق پس فنا کا حاصل کیا ہوا یعنی فنائے اخلاق وعلوم۔ سو فنائے اخلاق کی حقیقت تو یہ ہے کہ اخلاق رذیلہ کو دور کرے۔ مثلاً۔ ریا۔ کبر۔ حسد۔ غضب حب مال۔ حب جاہ کو دور کرے اور فنائے علوم یہ ہے کہ یہ جو ہمارے قلب میں غیر اللہ جمع ہو رہے ہیں۔ کہیں جائیداد کہیں دکان کسی تجارت کے دھندے کسی کو زراعت کے افکار۔ کسی کو

نوکری کے خرخشے کسی کو مقدمات کی پریشانیاں، اوران کے متعلق خیالات اور توہمات اور دوست اور دشمن ان سب کو دور کردے۔ دشمن اور دوست اور یہ سب افکار ہمارے وقت کو ضائع وتباہ کر رہے ہیں۔ بلکہ دشمن اتنا وقت ضائع نہیں کرتے جس قدر کہ دوست کرتے ہیں۔ غرض ادھر اُدھر کی باتیں اور تعلقات کہیں قلب میں بیوی کی محبت ہے کہیں بیٹے کی محبت ہے۔ ان کا قلع قمع کردے لیکن یہ یاد رکھو کہ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تجارت اور نوکری اور زراعت کو چھوڑ دو۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے متعلق جو خیالات خدا کی یاد سے روکنے والے ہیں ان کو نکال دو۔ اسی طرح بیٹے بیوی کی محبت سے مراد اس درجہ کی محبت ہے جو خدا کی یاد سے غافل کردے چنانچہ ارشاد ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔ یعنی فرمادیجئے اے محمد ﷺ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیبیاں اور کنبہ اور وہ اموال جن کو تم کماتے ہو اور وہ تجارت جس کی نکاسی نہ ہونے سے ڈرتے ہو اور وہ مکان جن کو تم پسند کرتے ہو (اگر یہ سب چیزیں) تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے زیادہ محبوب ہیں تو منتظر رہو حتی کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب لائے پس اس آیت کو دیکھ لیجئے کہ وعید احبیت پر ہے نفس حب پر وعید نہیں اس لئے کہ وہ تو خلقی اور طبعی ہے۔ اس کو آدمی کیسے زائل کرسکتا ہے۔ مثلاً بیٹے کی محبت طبعی ہے انسان کے قبضہ میں نہیں ہے کہ اس کو زائل کرسکے۔ بعض جاہل پیر اس پر فخر کرتے ہیں۔ کہ ہم نے فلاں مرید سے اس کے بیٹے بیوی کو چھڑا دیا۔ چنانچہ ان مرید صاحب نے مسجد کا ایک کونہ سنبھال لیا ہے اور بیٹے بیوی بھوکے مر رہے ہیں۔ پس فنائے علم سے یہ مراد نہیں ہے کہ بالکل ان کا خیال ہی نہ رہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کے قلب میں خدا تعالیٰ سے زیادہ کسی کی محبت نہ ہو۔ پس حکم یہ ہے کہ احبیت کے درجے کو دور کرے۔ پس فنائے اخلاق وعلوم کا خلاصہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت میں اتنا سرگرم ہو کہ غیر اللہ کی محبت اور غیر اللہ کا ذکر مغلوب اور اخلاق ذمیمہ زائل ہوجائیں اور طریقہ اس کا علم دین اور شیخ کامل کی صحبت واطاعت ہے۔

پس جو چیزیں زائل کرنے کی ہیں ان کے زائل کرنے کو اور مغلوب کرنے کی ہیں ان کے مغلوب کرنے کو فنا کہتے ہیں۔ اب بقاء کو سمجھئے کہ زائل شدہ اشیاء کی اضداد کے پیدا کرنے اور مغلوب کی ضد کو غالب کرنے کو بقاء کہتے ہیں۔ مثلاً ریا کو زائل کرے اور اس کے مقابلہ میں اخلاص پیدا کرے اور کبر کو فنا کرے اور اس کی جگہ تواضع کو پیدا کرے حب غیر اللہ کو مغلوب کرے اور اللہ کی حب کو غالب کرے غیر کے ذکر کو مغلوب کرے اور ذکر اللہ غالب کرے۔ یہ ہے بقا اور یہی غایت ہے حضور ﷺ کی تشریف آوری کی کہ اپنے فیضان علمی وعملی وحالی سے اس میں امت کی

تکمیل فرمادیں جو حاصل ہے اتباع کامل کا۔ پس حاصل غایت تشریف آوری کا یہ ہوا کہ امت اتباع کامل اختیار کریں اب میں وہ اشعار مع شرح بیان کرتا ہوں۔ چونکہ وہ اشعار زیادہ تھے (کیونکہ تیس ہیں) اس لئے یاد نہیں رہ سکتے اس لئے میں نے ان کو ایک پرچہ پر نقل کرلیا ہے اور چونکہ اشعار زیادہ ہیں اور وقت کم ہے اس لئے ہر شعر کے متعلق ضروری اور مختصر شرح بیان کرکے ختم کردوں گا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اوپر سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قصہ آرہا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے فنا اور بقا کا فیض لیا اس کے بعد حضور ﷺ کے فناء بقاء کا اور پھر اس کے فطری ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

قال مولانا الرومی

پس محمد صد قیامت بود نقد
زانکه حل شد در فنایش حل وعقد

پس حرف تفریع اس لئے لائے ہیں کہ اول سے ذکر تھا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فنا اور بقاء کا اور جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اندر یہ کمال تھا تو اس پر تفریع کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کے فناء وبقاء کو اس لئے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اندر یہ کمال حضور ﷺ ہی سے آیا۔

حضور ﷺ کا فنا وبقا کے فیض میں کامل ہونا:

پس مطلب یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صاحب فناء وبقاء تھے۔ پس اس سے برھان انی کے طور پر ثابت ہوا کہ محمد ﷺ واصحابہ وسلم صد قیامت تھے۔ یہ حمل مثل زَيْدٌ اَسَدٌ کے ہے اور قیامت اس لئے کہا کہ قیامت کا خاصہ عالم کا فناء اور بقاء ہے۔ چنانچہ نفخ اول سے تو فنا حسی اور نفخہ ثانیہ سے بقاء حسی ہوگا پس آپ کی شان بھی واسطہ فناء وبقاء ہونے میں مثل قیامت کے ہے اور صد اس لئے کہا کہ قیامت سے تو فنا وبقاء حسی ہوگا۔ اور حضور ﷺ فناء وبقاء روحی کے واسطہ ہیں اور فناء وبقاء روحی بقاء حسی سے افضل ہیں اور نقد اس لئے کہا کہ قیامت تو آجل ہے اور حضور ﷺ عاجل اس وقت فناء وبقاء کا فیض پہنچارہے ہیں۔ فنایش میں فناء بمعنی پیش خانہ ہے حل بمعنی کشادن مراد فنا اس لئے کہ فنا میں بھی اجزاء کی تحلیل ہوتی ہے اور عقد بمعنی بستن مراد بقا اس لئے کہ بقا میں اجزاء مربوط رہتے ہیں۔ حضور ﷺ کی قوت فیض کو بیان کرتے ہیں اور یہ ماقبل کے لئے دلیل ہے۔ یعنی آپ صد قیامت کس دلیل سے تھے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کے آستانہ مبارک پر فنا وبقا کے عقدے حل ہوتے ہیں اور حضور ﷺ کی تو بڑی شان ہے۔ آپ کے خدام میں قوت فیضان کے اندر بڑے بڑے حضرات گزرے ہیں۔ حضرت سلطان الاولیاء سلطان نظام الدین قدس سرہ اپنے معاصر

حضرت سید شاہ گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

ہر کو مرید سید گیسو دراز شد
واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

آدمی اپنے معاصر کی مدح کم کیا کرتا ہے۔ مگر یہاں حضرات کی حقانیت ہے کہ اپنے معاصرین کی بھی مدح کرتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں اس شان کے حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ تھے۔ کہ جس نے حضرت کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا ہے وہ محروم نہیں رہا۔ اگر کوئی کہے کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری دنیا کا اس میں کہاں ذکر ہے۔ حالانکہ وعدہ اسی بیان کا تھا۔ جواب یہ ہے کہ یہ تو تمہید ہے اس مضمون کی وہ مضمون اگلے ہی شعر میں آتا ہے۔ اور اس وقت اس مقام کے شعروں میں زیادہ مقصود میرا اسی شعر کا لانا تھا۔ کہ اسی میں ولادت شریفہ کا راز مذکور ہے جو کہ اجزاءِ خمسہ مذکورہ سے اول ہے لیکن ربط کے لئے اس سے اوپر کا شعر بھی لایا گیا۔ اس شعر سے اتنا ثابت ہوا کہ حضور ﷺ فنا و بقا کے لئے واسطہ فی الاثبات ہیں اور اس میں کامل و مکمل ہیں۔ آگے آپ کا خود بھی موصوف اس فنا و بقاء سے ہونا اور اس کی کامل استعداد پر آپ کا مولود ہونا فرماتے ہیں۔ قال رحمۃ اللہ علیہ

زادۂ ثانی ست احمد در جہاں
صد قیامت بود او اندر عیاں

لفظ اصطلاحی زادۂ ثانی کے معنی:

زادۂ ثانی، صوفیہ کی ایک اصطلاح ہے۔ حقیقت اس کی یہ ہے کہ ایک تو ولادۃ اولے ہے وہ تو یہی عرفی ولغوی ولادت ہے جس کا حاصل اَلْخُرُوْجُ مِنَ الرَّحِمِ ہے اور دوسری ولادت اصطلاحیہ ہے وہ کیا ہے اَلْخُرُوْجُ مِنْ اَحْکَامِ الطَّبِیْعَۃِ اَضْدَادِھَا اس کو صوفیہ ولادۃ ثانیہ کہتے ہیں۔ جیسے بلوغ کے بھی دو معنی ہیں ایک لغوی و عرفی یعنی منی نکلنا دوسرے اصطلاحی معنی یعنی منی بمعنی خودی نکلنا۔ تعریف اول کے اندر منی عربی لفظ اور دوسرے کے اندر فارسی بمعنی من شدن یعنی خودی و کبر نکلنا ہے۔ اسی واسطے مولانا فرماتے ہیں۔

خلق اطفال اند جز مست خدا
نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

حضور ﷺ خود بھی فانی و باقی تھے:

مطلب یہ ہے کہ بجائے ولادت اولی کے ولادت ثانیہ کو دیکھو جو کہ مقصود ہے خود

ولادت اولی سے۔ پس فرماتے ہیں کہ احمد ﷺ مولود ثانی ہیں۔ یعنی فانی و باقی ہیں۔ پس ان دو شعروں میں حضور ﷺ کا فنا و بقا میں فطرۃً کامل ہونا جس پر آپ کا واسطہ فی الثبوت ہونا متفرع ہے اور یہ پہلا جزو ہے اجزاء خمسہ فہرست میں سے ثابت ہو گیا اور زادہ ثانی میں تشریف آوری دنیا کا مع غایت مذکور ہو گیا۔ جو موعود تھا۔ در جہاں اس طرف اشارہ ہے کہ عالم میں آتے ہی اللہ تعالی نے حضور ﷺ کو یہ صفت عطا فرمائی تھی فطرت کے ساتھ ہی فنا و بقا کے ساتھ موصوف تھے۔ بخلاف اور لوگوں کے کہ مجاہدہ اور محنت سے ان کو یہ صفت حاصل ہوتی ہے۔ رہا یہ کہ آپ میں اور دوسرے انبیاء میں کیا فرق ہوا اور انبیاء بھی شروع ہی سے فانی و باقی ہوتے ہیں۔ وہ فرق یہ ہے کہ حضور ﷺ میں یہ صفت درجہ اکمل میں تھی۔ فنا و بقا آپ میں صد قیامت تھے۔ وجہ تشبیہ اول گزر چکی ہے۔ اندر عیاں یعنی آپ کا فنا و بقا کے ساتھ موصوف ہونا مخفی نہ تھا۔ بلکہ کھلم کھلا آپ میں دونوں شانیں جلوہ گر تھیں۔

فیض باطنی کوئی مخفی اور راز کی شے نہیں ہے:

اس سے رد کر دیا ہے مدعیوں کے دعوے کو۔ یعنی اگر کوئی شخص ایسے فیض مخفی کا دعویٰ کرے جسے بعضے لوگ کہا کرتے ہیں کہ بزرگوں کے یہاں کوئی ایسی مخفی شے اور راز ہے جو سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے اور وہ شریعت ظاہرہ سے الگ ہے وہ کاذب ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ وہ فیض نہایت صاف اور روشن ہے۔ پس لامحالہ وہ مدلول نصوص ظاہرہ واضحہ ہی ہوگا۔ اصلاً مخفی نہیں ہاں اس کے ادراک کے لئے استعداد کی ضرورت ہے۔ فساد استعداد کی وجہ سے کسی کو ادراک نہ ہو۔ یہ دوسری بات ہے۔ یہ تو حضور ﷺ کی ولادت شریفہ اور آپ کے اس ولادت شریفہ کی غایت یعنی استعداد کامل فنا و بقا کے ساتھ بدو فطرت سے موصوف ہونے اور دوسروں کو موصوف کرنے کا بیان تھا۔ اول پر زادۂ ثانی اور ثانی پر صد قیامت دال ہے۔ اب دوسرے اشعار میں ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ درجہ فعلیت فنا و بقا کے اندر کیسے کامل ہیں اور یہ جزو ثانی ہے۔ اجزاء خمسہ فہرست میں سے۔ قال

چوں جمال احمدی درہر دو کون
کے بدست اے فریزد انیش عون

جمال احمدی کی یکتائی اور فنا و بقا کے درجہ فضیلت میں آپ کا کامل ہونا:

یعنی جمال احمدی کی برابر دونوں جہاں میں کہاں ہے یعنی آپ اس اجمال میں یکتا ہیں

آگے اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ وجہ اس یکتائی کی یہ ہے کہ شان یزدانی آپ کی معین ہے۔
یعنی آپ شان یزدانی کے مظہر اکمل ہیں۔ قال رحمۃ اللہ علیہ

نازِ ہائے ہر دو کون او را رسد
غیرت آں خورشید صد تو را رسد

غیرت نبویہ اور اس کا اقتضاء:

یعنی دونوں عالم کے اسباب ناز (بتقدیر مضاف) آپ کو پہنچتے ہیں۔ یعنی آپ کے اندر ہر جہت سے ناز کے اسباب موجود ہیں۔

حسن یوسف دم عیسے یدبیضاداری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہاداری

اور غیرت کا حق حضور ﷺ کو جو کہ آفتاب صد تو کے مشابہ ہے پہنچتا ہے۔ غیرت یہ کہ گویا شان غیرت کے اقتضاء سے آپ بزبان حال فرما رہے ہیں کہ میرے سامنے گرد ہو جاؤ میرے جمال وکمال کے سامنے اپنے کمال کا دم مت بھرو اور میرے ہوتے ہوئے کسی کی طرف نظر مت کرو۔ میرے فن وبقا کا فیض لو۔ اور اپنا دعویٰ اور ننگ چھوڑ دو۔ میرے اتباع سے عار نہ کرو۔ جیسے آج کل لوگوں کو اتباع شریعت سے عار آتی ہے اور عزت موہوم اور آبرو مزعوم کی حفاظت کے واسطے شریعت نبویہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور رسوم کا اتباع کرتے ہیں۔ کوئی نکاح ثانی کو معیوب سمجھتا ہے کوئی برادری کی رسوم کے ترک کو ننگ جانتا ہے۔ اس پر حضور ﷺ کی شان غیرت کو جوش آتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ ولو کان موسیٰ حیالما وسعہ الا اتباعی یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی بجز میرے اتباع کے کوئی گنجائش نہ تھی۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کو حضور ﷺ کی امت دکھلائی گئی۔ حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ اے اللہ ان کو میری امت کر دیجئے ارشاد ہوا کہ یہ امت نبی آخر الزماں ﷺ کی ہے۔ پھر عرض کیا کہ اے اللہ مجھے اس امت ہی سے کر دیجئے۔ ارشاد ہوا کہ نہیں تم خود نبی مستقل ہو۔ آگے شان غیرت کے اقتضا کو بیان فرماتے ہیں قال رحمۃ اللہ علیہ

کاندر افگندم بکیواں کوئے را
در کشید اے اختراں ہے روے را

پس شان غیرت سے آپ فرما رہے ہیں کہ میں نے اپنے کمالات کی گیند زحل تک مراد یہ کہ ساتویں آسمان تک پہنچائی ہے اے ستارو اپنے منہ کو چھپا لو۔ یعنی میرے کمالات کے سامنے دعویٰ کمال چھوڑ دو۔ اس لئے کہ دعوے وناز کے لئے منہ بھی ناز کا ہونا چاہئے۔ دوسرے مقام پر مولانا فرماتے ہیں۔

ناز را روئے بباید ہمچوورد
چوں نہ داری گرد بد خوئی مگر نہ
زشت باشد روئے نازیبا و ناز
عیب باشد چشم نابینا و باز
پیش یوسف نازش وخوبی مکن
جز نیاز وآہ یعقوبی مکن
چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش
ہمچواو با گریہ آشوب باش

یہاں سے رد ہو گیا ان لوگوں کا بھی جو احکام شرعیہ کا مقابلہ کرتے ہیں اور اپنی رائے کے متبع ہیں قال رحمۃ اللہ علیہ

در شعاع بے نظیرم لا شوید
ورنہ پیش نور من رسوا شوید

غیرت نبویہ کا مقولہ زبان حال سے:

میری شعاع بے نظیر کے سامنے فنا ہو جاؤ۔ یعنی میرے ہی تابع ہو کر رہو ورنہ میرے نور کے سامنے رسوا ہو جاؤ گے جیسے آفتاب کے سامنے چاند اور ستارے بے نور ہو جاتے ہیں۔ باقی رات کو جو کہ تفرد کا وقت ہے قمر اور کواکب میں جو نور ہوتا ہے تو نور قمر کا تو جو کہ معتد بہ نور ہے اس وقت بھی شمس ہی سے مستفاد ہوتا ہے اور کواکب کا نور خود معتد بہ نہیں اور دن کو چونکہ آفتاب کے ہوتے ہوئے وہ سب بزبان حال دعویٰ نور کا کرتے ہیں کیسے جھوٹے پڑ جاتے ہیں۔

دعویٰ رسوائی کا سبب ہے اور اتباع سلامتی کا رستہ ہے:

پس دعویٰ سے ہمیشہ رسوائی ہوتی ہے اور اتباع سے ہر طرح سلامتی ہے۔ دنیا کے اندر بھی یہی دیکھا جاتا ہے۔ کہ مساوات اکابر میں خطرہ ہے اور تذلل میں سلامتی۔

ایک میاں جی اور مہاجن کی لڑکی کا قصہ بر سبیل تمثیل:

چنانچہ ایک مہاجن کی لڑکی کو ایک جن لپٹ گیا۔ بڑے بڑے عامل تنگ آ گئے ایک مکان کے اندر اس لڑکی کو مقفل کر دیا تھا۔ جو کوئی جاتا تھا شیر کی طرح غرا کر وہ اس پر حملہ کرتی تھی۔ اس لئے سب معالج ڈرتے تھے۔ ایک میاں جی قوم کے جولاہے تھے۔ کسی نے ان کا نام

بھی بتلا دیا کہ یہ بھی عامل ہیں۔ حالانکہ بچارے بالکل ناواقف تھے۔ چنانچہ ان کو لے گئے وہ بچارے گھبرائے مگر اپنے نزدیک سمجھ لیا کہ میں بڑھا تو ہو ہی گیا ہوں مرنے کے قریب ہوں۔ مرنے پر آمادہ ہو کر کہا کہ اچھا اگر یہ لڑکی اچھی ہو گئی تو پانسو روپیہ لوں گا۔ اس مہاجن نے منظور کر لیا اور پانسو روپے کسی کے پاس جمع کرا دیئے میاں جی ہمت کر کے اس مکان کے اندر گیا اور نہ کوئی گنڈہ نہ تعویذ۔ جب پہنچا تو وہ حسب عادت للکار کر اس کے پیچھے دوڑی۔ میاں جی کو اس وقت یہ سوجھی کہ دوڑ کر اس کے پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ میں تو تمہاری رعیت کا غریب جولاہا ہوں۔ تنگدستی اور افلاس نے ستا رکھا ہے آپ تھوڑی دیر کے لئے اگر تشریف لے جائیں گے تو مجھے پانسو روپے مل جائیں گے اور آپ کا کچھ حرج نہ ہوگا۔ یہ سن کر وہ جن قہقہہ مار کر ہنسا اور نرم ہوا اور کہا اچھا تیری خاطر سے ہم ہمیشہ کے لئے جاتے ہیں۔ وہ لڑکی اچھی خاصی ہو گئی اور پانسو روپیہ اس کو مل گئے اور تمام نواح میں شہرت ہو گئی۔

پس یہ مٹ جانا ایسی چیز ہے کہ ہر جگہ کام آتا ہے۔ اگر وہ دعویٰ کرتا تو خود ہی اس کا مزہ چکھتا۔ واللہ اتباع سلامتی کا سبب ہے۔ یہ اتباع کا مضمون ایک تفریع تھی باقی اصل مضمون جو مقصود مقام ہے۔ آپ کا درجہ فعلیت میں کامل ہونا ہے۔ اب تیسرے مقام کے اشعار میں اس فنا و بقا میں آپ کی شان تکمیل اور اس سے مستفید ہونے کے لئے استعداد کا شرط ہونا اور استعداد کا سبب فساد عمل ہونا جو کہ اجزاء خمسہ فہرست میں سے تیسرا مضمون ہے مذکور ہے۔ کہ دیکھو ابوطالب حضور ﷺ کے چچا تھے مگر چونکہ اتباع سے ان کو عار آیا۔ اس سے استعداد ان کی فاسد ہو گئی۔ اس لئے محروم رہے۔ قال رحمۃ اللہ علیہ

خود یکے بوطالب آں عم رسول
می نمودش شنعت عریان مہول

یعنی وہ جو ابوطالب حضور ﷺ کے چچا تھے ان کو اسلام لانے پر عرب کا تشنیع ہولناک نظر آتا تھا۔ قال رحمۃ اللہ علیہ

کہ چہ گویندم عرب کز طفل خود
اوبگردانید دین معتمد،
منصب اجداد وآبا را بماند
درپئے احمد چنیں بے راہ براند

کہ بیانیہ شنعت کا بیان ہے۔ یعنی اگر اسلام لے آؤں گا تو عرب کے لوگ مجھ کو کیا کہیں گے کہ اپنے لڑکے کے سبب سے اس نے اپنے پرانے دین کو بدل دیا اور احمد ﷺ کے پیچھے ایسا بے راہ چلا کہ باپ دادا کے منصب کو چھوڑ دیا۔ طریق مذہبی کو منصب سے اس لئے تعبیر کیا کہ

بنی ہاشم میں ریاست و امارت تھی۔ اور وہ ظاہر ہے کہ اسی حالت میں قائم رہ سکتی تھی۔ کہ یہ اپنے قوم کے مذہبی طریقہ پر قائم رہیں جیسے اس زمانہ میں بہت سے اہل بدعت پیرزادگان کو حق واضح ہو گیا ہے لیکن اپنے بدعت کے طریقوں کو صرف اس لئے نہیں چھوڑتے کہ منصب پیرزادگی اور خانقاہ کے اوقاف اسی شرط کے ساتھ مشروط ہیں کہ وہ بدعت کے طرق کو نہ چھوڑیں۔ پس یہ عار اور ننگ ایسی شے ہے کہ حق کو دور کر دیتی ہے۔ قال رحمۃ اللہ علیہ

آں رسول پاکباز مجتبیٰ
از پئے آں تار ھاند مرورا
گفتش اے عم یك شهادت توبگز
تاکنم باحق شفاعت بهر تو

یعنی محض ابوطالب کی خلاصی کے واسطے جناب رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ اے چچا ایک مرتبہ تم کلمہ شہادت میرے سامنے کہہ لو تا کہ حق تعالیٰ کے سامنے تمہارے لئے شفاعت کروں۔ جو جواب انہوں نے دیا وہ آگے مذکور ہے۔ قال رحمۃ اللہ علیہ

گفت لیکن فاش گردد از سمع
كُلّ سِرٍّ جَاوَزَ الاِثْنَيْنِ شَاعَ

ابوطالب نے جواب دیا کہ کہتا تو ضرور لیکن جب آپ سنیں گے تو ظاہر ہو جائے گا اور پھر مخفی رہنا مشکل ہے۔ اس لئے جو راز دو سے گزرا وہ پھیل جاتا ہے۔ دو سے مراد یا تو دو شخص ہیں۔ اگر دو شخص مراد ہوں تب تو یہ حکم ظاہر ہے کیونکہ جب دو شخصوں سے آگے بات چلے گی یعنی تیسرے کو بھی خبر ہو جائے تو وہ پھر عام میں ضرور ظاہر ہو جاتی ہے اور یا مراد دو سے دولب ہیں اس صورت میں یہ حکم ذرا مخفی ہے کیونکہ اس صورت میں یہ حکم ذرا مخفی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں تیسرے کا سننا تو فرض نہیں کیا گیا۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ عادت یہی ہے کہ جب دو شخصوں میں بات ہوتی ہے اس کی خبر تیسرے کو بھی ہو ہی جاتی ہے۔ قال رحمۃ اللہ علیہ

من بمانم در زبان ایں عرب
پیش ایشاں خوار گردم زیں سبب

یعنی میں عرب کی زبان میں رسوا ہوں گا اور ان کے نزدیک اس سبب سے ذلیل ہو جاؤں گا۔ قال رحمۃ اللہ علیہ

لیك اگر بو دیش لطف ماسبق
کے بدے ایں بددلی باجذب حق

یعنی اگر ابوطالب پر لطف ازلی ہوتا۔ تو جذب حق کے ہوتے ہوئے راہ حق سے یہ

بد دلی کیسے ہوتی۔ غرض اس حکایت سے معلوم ہوا کہ فساد استعداد اتباع سے عار اور ننگ کا سبب ہو جاتا ہے۔ آگے چوتھے مقام کے اشعار میں چوتھا اور پانچواں جزو اجزاء خمسہ مذکورہ میں سے مذکور ہے۔ چنانچہ اول اس فیض فنا و بقا میں اہل استعداد کی تکمیل کرنے میں آپ کا بے نظیر ہونا اور اس استعداد کی تکمیل کا سبب آپ کے اتباع طریق میں منحصر ہونا فرماتے ہیں اور یہ تکمیل استعداد عام ہے۔ اصلاح استعداد فاسد کو بھی اور رفع نقصان استعداد ناقص کو بھی۔ قال رحمۃ اللہ علیہ

معنی نختم علی افواھھم
این شناس این است رھرور مھم
تاز راہ خاتم پیغمبران
بوکہ برخیزد زلب ختم گران

آپ ﷺ کا شان تکمیل میں بے نظیر ہونا اور استعداد تکمیل کا طریقہ آپ ﷺ کے اتباع میں منحصر ہونا:

فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں جو نختم علی افواھھم آیا ہے اس کے معنی فساد استعداد کے ہیں۔ اس کو پہچانو کہ یہ رہرو یعنی سالک کے لئے ضروری ہے یہاں ایک طالب علمانہ شبہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس نختم علی افواھھم کے معنی تو یہ ہیں کہ ہم اس کے منہ پر تکلم سے مہر لگا دیں گے فساد استعداد تو اس کے معنی نہیں۔

تفسیر و تعبیر کی تحقیق:

پس تحقیق اس کی یہ ہے کہ ایک تو تفسیر ہے اور ایک تعبیر۔ تفسیر تو یہ ہے کہ مدلول قرآنی کو بیان کیا جائے اور تعبیر یہ ہے کہ مدلول حقیقی سے بوجہ تشابہ کے بطور تمثیل کے دوسرے مقام کی طرف ذہن کو عبور کرنا اور منتقل ہونا۔ اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ قرآن شریف میں یہ مراد ہے بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس پر دوسری حالت کو جو اس کے مشابہ ہے قیاس کرو۔ پس نختم علی افواھھم کی تفسیر تو یہی ہے کہ ہم تکلم سے ان کے منہ پر مہر کر دیں گے۔ مگر مولانا فرماتے ہیں کہ اس مہر سے ذہن منتقل کرو دوسری مہر کی طرف کہ جو اس مہر کا سبب اصلی ہوئی ہے وہ کیا ہے۔ فساد استعداد کی مہر۔ پس اس کی نسبت کہتے ہیں کہ اس کو پہچانو کہ مہر کا سبب فساد استعداد ہے۔ تاکہ لب سے یہ مضبوط مہر خاتم پیغمبران کی راہ کا اتباع کرنے سے ٹوٹے اور اس لب کھلنے اور مہر کے ٹوٹنے سے مراد یہ نہیں کہ بولنے کے لئے کھل جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ باطنی لب دہان کھلنے سے غذائے

روحانی فیوض کی کھینچنے لگے آگے آپ کی مہر اٹھانے کی شان بیان فرماتے ہیں۔ قال رحمۃ اللہ علیہ

ختمھائے کانبیا بگذاشتند
آن بدین احمدی برداشتند

یعنی وہ مہریں نقصان استعداد کی جو انبیاء چھوڑ گئے تھے۔ آپ کا دین ایسا کامل ہے کہ اس کی برکت نے وہ سب نقصان اٹھا دیئے اور یہاں مہر سے یہی نقصان مراد ہے نہ کہ فساد کیونکہ فساد استعداد تو ہر نبی کے اتباع سے مرتفع ہوتا رہا ہے۔ البتہ جس درجہ کا کمال استعداد آپ کی برکت سے نصیب ہوا۔ وہ آپ کے ساتھ خاص ہے اس کمال خاص کے مقابل استعداد سابقہ کو ناقص کہا جا سکتا ہے۔ قال رحمۃ اللہ علیہ

قفلہائے ناکشادہ ماندہ بود
ازکف انا فتحنا برکشود

یعنی استعداد کے بہت سے قفل بے کھلے رہ گئے تھے۔ اِنَّا فَتَحْنَا یعنی صاحب انا فتحنا کے ہاتھ مبارک سے کھلے۔ اور آپ کو بالخصوص صاحب انا فتحنا کہنے میں ایک نکتہ ہے۔ ورنہ یوں تو آپ کو ق صاحب حٰم صاحب الم بھی کہہ سکتے تھے۔ اور وہ نکتہ یہ ہے کہ یہاں قفلوں کے کھولنے کا چونکہ بیان ہے اس لئے صاحب انا فتحنا کہنا مناسب ہوا۔ اور نیز آپ کا لقب بھی فاتح ہے۔ یہ تو لفظی وجہ ہوئی اور معنوی نکتہ یہ ہے کہ انا فتحنا کو عام لیا جائے۔ فتح مکہ ہی کے ساتھ خاص نہ کیا جائے خواہ فتح مکہ ہو یا فتح باطنی ہو اور آگے جو مضمون ہے لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ط الخ وہ واقع میں بھی فتح باطنی ہے اور

جواب اس شبہ کا کہ انا فتحنا پر لیغفر لک اللہ کیسے مرتب ہوا:

یہاں پر ایک طالب علمی شبہ ہوا کرتا ہے اس کا حل کر دینا بھی جملہ معترضہ کے طور پر ضرور ہے وہ یہ ہے کہ انا فتحنا پر لیغفر لک اللہ الخ کیسے مرتب ہوا۔ کہاں فتح مکہ اور کہاں مغفرت وغیرہ۔ فتح کو مغفرت وغیرہ میں کیا دخل۔ مفسرین نے مختلف اور بعید از بعید توجیہیں اس مقام کی لکھی ہیں۔ مگر الحمد للہ میری سمجھ میں جو آیا ہے وہ بے تکلف اور دلپذیر بات ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام عرب کے لوگ اس کے منتظر تھے کہ مکہ فتح ہو تو ہم مسلمان ہوں چنانچہ فتح مکہ پر جوق در جوق اسلام لانے لگے اور لوگوں کے اسلام لانے سے حضور ﷺ کے مراتب قرب بڑھتے ہیں۔ نفس تبلیغ سے تو اور طرح کا ثواب ہوتا ہے اور اس تبلیغ سے اسلام لانے کا ثواب اور نوع کا ہے۔ ورنہ تبلیغ تو تمام انبیاء نے کی ہے۔ نفس تبلیغ میں سب انبیاء برابر ہیں۔ حضور ﷺ جو فخر فرمادیں گے وہ

کثرت امت پر ہوگا۔

پس فتح مکہ سبب ہے اسلام لانے کا اور اسلام لانا لوگوں کا سبب ہے۔ آپ کی زیادت قرب کا اور زیادت قرب سبب ہے لیغفرلک اللہ الی ینصرلک اللہ کا اور سبب کا سبب یا سبب السبب کا سبب اس مسبب کا بھی سبب ہوتا ہے۔ پس فتح مکہ کو مغفرت وغیرہ میں اس طرح دخل ہوا اور ترتب بے تکلف درست ہوگیا۔ دیکھئے یہاں بھی قرآن کے فہم کے لئے علوم عقلیہ کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جن علوم کے قفل بے کھلے رہ گئے تھے اگر آپ کا اتباع کروگے تو وہ علوم کے قفل تم پر کھل جائیں گے دوسرے مقام پر مولانا اسی مضمون کو فرماتے ہیں۔

بینی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب وبے معید داوستا قال
اوشفیع این جهان وآنجهان
این جهان در دین آنجا در خبان

یعنی حضور ﷺ ہماری سفارش کرنے والے ہیں اس جہان کے بھی اور اس جہان کے بھی۔ اس جہان کے تو دین کے باب میں چنانچہ حضور ﷺ ہمارے لئے دعائیں فرماتے تھے ان کی برکت سے ہم کو دین کی توفیق ہوئی۔ اور اس جہان میں جنت کے داخل ہونے کے باب میں سفارش فرمائیں گے۔ قال رحمۃ اللہ علیہ

این جهان گوید که توره شان نما
وآں جهان گوید که تومه شان نما

یعنی یہ جہان بہ زبان حال حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کر رہا ہے کہ آپ ان کو راستہ دین کا دکھلایئے اور وہ جہان یہ کہے گا کہ آپ ان کو چاند یعنی دیدار باری تعالیٰ شانہ دکھلایئے یہ اشارہ اور اقتباس ہے اس حدیث سے ستروہ ربکم کما ترون القمر لیلۃ البدر۔ یعنی حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم عنقریب اپنے رب کو دیکھو گے۔ جیسے لیلۃ البدر میں چاند کو دیکھتے ہو۔ قال رحمۃ اللہ علیہ

پیشه اش اندر ظهور ودر کموں
اهد قومی انهم لایعلمون

یہ مضمون بطور ترقی کے ہے۔ یعنی مسلمانوں کی شفاعت تو حضور ﷺ کیوں نہ فرماتے جبکہ حضور ﷺ اعداء کی شفاعت فرماتے ہیں چنانچہ ظاہر اور باطن میں آپ کا یہ شیوہ ہے کہ آپ دعا فرماتے تھے۔ اهد قومی الخ میں مسلمان بھی مراد نہ ہوں گے اور کلام بھی مرتبط ہوگیا قال رحمۃ اللہ علیہ

باز پشته ازدم او هر دو باب
دردو عالم دعوت او مستجاب

آپ کے دم یعنی کلام سے دونوں دروازے کھل گئے۔ یعنی دنیا میں تو علوم کے دروازے جس کا بیان قفلہائے ناکشادہ الخ میں آچکا ہے اور آخرت میں بقاء حق اور دخول جنت کا دروازہ جس کا بیان مقدمہ میں آچکا ہے۔ پس دو جہان میں آپ کی دعا مستجاب ہے۔ آگے آپ کے اس فیض کا اکمل ہونا بیان فرماتے ہیں قال رحمۃ اللہ علیہ

بهر این خاتم شد است او که بجود
مثل اونے بود و بے خواهند بود

آپ اس سبب سے خاتم ہوئے ہیں کہ فیوض وعلوم کے جود وعطا میں آپ کا مثل نہ ہوا اور نہ ہوگا۔ کمالات کے تمام مراتب آپ پر ختم ہوگئے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ خاتم زمانی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ خاتم مطلق ہیں زمانا بھی۔ اور کمالاً بھی۔

تائید مضمون کتاب تحذیر الناس مصنفہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ از مثنوی مولانا رومیؒ:

اور خاتمیت کے یہ معنی جو اس شعر میں مع شعر مابعد کے مذکور ہیں وہ ہیں جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحذیر الناس میں بیان فرمائے ہیں جس پر مبتدعین نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر بیحد شور مچایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو یہ اشعار ملے نہیں ورنہ سہولت کے ساتھ فرما دیتے کہ خاتمیت کے یہ معنی بیان کرنے میں میں تنہا نہیں ہوں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو لیا ہے۔ قال رحمۃ اللہ علیہ

چونکه در صنعت بردا ستا دوست
نے تو گوئی ختم صنعت بر توست

تمثیل کے طور پر فرماتے ہیں کہ دیکھو جب کسی صنعت میں استاد سبقت لے جاتا تو تم اس کو کہتے نہیں۔ یعنی یہ کہتے ہو کہ یہ صنعت تجھ پر ختم ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ خاتم کمالات ہیں یعنی آپ کا مثل کمالات میں کوئی نہیں ہے۔ پس یہ معنی ہیں خاتمیت کے یعنی ختم زمانہ کے ساتھ آپ اس طرح بھی خاتم ہیں۔ قال رحمۃ اللہ علیہ

در کشائو ختمها تو خاتمی
در جهان روح بخشاں حاتمی

اوّل تو قوۃ فیضان کے اندر آپ کا خاتم ہونا بیان فرمایا تھا۔ اس شعر میں نقصان استعداد کی مہروں کے فاتح ہونے کے اعتبار سے آپ کا خاتم ہونا ظاہر فرماتے ہیں کہ آپ مہروں کے کھولنے میں خاتم ہیں اور روح بخش حضرات یعنی انبیاء کے عالم میں آپ بمنزلہ حاتم کے ہیں اور اس تقریر میں عجیب لطیفہ ہے یعنی آپ فاتح ہونے میں بھی خاتم ہیں۔ وجہ لطافت کی یہ ہے کہ فاتح اور خاتم کے معنی میں ظاہرا تقابل ہے اور یہاں بجائے تقابل کے ایک دوسرے کا مکمل ہے۔ قال رحمۃ اللہ علیہ

هست اشارات محمد المراد
کل کشاد اندر کشاد اندر کشاد

یعنی آپ کی تصریحات تو علوم کا خزانہ ہیں ہی۔ حضور ﷺ کے تو اشارات سے علوم کے دریا کھلتے ہیں۔ المراد کے معنی ہیں الحاصل یعنی حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے اشارات سے اتنا بڑا دریا علوم کا کھلتا ہے کہ فتوح در فتوح ہوتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ احادیث کے چھوٹے چھوٹے اشاروں سے بڑے بڑے علوم کھلتے ہیں اور وہ مثال ہو جاتی ہے کہ۔

یا رب چه چشمه ایست محبت که من ازاں
یک قطره آپ خوردم ودریا گریستم

یہ ہے غایت حضور ﷺ کے تولد شریف کی اور نبوت شریف کی۔ اے مدعیان محبت تم لوگوں نے اس غایت پر بھی نظر کی ہے یا خالی زبانی محبت ہی ہے۔ یاد رکھو زبانی محبت بلا اس غایت کی تحصیل کے کارآمد نہیں ہے۔ آپ لوگ تو صرف ایک چیز یعنی ذکر ولادت کا اہتمام کرتے ہو اور ہم اس ذکر کے ساتھ اس فکر کو بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ غایت اس کی کیا ہے۔

حضور ﷺ کے فناء بقا کا فیض اب کس سے حاصل کرنا چاہیئے:

اجزاء فہرست میں سے اب صرف جزو خاص رہ گیا ہے کہ اب حضور ﷺ کا فیض فناء وبقاء ہم کس طرح حاصل کریں۔ اس کا جواب دیتے ہیں۔ قال رحمۃ اللہ علیہ

صد هزاران آفرین بر جان او
بر قدوم و دور فرزندان او

یعنی لاکھوں آفرین آپ کی جان پاک پر ہوں اور آپ کے فرزندان یعنی جان نشین اہل کمال کے قدوم یعنی آنے اور دور یعنی دورہ کرنے والے پر ہوں۔ حکام کا ایک وقت تو حاکم ہو کر آنے کا ہوتا ہے اور ایک وقت دورہ کا ہوتا ہے۔ اسی طرح علماء امت اور جانشینان حضور ﷺ کا ایک وقت تو کمالات کو لے کر آنے کا ہوتا ہے اور ایک وقت دورہ کا یعنی افاضہ کا ہوتا ہے۔ پس

دورہ کا مطلب یہ نہیں کہ وہ گھومتے پھرتے ہیں۔ اگرچہ اس اعتبار سے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ بعض حضرات مخلوق کے افاضہ کے لئے جگہ جگہ جاتے ہیں۔ پس حاصل یہ ہے کہ گو حضور ﷺ تشریف لے گئے ہیں لیکن حضور ﷺ کے جانشین تو موجود ہیں۔ وہ فیض ان سے لو۔

چونکه شد خورشید و مارا کرد داغ
چاره نه بود بر مقامش از چراغ

اکثر اہل مولد وفات شریف کے ذکر کو ولادت شریف کے ذکر کے ساتھ ناگوار سمجھتے ہیں۔ لیکن چونکہ ہم غایت ولادت شریفہ کو بیان کر رہے ہیں۔ تو اس غایت کے متعلق یہ سوال ضرور ہوگا کہ اب اس غایت کو کیسے حاصل کریں۔ اس لئے ذکر وفات شریف کا ضرور آئے گا چنانچہ اسی غایت ولادت کے بتلانے کے لئے ہم نے اس رسم سے قطع نظر کر کے وفات کے متعلق مضمون مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بیان کیا کہ آپ کے بعد آپ کے جانشینوں سے وہ فیض حاصل کرو اور فرزندان اس لئے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں ہے وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ۔ یعنی نبی کی ازواج مطہرات مومنین کی مائیں ہیں۔ تو آپ ظاہر ہے کہ باپ ہوئے اور یہ ظاہر ہے کہ سچا جانشین وہی ہوتا ہے۔ جو باپ کے قدم بقدم ہو۔ ورنہ اس کو فرزند ہی نہیں کہتے۔ پس سچے جانشین اولیاء اور علماء امت ہوئے۔

معنی لطیف آیہ ما کان محمد ابا احدالخ وجواب تعارض وازواجه امهاتهم کہ جس سے ابوۃ حضور ﷺ کی ثابت ہوتی ہے:

یہاں پر ایک سوال ہو سکتا ہے کہ قرآن شریف میں تو حضور ﷺ کے ابوۃ کی نفی فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ۔ جواب یہ ہے کہ اسی آیت سے ابوۃ حضور ﷺ کی معلوم ہوتی ہے اور وہ بہت لطیف بات ہے وہ یہ ہے کہ آگے ارشاد ہے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ اور اہل علوم کو معلوم ہے کہ لٰکِنْ استدراک یعنی توہم ناشی من الکلام السابق کے رفع کے لئے ہوتا ہے اور یہاں بظاہر کوئی شبہ معلوم نہیں ہوتا۔ جس کا لٰکِنْ سے دفعیہ مقصود ہو۔ بجز اس کے کہ تقریر آیت کی یہ ہو کہ جب ارشاد ہوا کہ محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں تو شبہ ہوا کہ کیا نسبی باپ نہیں تو اور کسی قسم کے بھی باپ نہیں جو علی الاطلاق ابوۃ کی نفی کی گئی تو اس شبہ کا رفع ہے کہ ہاں۔ لیکن روحانی باپ ہیں یعنی رسول ہیں۔ اس لئے کہ روحانی تربیت کرتے ہیں۔ قال رحمۃ اللہ علیہ

آن خلیفه زاد گان مقبلش
زاده انداز عنصر جان و دیش

یعنی آپ کے شاہزادے بلند اقبال آپ کے عنصر خاکی سے نہیں ہیں۔ یعنی نسبی اولاد مراد نہیں ہیں بلکہ آپ کے روح و دل کے مبارک عنصر سے ہیں۔ یعنی روحانی اولاد ہیں۔ قال رحمتہ اللہ علیہ۔

گرز بغداد وھرے یا ازرے اند
بے مزاج آب وگل نسل ویند

یعنی نسبی اولاد کی طرح یہ ضروری نہیں کہ وہ ایک مقام کے ہوں بلکہ وہ خواہ بغداد کے ہوں یا ہرات کی خاک سے ہوں یا رے کے بغیر آب وگل کے میل کے آپ کی نسل ہیں یعنی روحانی اولاد ہیں آگے اس کی وجہ نظیر کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں۔ قال رحمتہ اللہ علیہ

شاخ گل هر جاکه روید هم گل است
خم مل هر جا که جو شد هم مل است

یعنی ان کے اختلاف مقامات سے تعجب نہ کرو۔ اس لئے کہ شاخ گل شجرہ گل سے کاٹ کر جہاں کہیں لگا دی جائے اور وہ وہاں جئے گل ہی ہے اور شراب کا مٹکا جہاں جوش مارے شراب ہی ہے۔ اسی طرح خواہ وہ کہیں کے ہوں مگر آپ سے منتسب ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اگر حضور ﷺ تشریف نہیں رکھتے ہیں تو آپ کے خلفاء وورثہ موجود ہیں۔

چوں گل رفت وگلستان شد خراب
بوئے گل را از که جوئیم از گلاب

یعنی جب پھول کا موسم جاتا رہے اور گلاب کی بو سونگھنا چاہو تو عرق گلاب سے حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ ارشاد ہے اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ یہ وارثین بھی اولی الامر میں داخل ہیں۔ الحمد اللہ مضمون مقصود تمام ہوا۔ پس یہ راز ہے حضور ﷺ کی تشریف آوری کا، ولادت شریفہ سے لے کر وفات شریفہ تک کا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اتباع کامل حضور ﷺ کا کرو۔ تاکہ غایت حضور ﷺ کی تشریف آوری کی کہ فیض نبوی ہے تم کو حاصل ہو۔ یہی حاصل ہے فنا و بقاء کا جس نے یہ راز سمجھ لیا اور اس کو عمل میں لایا وہ ہے سچا محب۔ اور وہ ہے واقعی صاحب دولت۔ اور جس نے اس کو نہ سمجھا اور محض زبانی تذکرے پر رہا۔ اس نے حقیقت میں کچھ نہیں پایا۔ یہ تھا بیان حضور ﷺ کی تشریف آوری کے راز کا اہل اسرار کے طرز پر اب میں اس کو ختم کرتا ہوں اور اس کا لقب سر المولد النبوی من المثنوی المعنوی رکھتا ہوں۔ فقط اللھم وفقنا لا تباع سنة نبینا واحشر فانی زمرته وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وعلی اله واصحابه وسلم

واعظ

السُّرُوْرُ

بظہور النور

ملقب بہ

ارشاد العباد فی عید المیلاد

این	متی	کم	کیف	لم	ماذا	شان من ای	من ضبط	[illegible]	اشعات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھکر یا کھڑے ہوکر	کیوں ہوا	کیا مضمون تھا	کس طبقہ کو زیادہ مفید تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تخمیناً تعداد	متفرقات

جامع مسجد تھانہ بھون	۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ	تین گھنٹے بعد نماز جمعہ سے قریب مغرب تک اور درمیان میں نماز عصر پڑھی گئی	بیٹھ کر	تمہید میں مذکور ہوا	حضور ﷺ کی ولادت شریف پر فرح کا مامور بہ ہونا اور عید میلاد النبی ﷺ پر مفصل کلام	خصوصاً عاملین اہل میلاد النبی ﷺ کو	مولوی محمد عبد اللہ گنگوہی	۱۵۰	اہل علم کا مجمع کم اور متوسطین وعوام کا زیادہ تھا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم اما بعد فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحمٰن الرحيم. قل بفضل الله وبرحمته فبذالك فليفرحوا هو خير مما يجمعون۔

تمہید وعظ ہذا:

قبل اس کے کہ اس آیت کے متعلق کچھ بیان کروں اول بطور تمہید یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ چند سال سے میرا معمول ہے کہ ماہ ربیع الاول کے شروع میں ایک وعظ اس ماہ میں افراط تفریط کرنے والوں کی اصلاح کے متعلق کہا کرتا ہوں اور اس میں ضمناً واستطراداً اور فوائد

علمیہ ونکات وحقائق کا بیان بھی آ جاتا ہے امسال بھی ایسا ہی خیال تھا کہ ابتداء ربیع الاول میں ایسا وعظ ہو جائے لیکن وجہ التواء یہ ہوئی کہ ہمارے مدرسہ کے متعلق ایک مکان طلبہ کے لئے بنا ہے۔ خیال یہ ہوا کہ اس مکان میں اس کے افتتاح کے ساتھ یہ وعظ ہو۔ تا کہ اس مکان میں برکت ہو لیکن اس کے افتتاح میں بعض امور کا انتظار تھا۔ اتفاق سے وہ جملہ امور دوشنبہ کے روز ختم ہوئے چنانچہ اس روز ارادہ بیان کا ہوا۔ لیکن بعض احباب کی رائے ہوئی کہ جمعہ کے روز جامع مسجد میں یہ بیان ہوتا کہ اور لوگ بھی منتفع ہوں اس وجہ سے اس بیان میں دیر ہوئی اور عجیب اتفاق ہے کہ آج ۱۲ ربیع الاول ہے اسی تاریخ میں لوگ افراط وتفریط کرتے ہیں اس تاریخ کا بالتخصیص ارادہ نہیں کیا گیا اور نہ نعوذ باللہ اس تاریخ سے ضد ہے۔ بلکہ الحمد للہ ہم اس میں برکت کے قائل ہیں۔ مگر یہ اتفاقی بات ہے کہ اس بیان کا اس تاریخ سے اقتران ہو گیا اور یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ متبع سنت کو اللہ تعالیٰ بلا قصد وہ برکات عنایت فرما دیتے ہیں کہ جن کا متبع رسوم وبدعات ارتکاب بدعات کے ساتھ قصد کرتے ہیں۔

جو شے دائر بین السنۃ والبدعۃ ہو تو وہ سنت واجب الترک ہے:

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جو شے دائر بین السنۃ والبدعۃ ہو تو اس سنت کو ترک کر دینا چاہئے۔ پس یہ تاریخ اگر چہ بابرکت ہے۔ اور حضور ﷺ کا ذکر شریف اس میں مزید باعث برکت کا ہے۔ لیکن چونکہ تخصیص اس کی اور اس میں اس ذکر کا التزام کرنا بدعت ہے اس لئے اس تاریخ کی تخصیص کو ترک کر دیں گے۔ ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس تخصیص کے مفسدہ سے بھی محفوظ رکھا اور اس تاریخ کی برکات سے بھی محروم نہیں رکھا اور عجیب بات ہے کہ اگر دوشنبہ کے روز بیان ہوتا تو ہم کو اس دن بھی یہی برکت حاصل ہوتی۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کی ولادت شریف اسی یوم میں ہوئی ہے اور نیز بعض محققین اس طرف گئے ہیں کہ ولادت شریف ۸ ربیع الاول کو ہوئی ہے اور دوشنبہ کو آٹھویں ہی تاریخ تھی۔ پس اس قول کے موافق ہم کو یوم البرکت اور تاریخ البرکت دونوں سے حصہ مل جاتا اور جمہور کے قول کے موافق ۱۲ ربیع الاول تاریخ ولادت شریفہ ہے۔ اس لئے اب بھی اس تاریخ کی برکت سے محرومی نہ رہی۔ بلکہ اب دو برکتیں حاصل ہو گئیں۔ یوم کی بھی اور تاریخ کی بھی۔ اس لئے کہ دوشنبہ کے روز نیت بیان کی تھی اور مومن کی نیت پر بھی ثواب کا وعدہ ہے۔ یوم کی برکت یوں حاصل ہو گئی اور آج کہ ۱۲ تاریخ ہے۔ اس کا وقوع ہو گیا۔ تاریخ کی برکت اس طرح حاصل ہو گئی۔ یہ برکت ہے اتباع سنت کی۔ اور ہر چند کہ اس یوم میں افراط تفریط کے

متعلق بیان کرنا زائد معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جو افراط تفریط کرتا تھا آج ان لوگوں نے کرلیا ہوگا۔ پس اب اس بیان سے کیا فائدہ۔ مگر یہ ایام چونکہ پھر بھی انشاء اللہ تعالیٰ آنے والے ہیں اور نیز علاوہ ربیع الاول کے اور دنوں میں بھی لوگ ایسی مجالس منعقد کرتے ہیں اور اس میں حدودِ شرعیہ سے متجاوز ہوتے ہیں اس لئے اس کے متعلق بیان کر دینا خالی از نفع نہیں۔ یہ مضمون تو بطور تمہید کے تھا۔

حق تعالیٰ کی ہر نعمت قابلِ شکر ہے، خصوصاً تشریف آوریٔ حضور ﷺ:

اب آیت شریفہ کے متعلق عرض کرتا ہوں جاننا چاہئے کہ اس میں کسی مسلمان کو شک وشبہ نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کی ہر نعمت قابل شکر ہے۔ خاص کر جو بڑی نعمت ہو۔

حضور ﷺ دینی و دنیوی نعمتوں کے سرچشمہ ہیں تمام عالم کیلئے:

پھر خصوص دینی نعمت اور دینی نعمتوں میں سے بھی خاص جو بڑی بڑی نعمت ہو پھر ان میں بھی خصوص وہ نعمت جو اصل ہے تمام دینی و دنیوی نعمتوں کی۔ اور وہ نعمت کیا ہے حضور سید عالم کی تشریف آوری کہ حضور سے دینی نعمتوں کے تو فیوض دنیا میں فائض ہوئے ہی ہیں۔ دنیوی نعمتوں کے سرچشمہ بھی آپ ہی ہیں اور صرف مسلمانوں کے ہی لئے نہیں بلکہ تمام عالم کے لئے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی نہیں بھیجا ہم نے آپ کو اے محمد ﷺ مگر جہانوں کی رحمت کے واسطے دیکھئے عالمین میں کوئی تخصیص انسان یا غیر انسان یا مسلمان غیر مسلمان کی نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا وجود باجود ہر شے کے لئے باعث رحمت ہے۔ خواہ وہ جنس بشر سے ہو یا غیر جنس بشر سے اور خواہ حضور ﷺ سے زمانہ متاخر ہو یا متقدم متاخرین کے لئے رحمت ہونا تو بعید نہیں۔ لیکن پہلوں پر رحمت ہونے کے لئے بھی حضور ﷺ کا ایک وجود سب سے پہلے پیدا فرمایا اور وہ وجود نور کا ہے کہ حضور ﷺ اپنے وجود نوری سے سب سے پہلے مخلوق ہوئے ہیں۔ اور عالم ارواح میں اس نور کی تکمیل و تربیت ہوتی رہی آخر زمانہ میں اس امت کی خوش قسمتی سے اس نور نے جسد عنصری میں جلوہ گر و تاباں ہو کر تمام عالم کو منور فرمایا۔ پس حضور اولاً و آخراً تمام عالم کے لئے باعث رحمت ہیں۔ پس حضور ﷺ کا وجود تمام نعمتوں کی اصل ہونا عقلاً و نقلاً ثابت ہوا تو ایسا کون مسلمان ہوگا کہ جو حضور ﷺ کے وجود باجود پر خوش نہ ہو یا شکر نہ کرے۔

اہل حق پر یہ نرا بہتان ہے کہ وہ حضور ﷺ کے ذکر سے مانع ہیں:

پس ہم پر یہ خالص تہمت اور محض افتراء اور نرا بہتان ہے کہ توبہ توبہ نعوذ باللہ۔ کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے ذکر شریف یا اس پر خوش ہونے سے روکتے ہیں۔ حاشا و کلا حضور ﷺ کا ذکر تو ہمارا جزو ایمان ہے۔

جو شے خلاف قواعد شریعت ہے وہ قابل روکنے کے ہے:

ہاں جو شے خلاف ان قوانین کے ہوگی جن کی پابندی کا ہم کو خود حضور ﷺ نے حکم فرمایا ہے اس سے البتہ ہم روکیں گے۔ اگرچہ فی نفسہ وہ شے مستحسن ہو اور شریعت میں اس کے نظائر بکثرت موجود ہیں۔ دیکھو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عین دوپہر کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ قبلہ سے منہ پھیر کر نماز پڑھنا ممنوع ہے اور یہ بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ یوم النحر اور یوم الفطر میں روزہ رکھنا حرام ہے اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ ایام تشریق میں افطار ضروری ہے اور یہ بھی تمام امت کا مسئلہ مسلمہ ہے کہ ماہ محرم میں حج نہیں ہوسکتا اور نیز محل حج مکہ ہی ہے۔ بمبئی میں حج ممکن نہیں دیکھئے نماز روزہ حج فرض ہیں لیکن خلاف قاعدہ و قانون شریعت چونکہ کئے گئے اس لئے وہ بھی منہی عنہا ہوگئے اور ان کے ممنوع ہونے کو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ پس اگر کوئی ایسے نماز روزہ حج کو منع کرے تو اس کو کوئی عاقل یوں نہ کہے گا اور یہ تہمت اس پر نہ لگائے گا کہ یہ شخص نماز روزہ حج سے روکتا ہے اگر نماز روزہ سے روکتا تو خود ہی ان پر کیوں عامل ہوتا۔ اسی طرح مسئلہ متنازعہ فیہا کے اندر سمجھو کہ ہمارے حضرات کی نسبت یہ کہنا کہ یہ لوگ حضور ﷺ کی ولادت شریفہ کے ذکر یا اس پر خوش ہونے کو منع کرتے ہیں وہ نری تہمت اور افترا ہے۔ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ماشاء اللہ۔ ہم ہرگز منع نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہر ایک شے کا ایک طریق ہوتا ہے جب وہ شے اس طریق سے کی جائے تو وہ پسندیدہ ہے۔ ورنہ ناپسند اور قابل منع کرنے کے ہے۔ دیکھئے تجارت ہے اس کے لئے گورنمنٹ نے خاص خاص قوانین مقرر کر دیئے ہیں اگر کوئی شخص ان قوانین کے خلاف تجارت کریگا تو وہ ضرور قوانین کی خلاف ورزی میں ماخوذ ہوگا۔ چھرہ بارود کی تجارت وہی کرسکتا ہے جس نے لیسنس حاصل کرلیا ہو۔ اسی طرح شریعت میں بھی ہر شے کا قاعدہ اور قانون ہے۔ جب اس کے خلاف کیا جائے گا تو وہ ناپسند اور منہی عنہ ہو جائے گی۔ پس حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کا ذکر مبارک عبادت ہے لیکن دیکھنا چاہئے کہ قانون دان حضرات یعنی خود حضور ﷺ اور صحابہ ﷺ جن کے اقتداء کا ہم کو حکم ہے انہوں نے اس عبادت کو کس طرز اور کس طریقہ سے کیا ہے۔ اگر آپ لوگ اسی طریق سے کریں تو سبحان

اللہ کون اس سے روکتا ہے اور اگر اس طریق سے نہ کیا جائے تو بیشک وشبہ وہ قابل روکنے کے ہے۔ اب فرمایئے کہ کیا ہم لوگ ذکر رسول اللہ ﷺ سے روکنے والے ہیں۔ اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی چھرہ بارود کی تجارت کے لیسنس نہ ہونے کی وجہ سے منع کرے اور اس کو یہ کہا جائے کہ یہ تو تجارت کو منع کرتے ہیں۔

پس نفس فرح وسرور علی ذکر الرسول ﷺ کو کوئی منع نہیں کرتا کہ وہ تو عبادت ہے ہاں جب اس کے ساتھ اقتران منہی عنہ کا ہوگا۔ تو بے شک قابل ممانعت ہے۔ فرح اور سرور ہی کو دیکھ لیجئے کہ اس کی نسبت قرآن میں ایک مقام پر تو ہے۔ لَاتَفۡرَحۡ اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے فَلۡیَفۡرَحُوۡا۔ جیسا اس آیت میں ہے معلوم ہوا کہ بعض فرح کے افراد ماذون فیہ ہیں اور بعض منہی عنہ اور ظاہر ہے کہ اعمال اخرویہ میں ہمارے لئے میعار شریعت ہے۔ پس شریعت کے قواعد سے جو فرحت جائز ہے اس کی تو اجازت ہے اور جو نا جائز ہے وہ ممنوع ہے۔ چنانچہ جس جگہ لتفرح ہے۔ وہاں دنیوی فرحت مراد ہے مگر وہی فرحت جو حدود سے متجاوز ہو۔ ورنہ نفس فرح نعمت دنیویہ پر بھی لوازم شکر سے ہے جہاں امر کا صیغہ ہے وہاں نعمت دینی پر فرحت مقصود ہے لیکن وہی فرح جس میں قواعد شریعت سے تجاوز نہ ہو۔ مثلاً اگر کوئی نماز پر کہ وہ نعمت دینی ہے خوش ہو۔ اور خوشی میں آکر یہ کرے کہ بجائے چار رکعت کے پانچ رکعت پڑھنے لگے تو بجائے اس کے کہ ثواب ہو۔ الٹا گناہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے شریعت کے قواعد سے تجاوز کیا۔ خود ذکر رسول ﷺ کہ جس میں اختلاف ہے اسی کو لے لیجئے کہ مسئلہ متفق علیہا ہے کہ جو شخص چار رکعت والی نماز میں قعدہ اولی میں تشہد کے بعد اللهم صل علي محمد پڑھدے تو نماز ناقص ہوگی حتی کہ سجدہ سہو سے وہ نقصان منجبر ہوگا۔ اگر سہواً ایسا کیا۔ دیکھئے درود شریف کہ جس کی نسبت ارشاد ہے من صلی علی مرة صلی الله علیه عشرا او کما قال یعنی جو شخص درود بھیجے مجھ پر ایک مرتبہ اس پر اللہ تعالیٰ دس مرتبہ رحمت فرمادیں گے اور پھر موقع کون سا۔ نماز لیکن حکم شرعی یہ کہ نماز میں نقصان آجائیگا تو اس کی آخر کیا وجہ ہے۔

بزهد وورع کوش صدق وصفا
ولیکن میفزائی بر مصطفے
خلاف پیمبر کسے ره گزید
که هرگز بمنزل نخواهد رسید
مپندار سعدی که راه صفا
تواں رفت جزبر پئے مصطفے

پس حضور ﷺ نے جو موقع درود شریف کا نماز میں مقرر فرمادیا ہے۔ چونکہ اس سے

تجاوز ہوا ہے۔ اس لئے نماز میں نقصان آیا۔ اگر چہ درود شریف فی نفسہ عبادت ہے اور یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر اہل بدعات کا بھی اتفاق ہے اس لئے کہ وہ بھی حنفی ہیں پس ان کو چاہئے کہ امام صاحب پر اعتراض کریں اور ان پر بھی یہ تہمت لگائیں کہ وہ تو بہ توبہ ذکر رسول ﷺ سے منع کرتے ہیں اور وہ بھی وہابی تھے۔ پس اے حضرات خدا سے ڈریئے اور اس مادہ فاسدہ کو اپنے دماغ سے نکالئے ورنہ اس کا اثر دور دور تک سرایت کرے گا۔ اور احکام میں نظر انصاف اور حق طلبی سے غور فرمایئے پھر اگر شبہات رہیں تو شائستگی اور تہذیب سے ان کو رفع فرمایئے۔ اور خوب سمجھ لینا چاہئے کہ جب قرآن مجید میں خود حضور ﷺ کے وجود باجود کی نسبت (کما سیجیء فی تفسیر الایة مفصّلا) صیغہ امر فلیفر حوا موجود ہے تو اس فرحت کو کون منع کرسکتا ہے۔ غرض حضور ﷺ کی ولادت شریفہ پر فرحت اور سرور کو کوئی منع نہیں کرسکتا اور یہ امر بالکل ظاہر تھا لیکن میں نے اس میں اس لئے تطویل کی کہ ہم پر یہ افترا ہے کہ یہ لوگ حضور ﷺ کے ذکر کو منع کرتے ہیں۔ صاحبو۔ حضور ﷺ کا ذکر مبارک تو وہ شے ہے کہ اگر اس پر اجر کا بھی وعدہ نہ ہوتا تو خود حضور ﷺ کی محبت بمقتضائے من احب شیئاً اکثر ذکرہ اس کو مقتضی ہے کہ آپ کا ہر وقت ذکر کیا کرتے۔

حضور ﷺ کے ذکر شریف سے کسی مسلمان کو مفر نہیں:

اور چونکہ حضور ﷺ کا ذکر عین عبادت ہے۔ اسی واسطے حق تعالیٰ نے خود اس قدر مواقع آپ کے ذکر کے مقرر فرمائے ہیں۔ کہ مسلمان سے لامحالہ ذکر ہو ہی جائے۔ دیکھئے نماز کے اندر ہر قعدہ میں السلام علیك ایها النبی موجود ہے اور قعدہ ظہر میں اور عصر اور مغرب اور عشا میں درود ہیں اور فجر میں ایک تو کل نو قعدے ہوئے اور سنن مؤکدہ اور وتر میں لیجئے۔ ظہر میں تین مغرب میں ایک عشا میں تین اور صبح میں ایک تو کل سترہ قعدے ہوئے پس یہ سترہ مرتبہ حضور ﷺ کا ذکر ہوا۔ پھر پانچوں وقت فرائض اور سنن و وتر کے قعدے اخیرہ میں کل گیارہ مرتبہ درود شریف بھی پڑھا جاتا ہے۔ پس سترہ اور گیارہ کل اٹھائیس بار تو لامحالہ ہر مسلمان کو آپ کا ذکر مبارک کرنا روزانہ ایسا ضروری ہے کہ اس سے کسی طرح مفر ہی نہیں پھر پانچوں وقت اذان اور تکبیر ہوتی ہے اس میں اشهد ان محمّد رسول اللّٰہ موجود ہے۔ جس کو موذن اور سننے والا دونوں کہتے ہیں پھر ہر نماز کے بعد دعا بھی آجکل مانگتے ہیں اور دعا کے آداب میں سے کر دیا گیا ہے کہ اس کے اوّل وآخر درود شریف ہو۔ غرض اس حساب سے اٹھائیس سے بھی زیادہ تعداد حضور ﷺ کے ذکر شریف کی ہوگی اور یہ تو وہ مواقع ہیں کہ ان میں پڑھے بے پڑھے سب شامل ہیں اور جو طالب علم حدیث شریف پڑھتے ہیں وہ تو ہر وقت حضور ﷺ کے ذکر میں رہتے ہیں اس لئے کہ ہر حدیث کے شروع میں آپ کے نام مبارک کے ساتھ درود شریف موجود ہے چنانچہ احادیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھئے

اوران میں جابجاقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اورقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم واقع ہے اور درمیان میں بھی جہاں کہیں حضور ﷺ کا اسم مبارک آیا ہے وہاں بھی درودشریف موجود ہے۔گویا حضور ﷺ کے ذکر کوایسا گوندھ دیا ہے کہ بغیر ذکر کے مسلمان کو چارہ نہیں۔مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ ذکرولادت آپ کے نزدیک جائز ہے یا ناجائز۔انہوں نے فرمایا کہ ہم تو ہروقت ذکرولادت کرتے ہیں اس لئے کہ ہروقت کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں۔اگر آپ پیدا نہ ہوتے تو ہم یہ کلمہ کہاں پڑھتے۔

غیرت کا مقتضا یہ ہے کہ حضور کا ذکر ہر وقت ہو اس کے لئے جلسہ کے منعقد کرنے کی ضرورت نہیں:

پس محبت کا مقتضی تو یہ ہے کہ آپ کا ہروقت ذکر ہو اور اس کے لئے اس کی ضرورت نہیں کہ اس کے لئے مجالس منعقد کی جائیں اور مٹھائی منگائی جائے تب ذکر ہو۔عاشق اور محب کو اتنی دیر کیسے صبر آسکتا ہے۔دیکھو کسی سے اگر محبت ہو جاتی ہے۔تو محب کی کیا حالت ہوتی ہے۔کہ ہروقت اس کی یاد میں بے قرار رہتا ہے۔اگر اس سے کوئی کہے کہ میاں ذرا ٹھہر جاؤ۔ہم مجلس آرائی کرلیں اور مٹھائی منگالیں اس وقت ذکر کیجیو وہ کہے گا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری محبت کا ذبہ ہے کہ جو اتنی دیر تک تم ذکر محبوب سے صبر کرتے ہو۔محبت تو وہ شے ہے جیسے مجنوں کی حالت تھی۔

دید مجنون را یکے صحرا نورد
در بیابان غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم
می نموبے بھر کس نامہ رقم
گفت اے مجنون شیدا چیست ایں
می نویسی نامہ بھر کیست ایں
گفت مشق نام لیلیٰ می کنم
خاطر خود راتسلی می کنم

بتلائیے اگر مجنوں کواس حالت میں کوئی یہ کہتا کہ ذرا ٹھہر جاؤ ہم مجلس بنالیں اور مٹھائی منگالیں اس وقت لیلیٰ کا ذکر کرنا تو وہ یہ جواب دے گا کہ سلام ہے ایسی مجلس کواور ایسی مٹھائی کو جو میرے اور محبوب کے درمیان میں حجاب ہو اور ہم نے تو اکثر مجالس میلاد والوں کو یہی دیکھا ہے کہ

یہ محبت سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔

بڑا معیار محبت کا اطاعت حبیب ہے اور اہل میلاد اس سے خالی ہیں:

اس لئے کہ بڑا معیار محبت کا محبوب کی اطاعت ہے کسی نے خوب کہا ہے۔

تعصی الرسول وانت تظهرحبه
هذا لعمری فی الفعال بدیع
لو کان حبك صادقا لاطعته
ان المحب لمن یحب مطیع

یعنی تو رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے اور ان کی محبت کو ظاہر کرتا ہے اپنی جان کی قسم یہ امر افعال عجیبہ میں سے ہے اگر تیری محبت صادق ہوتی تو ضرور تو حضور ﷺ کی اطاعت کرتا اس لئے کہ محب محبوب کا مطیع ہوتا ہے اور مولد پرستوں کو دیکھا ہے کہ مجلس میلاد کا اہتمام کرتے ہیں۔ بانس کھڑے کر رہے ہیں ان پر کپڑے منڈھ رہے ہیں اور سامان روشنی کا فراہم کر رہے ہیں اور اس درمیان میں جو نمازوں کے وقت آتے ہیں تو نماز نہیں پڑھتے ہیں اور داڑھی کا صفایا کرتے ہیں، کیوں صاحبو! کیا محبین رسول ﷺ کی ایسی ہی صورتیں اور یہی ان کی حالت ہوتی ہے کیا بس حضور ﷺ کا یہی حق ہے کہ پانچ روپیہ کی مٹھائی منگا کر تقسیم کردی اور سمجھ لیا کہ ہم نے رسول ﷺ کا حق ادا کر دیا کیا آپ لوگوں نے حضور ﷺ کو نعوذ باللہ کوئی پیشہ ور پیرزادہ سمجھ لیا ہے کہ تھوڑی سی مٹھائی پر خوش ہو جائیں تھوڑے سے نذرانہ پر راضی ہو جائیں۔توبہ توبہ نعوذ باللہ یاد رکھو حضور ﷺ ایسے محبین سے خوش نہیں ہیں سچے محب وہ ہیں جو اقوال وافعال وضع انداز ہر شے میں حضور ﷺ کا اتباع اور اطاعت کرتے ہیں۔

میرے ایک دوست حافظ اشفاق رسول نامی ہیں وہ ذکر رسول ﷺ کے فریفتہ ہیں وہ کبھی کبھی محبت کی وجہ سے ذکر ولادت مروج طریق سے کیا کرتے تھے انہوں نے خواب میں حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم اس کی شفاعت نہ کریں گے جو ہماری بہت تعریف کرے۔ہم اس کی شفاعت کریں گے جو ہماری اطاعت کرے۔مطلب اس کا یہی ہے کہ جو شخص زبانی دعویٰ کرتا ہو اور نعتیہ اشعار بہت پڑھتا ہو لیکن اطاعت کرتا نہ ہو تو اس کی شفاعت نہ کریں گے۔ میں نے جو ’’اصلاح الرسوم‘‘ کتاب لکھی ہے اس میں ایک فصل ذکر میلاد کے متعلق بھی ہے۔ چنانچہ وہ فصل طریقہ مولود کے نام سے علیحدہ طبع بھی ہوگئی ہے تو جب یہ کتاب لکھی گئی تو مجلس میلاد

کے متعلق کان پور میں لوگوں نے بہت شور کیا۔ اسی اثناء میں ایک شخص صالح نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا اور اس اختلاف کے متعلق حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ اس میں صحیح کیا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اشرف علی نے جو لکھا ہے وہ سب صحیح ہے۔ میں نے حضور ﷺ کے حالات میں جو کتاب ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب'' لکھی ہے اس کے آخر میں ان دونوں خوابوں کو مفصلاً درج کر دیا ہے۔ لیکن میری غرض ان خوابوں کے ذکر کرنے سے مدعا کا اثبات نہیں ہے۔ اثبات مدعا کے لئے تو مستقل دلائل ہیں یہ تو محض تائید اور مزید اطمینان کے لئے لکھ دیا ہے۔

تفسیر آیہ کریمہ مذکورہ صدر مذکور:

الحاصل حضور ﷺ کا وجود باجود اصل ہے تمام نعمتوں کی اور اس پر شکر اور فرحت مامور بہ ہے۔ چنانچہ جو آیت میں نے تلاوت کی ہے۔ اس میں اسی نعمت کا ذکر اور اس پر فرح کا امر ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اس آیت کریمہ سے پہلے قرآن مجید کی شان حق تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

یا ایھا الناس قد جاء تکم موعظة من ربکم وشفاء لما فی الصدور وھدی ورحمة للمومنین۔ یعنی اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت اور دل کے امراض کے لئے شفا اور مومنین کے لئے ہدایت ورحمت آئی ہے اس میں حق تعالیٰ نے قرآن مجید کی چار صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ موعظہ۔ شفاء۔ ہدی۔ رحمت۔ موعظہ کہتے ہیں۔ وہ کلام جو بری باتوں سے روکنے والا ہے۔ اور شفاء اس کی صفت بطور ثمرہ کے فرمائی ہے۔ یعنی نتیجہ اور ثمرہ اس موعظہ پر عمل کرنے کا یہ ہے۔ کہ دلوں کے اندر جو روگ ہیں ان سے شفا حاصل ہوگی۔

بعض سالکین کا ایک سخت مغالطہ مع اس کے حل کے:

یہاں سے ایک تصوف کا مسئلہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ ہے یہ تو ظاہر ہے کہ ہم لوگ گناہ میں مبتلا ہیں اور شب و روز ہم سے لغزشیں ہوتی ہیں لیکن اس ابتلا کے ساتھ دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ ہیں کہ گناہ کرتے ہیں اور ان کو اس کا کچھ احساس نہیں ہوتا اور ایک وہ جن کو احساس ہوتا ہے۔ سو الحمد للہ کہ گو ہم پھسلتے ہیں اور گناہ ہم سے صادر ہوتے ہیں لیکن اندھے نہیں ہیں کہ اس کی خبر ہی نہ ہو کہ راستہ کدھر ہے۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے آنکھیں عطا فرمائی ہیں۔ گو بعض وقت نفس کے غلبہ و شرارت سے ان سے کام نہ لیں۔

پس ان آنکھوں سے ہم کو صاف نظر آتا ہے کہ جب کوئی بھی گناہ ہوا ہے۔ اس سے

قلب میں ایک روگ پیدا ہو گیا ہے۔ اسی روگ کی نسبت حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون۔ یعنی بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کے رنگ کا غلبہ ہو گیا ہے اور اسی کی نسبت حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے تو قلب پر ایک داغ لگ جاتا ہے، اگر توبہ کرے تو وہ مٹ جاتا ہے ورنہ بڑھتا ہے مولانا اسی کو فرماتے ہیں۔

ہر گناہ زنگے است برمرآۃ دل
دل شود زیں زنگھا خوار وخجل
چوں زیادت گشت دل را تیرگی
نفس دوں را پیش گرد دخیر کی

غرض گناہ کے اندر خاصہ ہے کہ قلب میں اس سے ایک روگ پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر اس کا تدارک نہ کیا گیا تو وہ روگ اور بڑھ جاتا ہے۔ یہاں پر بعض اہل سلوک کو ایک عجیب دھوکا ہوا ہے اور ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ شیطان ان کو گناہ کی رغبت دیتا ہے اور ساتھ ہی اس کے قوت نور ایمان گناہ سے روکتی ہے جس سے وہ رک جاتا ہے لیکن شیطان تو اس سے بہت زیادہ پڑھا ہوا ہے وہ جب دیکھتا ہے کہ اس طور سے میرا قابو نہیں چلتا تو وہ گناہ کے اندر ایک دینی مصلحت بتاتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ اگر تم نے یہ گناہ نہ کیا تو ہمیشہ تمہارے دل میں یہ کانٹا سا کھٹکتا رہے گا اور اگر ایک دفعہ دل بھر کر کر لو گے تو دل میں سے اس کا وسوسہ جاتا رہے گا۔ بس اس سے فراغت ہو جائے گی۔ اس میں بڑے بڑے سمجھدار لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں لیکن مومن کامل کو اللہ تعالیٰ نے ایک نور عطا فرمایا ہے کہ وہ اس کے لاکھوں تار و پود کو اس نور کے ذریعہ سے توڑ پھوڑ دیتا ہے (چنانچہ عنقریب اس مغالطہ کا حل آتا ہے) اسی واسطے تو حدیث شریف میں آیا ہے۔ فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد۔ یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ گراں ہے کسی نے اس مضمون کو نظم بھی کر دیا ہے۔

فان فقیها واحدا متورعاً
اشد علی الشیطان من الف عابد

یہ غلطی ہے جو اہل سلوک کو ہوتی ہے اور اہل سلوک کو جو غلطی ہوتی ہے درحاصل غلطی وہی ہے اور وہ بہت سخت ہوتی ہے اسی واسطے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ تم کو تو گناہ سے اندیشہ ہے اور ہم کو کفر سے اندیشہ ہے۔ بڑا خطرناک راستہ ہے۔ بس عافیت اس میں ہے کہ اس میں اپنی رائے کو دخل نہ دے۔ اور کاملیت بید الغسال بدست محقق ہو کر رہے۔ شیخ شیرازی اس مضمون کو فرماتے ہیں۔

اگر مرد عشقی گم خویش گیر
وگرنہ رہ عافیت پیش گیر

یعنی اگر مرد عشق ہو تو اپنے کو گم کردو۔ یعنی اپنی رائے کو دخل نہ دو۔ بلکہ یہ مشرب اختیار کرو۔

فکر خود ورائے خود در عالم رندی نیست
کفر ست دریں مذہب خود بینی وخودرائی

جیسے اس شخص نے خودرائی کی کہ شریعت تو حکم کررہی ہے۔ لا تقربوا الزنا۔ یہ اپنی رائے سے کہتا ہے کہ میں زنا سے جب بچ سکوں گا۔ جب جی کھول کر پانچ چھ مرتبہ زنا کرلوں گا اور اس احمق کو اتنی خبر نہیں کہ مرض کو اس سے اور زیادہ قوت ہوگی۔

جیسے کسی شاعر کا شعر ہے۔

کنارہ بوس سے روتا ہوا عشق
مرض بڑھتا رہا جوں جوں دوا کی

یہ بیوقوف تو سمجھتا ہے کہ درخت میں پانی دینے سے اس کی جڑ نرم اور کمزور ہو جائے گی۔ پھر اس کو سہولت سے باہر نکال لوں گا مگر وہ پانی دینے سے اور زیادہ نیچے کو دھنستی اور زور پکڑ جاتی ہے۔ گناہ کرنے کے بعد اس کو قلب خالی معلوم ہوتا ہے اور خبر نہیں کہ وہ گناہ پہلے حوالی قلب میں تھا۔ اس لئے اس کو محسوس ہوتا تھا اور اب عروق کے اندر پیوست ہو گیا۔ اس وجہ سے اس کو محسوس نہیں ہوتا اور وقت پر بہ نسبت سابق کے بہت زور کے ساتھ برآمد ہوگا اور نہیں سمجھتا کہ اب تو اس کا استیصال سہل ہے اور پھر مشکل ہوگا۔ بقول شیخ شیرازی۔

سرچشمہ شاید گرفتن بمیل
چو پُر شد نشاید گذشتن بہ پیل
درختے کہ اکنوں گرفتست پائے
بہ نیروے شخصے بر آید زجائے
وگر همچناں روز گارے هلی
بگردونش ازبیخ برنگلی

عود بہ تفسیر آیۃ کریمہ:

الحاصل گناہ ایسی شے ہے خواہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ اس سے قلب میں ایک روگ پیدا ہو جاتا ہے۔ پس ارشاد ہے کہ قرآن مجید ایسی موعظت ہے کہ اگر اس پر عمل کرو گے تو وہ دلوں کے روگ کے لئے باعث شفا ہوگا۔ اور تیسری صفت قرآن مجید کی ہدیٰ ارشاد فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نیک راہ کا بتلانے والا ہے چوتھی صفت رحمت بطور ثمر ہدیٰ کے فرمائی ہے۔ یعنی نتیجہ اور ثمرہ اس

عمل کرنے کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوگی۔ پس قرآن میں مذکورہ بالا صفات کو جمع کردیا ہے اور للمومنین کی قید اس لئے لگائی ہے کہ گو مخاطب تو اس کے سب ہیں۔ لیکن منتفع اس سے مومنین ہی ہوتے ہیں۔ اب اس آیت کے بعد بطور تفریع ارشاد ہے۔ قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون۔ یعنی اے محمد ﷺ آپ فرمادیجئے کہ اللہ کے فضل اور رحمت ہی کے ساتھ بس صرف چاہئے کہ خوش ہوں۔ (اس لئے کہ) وہ بہتر ہے اس شے سے کہ جس کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔ یعنی متاع دنیا سے یہ بہتر ہے اور عجیب بلاغت ہے کہ پہلے مضمون کا تو حق تعالیٰ نے خود اپنی طرف سے خطاب فرمایا چنانچہ ارشاد ہے۔ یا ایھا الناس الخ اور اس دوسرے مضمون کی نسبت حضور ﷺ کو حکم دیا کہ آپ کہئے۔ اس میں ایک عجیب نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ طبعی بات ہے کہ احکام یعنی امرونہی انسان کو ناگوار اور گراں ہوتے ہیں۔ اس لئے احکام تو خود ارشاد فرمائے۔ تاکہ حضور ﷺ کی محبوبیت محفوظ رہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کے ساتھ فرحت کے امر کو حضور ﷺ کے سپرد فرمایا کہ اس سے حضور ﷺ کے ساتھ اور زیادہ محبت مخلوق کو بڑھے۔ باقی اس سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ بہت جگہ حضور ﷺ کو بھی احکام پہنچانے کا حکم ہے اس لئے کہ یہ نکتہ اس مقام کے متعلق ہے اور دوسری جگہ دوسرا نکتہ اور حکمت ہوسکتی ہے۔ بہرحال دو چیز پر خوش ہونے کا حکم ہے۔ فضل اور رحمت اور یہ فضل بھی رحمت ہی کے افراد میں سے ہے۔ صرف فرق اس قدر ہے کہ فضل کے اندر معنی زیادتی کے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ رحمت بمعنی مہربانی کے دو مرتبہ ہیں ایک نفس مہربانی اور ایک زائد۔ یا یوں کہو کہ ایک وہ مرتبہ جس کا بندہ بحیثیت جزاء کے اپنے کو مستحق سمجھتا ہے اور ایک زائد۔ اگرچہ پہلے مرتبہ رحمت کا اپنے کو مستحق سمجھنا بندہ کی جہالت ہے اور وجہ اس زعم استحقاق کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر ہر شخص کو ایک ناز ہوتا ہے۔

ہم لوگوں میں نیاز کی شان نہیں ناز ہی ہے اور وہ بے محل ہے:

بلکہ اگر غور کیا جائے تو ہم لوگوں میں ناز ہی کی شان رہ گئی ہے نیاز بالکل نہیں رہا۔ اس لئے کہ اگر نیاز ہوتا تو ہم سے نافرمانی نہ ہوتی۔ دیکھئے کہ حکام دنیا کے ساتھ نیاز ہے اس لئے ان کی نافرمانی نہیں کرتے۔ نہ ان پر نخرے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ بالعکس ہے۔ جس کا زیادہ سبب یہ ہے کہ رحمت ہی کی انتہا ہے حتیٰ کہ فوری سزا نہیں دیجاتی۔ سو جس قدر رحمت بڑھتی جاتی ہے۔ اس رحمت وعنایت کو معلوم کرکے اسی قدر اعراض ان حضرات کا زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے۔ جیسے ایک گدھا ہمیشہ کسی کے کھیت میں گھس جایا کرتا تھا ایک روز کھیت والے نے اس کے کان میں کہہ دیا کہ مجھ کو تجھ سے محبت ہے۔ اس روز سے اس نے وہاں آنا چھوڑ دیا۔ پس اسی طرح حق تعالیٰ کی اس قدر عطایا اور بے انتہا رحمتیں ہیں کہ ہم لوگوں کو ناز ہو گیا اور اپنی

جہالت سے یہ سمجھ گئے کہ ہم بھی محبوب ہیں۔ بس لگے نخرے بگھارنے مگر چونکہ ناز کی لیاقت نہیں ایسے ناز کا انجام بجز ہلاکت کے کیا ہوگا۔ جیسے کسی بیوقوف نے ایک سپاہی کو دیکھا کہ وہ اپنے گھوڑے کو دانہ کھلا رہا ہے۔ اور وہ گھوڑا کبھی ادھر منہ کر لیتا ہے۔ کبھی اُدھر منہ پھیرتا ہے۔ اور یہ شخص جس طرف وہ منہ کرتا ہے۔ اسی طرف دانہ لے جاتا ہے اور کبھی اس کی پیٹھ سہلاتا ہے اور کبھی منہ پر ہاتھ پھیرتا ہے اور کہتا جاتا ہے کہ بیٹا کھاؤ۔ اس بیوقوف نے جب یہ دیکھا تو اپنے دل میں کہا کہ مجھ سے تو یہ گھوڑا ہی بہتر ہے میری بیوی تو مجھ کو بڑی ذلت سے روٹی دیتی ہے آج سے گھوڑا بننا چاہئے۔ یہ سوچ کر گھر پہنچے۔

نازیبا کا انجام ہلاکت ہے مع ایک حکایت تمثیلہ:

اور بیوی سے کہا کہ آج تو ہم گھوڑے بنیں گے وہ بھی بڑی شوخ تھی اس نے کہا کہ میری بلا سے آپ گھوڑے بنیں یا گدھے اس شخص نے کہا کہ میں گھوڑا بنتا ہوں تم میری پیٹھ سہلانا اور دانہ میرے سامنے لانا اور یہ کہنا کہ بیٹا کھاؤ میں ادھر اُدھر منہ پھیروں گا۔ غرض یہ الو کی دم گھوڑے کی طرح کھڑا ہوا بیوی صاحبہ بھی عقلمند تھیں ایک چادر جھول کی بجائے اس پر ڈالی اور گاڑی بچاڑی اس کی باندھ دی اور دم کی جگہ جھاڑو لگا دی۔ اور دانہ سامنے لائی اور کہا بیٹا کھاؤ۔ رات کا وقت تھا اور اتفاق سے چراغ پیچھے رکھا تھا۔ جب اس نے ادھر اُدھر منہ پھیرا اور دولتیاں چلائیں چراغ کی لو جھاڑو میں لگ گئی اور آگ بھڑک اٹھی۔ بدحواسی میں یہ تو خیال نہ رہا کہ رسیاں کھول دے شور مچا دیا کہ لوگو دوڑو میرا گھوڑا جل گیا محلہ والوں نے جانا کہ یہ پاگل یا مسخری ہے اس کے یہاں گھوڑا کہاں یہ یوں ہی بیہودہ بکتی ہے۔ غرض وہ گھوڑے صاحب وہاں ہی جل بھن کر خاک سیہ ہو گئے۔ یہ انجام ہوتا ہے ایسے نخرے اور ناز کا۔ صاحبو ناز کے لئے صورت بھی تو بنوالو۔ جب ناز زیبا ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ناز را روئے بباید ہمچو ورد
چوں نہ داری گرد بدخولی مگرد
زشت باشد روئے نازیبا وناز
عیب باشد چشم نابینا وباز

ہمارا کیا ناز ہم کو تو نیاز چاہئے لیکن حق تعالیٰ کے کرم اور رحمت بے انتہا سے ہم لوگوں کی عادتیں بگڑ گئی ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ جس قدر رحمت ہوتی شرماتے۔ اور تضرع و نیاز زیادہ ہوتی۔ مگر یہاں بالعکس ہے اس لئے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ کو یہ کہا جائے مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ یعنی کس شے نے دھوکہ میں ڈالا تجھکو اپنے رب کریم کے ساتھ تو میں جواب دوں گا قَدْ

غَرَّنِیْ كَرَمُكَ یعنی آپ کے کرم نے مغرور کر دیا۔ یعنی میں خلاف مقتضائے کرم اس کرم پر مغرور ہو گیا۔ مقصود یہ ہے اور اس کو عذر گردانا مقصود نہیں۔ پس یہ سارا ناز اس وجہ سے ہے کہ حق تعالیٰ کی عطایا زائد ہیں اور مواخذات کم ہیں اور اگر یہ ہوتا کہ جب گناہ کرتے تو غیب سے ایک چپت لگتا تو تمام ناز ایک طرف رکھا رہ جاتا اور کبھی گناہ نہ ہوتا۔ (مطلب یہ ہے کہ سزا کا ہم کو صاف علم ہوتا کہ یہ گناہ کی سزا ہے اور اسباب ظاہرہ کے ساتھ اس کا تعلق یہ جانتے ورنہ گناہوں پر تو مصائب وحوادث آفاقی وانفسی سے نہایت لطیف انداز سے سزا ہوتی ہے اور بہت سے معاف بھی ہو جاتے ہیں مگر ہم کو اپنی جہالت اور اسباب پرستی کیوجہ سے اس کا احساس نہیں ہے اور اگر تھوڑے غور وفکر سے کام لیں تو اس کا ادراک کالشمس فی نصف النہار ہونے لگے اور یہ سزا ہونا بھی عین رحمت ہے۔) چنانچہ بعض بزرگوں کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا بھی ہے۔ ایک بزرگ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور نہایت خوف زدہ تھے اور یہ کہتے جاتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ کی کیا حالت۔ انہوں نے فرمایا کہ طواف کرتے ہوئے میں نے ایک لڑکے کو نظر بد سے دیکھ لیا تھا۔ غیب سے میری آنکھ پر ایک ایسا زور سے چپت لگا کہ میری آنکھ پھوٹ گئی۔ اور یہ ارشاد ہوا۔ ان عدتم عدنا۔ یعنی اگر تم پھر کرو گے تو ہم پھر بھی سزا دیں گے۔

حق تعالیٰ پر اس نازیبا کی وجہ وعلت مع حکایات:

غرض حق تعالیٰ پر ایسا ناز ہے کہ اس کی وجہ سے ہر شخص اپنے کو کسی نہ کسی رحمت کے حصہ کا مستحق سمجھتا ہے۔ چنانچہ اتنا تو ضروری جانتا ہے کہ مجھ کو کھانے پہننے کو ملے اور اگر اس میں کچھ کمی ہوتی ہے تو شکایت کرتا ہے اور اگر یہ شخص اپنے کو مستحق نہ جانتا تو شکایت نہ کرتا۔ اس لئے کہ شکایت اسی کی کیا کرتے ہیں جس پر حق سمجھتے ہیں ایک گنوار کا بیٹا مر گیا تھا آپ کہتے ہیں کہ میرے بیٹے کو تو مار دیا اور عیسیٰ علیہ السلام جو ذرا نام لگ گیا تھا تو اس کو گود میں اٹھا لیا مگر اللہ اکبر کیا رحمت ہے سب کچھ سنتے ہیں اور کچھ سزا نہیں دیتے اور دوسری مثال لیجئے۔ دیکھئے اگر کسی کو دس روپے ماہوار ملتے ہیں۔ تو ان پر تو شکر نہیں کرتا اور اگر کہیں سے زائد مل جائے تو اس کو رحمت حق تعالیٰ کی جانتا ہے۔ اس پر شکر کرتا ہے یہ صاف دلیل ہے اس کی کہ ان دس روپیہ کا اپنے کو مستحق جانتا ہے ایک جاہل اکھڑ کے سامنے کسی نے دال روٹی کھائی اور کھا کر کہا الحمد للہ۔ اے اللہ تیرا شکر ہے تو بیوقوف کہتا ہے کہ تو بہ ایسے ہی لوگوں نے اللہ میاں کی عادت بگاڑ دی کہ دال روٹی کھا کر شکر کرتے ہیں۔ بس وہ دال کو دال روٹی ہی دیتے ہیں۔ ہم تو بدوں بکرے کے بھی شکر نہیں کرتے۔ بس ہم کو وہ بکرے دیتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ بہر حال ہر شخص اپنے کو کسی نہ کسی حصہ رحمت کا مستحق سمجھتا ہے۔ حالانکہ یہ غلطی ہے

اگر کوئی شخص ایسا جانتا ہو جیسا کہ طرز معاملہ سے معلوم ہوتا ہے تو اس کو اس غلطی کی اصلاح کرنی چاہئے اس لئے کہ اس کا تعلق عقیدہ سے ہے۔

معتزلہ کی غلطی اس مسئلہ میں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اپنا حق سمجھتے ہیں۔ مع جواب:

معتزلہ کو بھی اس مسئلہ میں غلطی ہوئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہمارا حق ہے اور ان کو یہ دھوکا ہوا ہے قرآن شریف کی بعض آیتوں کو نہ سمجھنے سے۔ چنانچہ ارشاد ہے وکان حقا علینا نصر المومنین یعنی مومنین کی نصرت ہم پر حق ہے اس آیت اور اس کے ہم معنی اور آیات سے معتزلہ نے یہ سمجھا کہ حق تعالیٰ کے ذمہ بندوں کا حق ہے لیکن اہل سنت سمجھ گئے کہ یہ دھوکا ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ غنی بالذات اور لا یسئل عما یفعل ان کی صفت ہے۔ ان پر کسی کا حق نہیں ہو سکتا جس کے ساتھ جو معاملہ چاہیں کریں وہ سب مستحسن ہے اور معنی ان آیات کے یہ ہیں کہ اس صیغہ سے ہم کو نصرت وغیرہ کا یقین دلایا گیا ہے۔ اس کو وعدہ تفضل کہتے ہیں جیسے کوئی حاکم کسی امیدوار سے کہے کہ اب تم یقین رکھو اب ہم نے تمہارا یہ کام ضروری سمجھ لیا ہے تو وہ امیدوار سائل جانتا ہے کہ یہ حکم کی مہربانی ہے ورنہ کرنا نہ کرنا دونوں قانوناً ان کے اختیار میں ہے۔ ان کے ذمہ لازم نہیں۔

اس آیت میں رحمت اور فضل سے قرآن مجید مراد ہے:

خلاصہ یہ ہے کہ رحمت کے دو درجے ہیں ایک کا تعلق تو اس کی ضروریات سے ہے جس کا اپنے کو مستحق سمجھتا ہے اس درجہ کو رحمت فرمایا اور دوسرا زائد اس کو فضل سے تعبیر فرمایا اور آیت کے الفاظ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مراد رحمت و فضل سے قرآن مجید ہے اور اس میں بھی یہی دو درجے ہیں ایک وہ درجہ جو مدار ہماری نجات کا ہے۔ وہ تو ضرورت کا مرتبہ ہے۔ ایک وہ جو اس سے زائد ہے بہر حال دونوں سے مراد قرآن مجید ہے اور اس پر خوش ہونے کا امر ہے۔ یہ تفسیر اور گفتگو تو الفاظ آیت کے خصوصیت میں نظر کرنے کے اعتبار سے تھی۔

دوسری آیت میں رحمت اور فضل سے کیا مراد ہے:

اب قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر دیکھنا چاہئے کہ ان دونوں لفظوں سے کیا مراد ہے تو جاننا چاہئے کہ قرآن مجید میں یہ دونوں لفظ بکثرت آئے ہیں کہیں دونوں سے ایک معنی مراد

ہیں کہیں جدا جدا چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لکنتم من الخسرین. یہاں اکثر مفسرین کے نزدیک فضل اور رحمت سے حضور کا وجود باجود مراد ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطن الا قلیلا یہاں بھی بقول اکثر مفسرین حضور ہی مراد ہیں ایک مقام پر ارشاد ہے۔ ولولا فضل اللہ علیک ورحمتہ لھمت طائفۃ منھم ان یضلوک۔ یہاں مراد فضل اور رحمۃ سے قرآن مجید ہے اور بعض آیات میں فضل سے مراد رحمت دنیوی اور رحمت سے رحمت دینی مراد ہے۔ چنانچہ فضل بمعنی رزق ونفع دنیوی قرآن مجید میں آیا ہے چنانچہ ارشاد ہے لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم یہاں فضل سے مراد تجارت ہے اس لئے کہ یہ آیت حج کے موقع کی ہے۔ بعض لوگ مال تجارت حج کے سفر میں ساتھ لے جانے کو مکروہ جانتے تھے ان کو ارشاد ہے کہ اس میں کچھ گناہ نہیں کہ تم (حج میں) اپنے رب کا فضل طلب کرو حدیث شریف میں بھی رحمۃ سے رحمت دینی اور فضل سے رحمت دنیوی یعنی رزق یا اسباب رزق مراد ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو تو یہ کہو۔ اللّٰھم افتح لنا ابواب رحمتك یہاں رحمت سے رحمت دینی مراد ہے۔ اس لئے کہ مسجد میں وہی مطلوب ہے اور جب مسجد سے نکلو تو یہ کہو اللھم افتح لنا ابواب فضلك اس لئے کہ مسجد سے باہر جا کر تحصیل معاش میں لگ جاتے ہیں۔ تو وہاں اس کی طلب ہے اور لیجئے سورۂ جمعہ میں ارشاد ہے فاذا قضیت الصّلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ۔ یہاں فضل سے مراد رزق ہے پس مجموعہ تمام تفاسیر کا دنیوی رحمتیں اور دینی رحمتیں ہوا۔

آیہ کریمہ صدر وعظ میں فضل اور رحمت سے مراد حضور ﷺ کی ذات بابرکات ہے:

اس مقام پر ہر چند کہ آیت کے سیاق پر نظر کرنے کے اعتبار سے قرآن مجید مراد ہے لیکن اگر ایسے معنی عام مراد لے جائیں کہ قرآن مجید بھی اس کا ایک فرد رہے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ وہ یہ ہے کہ فضل اور رحمت سے مراد حضور ﷺ کا قدوم مبارک لیا جائے۔ اس تفسیر کے موافق جتنی نعمتیں اور رحمتیں ہیں خواہ وہ دنیوی ہوں یا دینی اور اس میں قرآن بھی ہے۔ سب اس میں داخل ہو جائیں گی۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کا وجود باجود اصل ہے تمام نعمتوں کی اور مادہ ہے تمام رحمتوں اور فضل کا۔ پس یہ تفسیر اجمع التفاسیر ہو جائے گی۔ پس اس تفسیر کی بنا پر حاصل آیت کا یہ ہوگا کہ ہم کو حق تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ حضور ﷺ کے وجود باجود پر خواہ وہ وجود نوری ہو یا ولادت ظاہری اس پر خوش ہونا چاہئے اس لئے کہ حضور ﷺ ہمارے لئے تمام نعمتوں کے واسطہ ہیں۔ حتیٰ کہ ہم کو جو روٹیاں دو

وقت مل رہی ہیں۔ اور عافیت اور تندرستی اور ہمارے علوم یہ سب حضور ﷺ ہی کے بدولت ہیں اور یہ نعمتیں تو وہ ہیں جو عام ہیں اور سب سے بڑی دولت ایمان ہے جس کا حضور ﷺ سے ہم کو پہنچنا بالکل ظاہر ہے۔ غرض اصل الاصول تمام مواد فضل ورحمت کی حضور ﷺ کی ذات بابرکات ہوئی۔ پس ایسی ذات بابرکات کے وجود پر جس قدر بھی خوشی اور فرح ہو کم ہے۔

حضور ﷺ کے وجود باجود پر فرح کا مامور بہ ہونا اور بلاغت آیت قل بفضل اللہ الخ:

بہر حال اس آیت سے عموماً یا خصوصاً یہ ثابت ہوا کہ اس نعمت عظیمہ پر خوش ہونا چاہئے اور ثابت بھی ہوا نہایت ابلغ طرز سے اس لئے کہ اول تو جار مجرور بفضل اللہ کو مقدم لائے کہ جو مفید حصر کو ہے۔ اس کے بعد رحمت پر پھر جار کا اعادہ فرمایا کہ جس سے اس میں استقلال کا حکم پیدا ہوگیا۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کو مزید تاکید کے لئے فَبِذٰلِكَ سے مکرر ذکر فرمایا اور ذٰلِكَ پر جار اور فاء عاطفہ لائے تاکہ اس میں اور زیادہ اہتمام ہو جائے پھر نہایت اہتمام در اہتمام کی غرض سے فَلْيَفْرَحُوْا پر فاء لائے کہ جو مشیر ہے ایک شرط مقدر کی طرف اور وہ ان فرحوا بشئی ہے حاصل یہ ہوا کہ اگر کسی شئے کے ساتھ خوش ہوں تو اللہ ہی کے فضل اور رحمت کے ساتھ پھر اسی کے ساتھ خوش ہوں یعنی اگر دنیا میں کوئی شے خوشی کی ہے تو یہی نعمت ہے۔ اور اس کے سوا کوئی شے قابل خوشی کے نہیں ہے اور اس سے بدلالۃ النص یہ بھی ثابت ہوگیا کہ یہ نعمت تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔ لیکن چونکہ ہم لوگوں کی نظروں میں دنیا اور دنیا ہی کی نعمتیں ہیں اور اسی میں ہم کو انہماک ہے اس لئے اس پر بس نہیں فرمایا۔ آگے اور نعمتوں پر اس کی تفضیل کے لئے صراحتاً ارشاد ہوا۔ ھو خیر مما یجمعون۔ یعنی یہ نعمت ان تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ جن کو لوگ جمع کرتے ہیں یعنی دنیا بھر کی نعمتوں سے یہ نعمت افضل و بہتر ہے پس جس نعمت پر حق تعالیٰ اس شدومد کے ساتھ خوش ہونے کا حکم فرمایں وہ کس طرح خوش ہونے کے قابل نہ ہوگی۔ یہ حاصل ہوا اس آیت کا جو مبنی ہے اس پر کہ فضل اور رحمت سے حضور ﷺ مراد لئے جائیں۔

حضور ﷺ کے وجود باجود پر جو فرح کا امر ہے اس میں مابہ الفرح کیا ہے:

اور دوسرے مقام پر اس سے بھی صاف ارشاد ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی

خوشی کی شے دنیا میں اگر ہے تو حضور ﷺ ہی ہیں۔ اور اس میں باب الفرح یعنی حضور ﷺ کے وجود باجود پر جو خوشی کا امر ہے وہ کس بناء پر اور حیثیت وجہت فرح کی کیا ہے۔ یہ بھی مذکور ہے وہ آیت یہ ہے ارشاد ہے لقد من اللہ علی المؤمنین اذبعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم ایٰتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰلٍ مبین۔ یعنی حق تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا کہ ان میں ایک رسول ان کے جنس سے بھیجا کہ وہ ان پر ان کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور ان کو (ظاہری وباطنی نجاستوں وگندگیوں سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب وحکمت سکھلاتے ہیں اور بیشک وہ اس سے پہلے ایک کھلی گمراہی میں تھے۔ اس آیت میں یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم الخ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اصلی شئی خوشی کی اور مابہ الفرح والمنت یہ ہے کہ حضور ﷺ ہمارے لئے سرمایہ ہدایت ہیں (یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصلی شے خوشی کی اور قابل اعتداد اللہ تعالیٰ کا ہم کو ایمان عطا فرمانا ہے کہ جو محض فضل ہے۔ پس ذلك خیر مما یجمعون سے یہی فضل اور رحمت مراد ہے اور مایجمعون اپنے عموم سے تمام احوال باطنہ کو بھی شامل ہے کہ ان پر بھی سالک کو اگر خوشی ہو تو اسی حیثیت سے ہونا چاہئے کہ فضل ہے اپنے کسب کو مطلق دخیل نہ سمجھے۔) تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضور ﷺ کے متعلق خوش ہونے کی بہت سی چیزیں ہیں۔ مثلاً حضور ﷺ کی ولادت اور حضور ﷺ کی بعثت اور حضور ﷺ کے دیگر تمام حالات مثلاً معراج وغیرہ یہ سب حالات واقعی خوش ہونے کے ہیں لیکن اس حیثیت سے کہ ہمارے لئے یہ مقدمات ہیں ہدایت وسعادت ابدی کے چنانچہ اس سے صاف ظاہر ہے اس لئے کہ بعثت کے ساتھ یہ صفات بھی بڑھائی ہیں۔ یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم الخ پس یہ قاعدۂ بلاغت ثابت ہوتا ہے کہ اصل مابہ المنت یہ صفات ہیں باقی ولادت شریف فی نفسہا یا معراج وہ باعث خوشی زیادہ اسی لئے ہیں کہ مقدمہ ہیں اس دولت عظیمہ کے اس لئے کہ اگر ولادت شریفہ نہ ہوتی تو ہم کو یہ نعمت کیسے ملتی۔

ذکر ولادت شریفہ اور نبوت شریفہ میں بڑا فرق ہے:

اور اسی فرق کی وجہ سے اس آیت میں تو اس مقصود کا ذکر تصریحاً اور قصیداً فرمایا اور دوسری آیت میں حضور ﷺ کے وجود باجود کا ذکر اشارۃً وضمناً فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے لعمرك انھم لفی سکرتھم یعمھون۔ اس میں حضور ﷺ کی بقا اور وجود کو مقسم بہ بنایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قسم میں جواب قسم مقصود ہوتا ہے اور مقسم بہ کو صرف ذکر کیا جاتا ہے اور ایک مقام پر حضور ﷺ کی ولادت شریفہ کو بھی اسی طرح ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد ووالد وما ولد۔ چنانچہ والد کی تفسیر میں بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس کے

مصداق حضور ﷺ کی ذات والا صفات ہے مگر اس اہتمام سے نہیں جیسا کہ آیت لقد من اللہ الخ میں نبوت اور بعثت اور ہدایت اور تزکیہ کو بیان فرمایا ہے۔

نبوت شریفہ پر ولادت شریفہ سے زیادہ خوش ہونا چاہئے:

اور اسی فرق کی وجہ سے فرحت میں بھی تفاوت ہوگا کہ جس قدر ولادت شریفہ پر فرحت ہونا چاہئے اس سے زائد نبوت شریفہ پر ہونا چاہئے۔ اگر ذکر ولادت شریفہ کے لئے مجلس منعقد کی جائے تو ذکر نبوت مبارکہ کے لئے بطریق اولیٰ کی جائے اور اسی طرح ان اہل مجالس کو چاہئے کہ معراج شریف اور فتح مکہ معظمہ اور حضور ﷺ کے غزوات مبارکہ اور ہجرت کی بھی مجالس منعقد کیا کریں اس لئے کہ جیسے ولادت شریفہ حضور ﷺ کا ایک حال ہے۔ اسی طرح یہ بھی تو حضور ﷺ ہی کے حالات ہیں۔ بلکہ بعض ان میں سے ولادت شریفہ سے بڑھ کر ہیں۔

مجالس میلاد مروجہ میں آجکل احکام و مسائل کا ذکر کرنا نامناسب جانتے ہیں:

اگر کوئی کہے کہ آج کل مجلس ولادت شریفہ میں حضور ﷺ کے سب حالات کا اور احکام کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت بس رہنے دیجئے اور حالات ذکر محض بطور خانہ پری کے یا صرف پالا سا چھوانے کے طور پر ہوتا ہے بخلاف ذکر متعلق ولادت شریفہ کے کہ وہ ذکر نور سے لے کر وقت رضاع وغیرہ تک کیا جاتا ہے اور اگر کوئی مولوی نماز روزہ کے احکام مجلس مولود میں بیان کر دیتا ہے تو میں نے اہل مولد میں سے ایک بزرگ سے سنا ہے کہ یہ کہتے تھے کہ لوگوں نے آج کل یہ نئی رسم نکالی ہے کہ وعظ کہتے ہیں نماز روزہ کا اور نام کرتے ہیں ذکر ولادت کا۔

مجلس میلاد میں مجمع کثیر کے اجتماع اور مجلس وعظ میں مجمع قلیل ہونے کی اصلی وجہ:

یہ خیالات ہیں اہل مولد کے حالانکہ حق تعالیٰ کے کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ فرحت کے قابل یہی شے ہے جیسا میں نے پہلی آیت لقد من اللہ الخ کے ذیل میں بیان کیا ہے۔ اب بتلایئے اس پر فرحت کون کرتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ذکر ولادت میں بوجہ اس کے کہ لڑکے خوش الحان گاتے ہیں اور مضامین و روایات بھی اکثر موضوع اور عجیب ہوتی ہیں اور اگر

روایات صحیحہ بھی ہوں تو وہ ایک واقعہ اور قصہ ہے جو طبعاً دلکش ہے اس لئے اس کے سننے میں نفس کو حظ ہوتا ہے اور احکام میں کوئی خاص مزہ نہیں اس لئے کہ اس میں تو یہی ہوگا یہ کرو۔ وہ نہ کرو تو اس میں کیا مزہ آیا۔ حالانکہ اصل سب مزوں کی احکام ہی ہیں ایک مدت تک ان پر التزام کیجئے اور نفس کو خوگر بنایئے پھر اس میں روحانی لطف دیکھئے لیکن اس میں تو لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں اور زہر کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں اس لئے اس سے نفس بھاگتا ہے اور واقعات مولد شریف کے ذکر میں صرف سن لینا ہوتا ہے اس لئے اس میں نفس کو مزہ آتا ہے۔ اسی لئے اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ اسی طرح تصوف کے رنگین مضامین اور عاشقانہ اشعار کی کیفیت ہے چونکہ اس میں افعل لا تفعل نہیں ہے اس لئے خوب مزہ آتا ہے سر ہلتے ہیں بلکہ یہاں تک دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ ان اشعار و مضامین کو سمجھتے بھی نہیں ان کو بھی وجد آتا ہے۔ ایک قوال یہ شعر گا رہا تھا

بگندید مار عشقت جگر کباب مارا

ایک گنوار کو وجد آ گیا۔ اس سے پوچھا کہ تو نے کیا سمجھا جو تجھ کو وجد آیا۔ اس نے کہا کہ یہ یوں کہتا ہے۔ ''ڈگرے کا باپ مارا'' ڈگرا کہتے ہیں ہندی میں نفس کو۔ ہم نے یہاں تک دیکھا ہے کہ ہندوؤں کے یہاں اور رنڈیوں کے یہاں مروج مولد شریف ہوتا ہے کہ اس میں حظ نفس ہے ورنہ ہندوؤں کو اس سے کیا تعلق غرض قرآن مجید سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ زیادہ اہتمام کے قابل نبوت اور بعثت کا ذکر ہے اور ذکر ولادت اگر کہیں آیا ہے تو اشارۃً یا اجمالاً آیا ہے۔

قصہ ولادت عیسیٰ و یحییٰ علیہم السلام مذکورہ قرآن سے شبہ اور اس کا جواب:

اگر کوئی کہے کہ حق تعالیٰ نے سورہ مریم میں یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ مفصلاً بیان فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصہ مولد عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کی تفصیل بیان کرنا بھی قابل خاص اہتمام کے ہے پس اس پر ہم حضور ﷺ کے ذکر ولادت کو بھی قیاس کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ۔

حفظت شیئا وغابت عنك اشياء

آپ نے یہ تو دیکھ لیا کہ ان حضرات کی ولادت کا قصہ اہتمام سے بیان فرمایا ہے مگر یہ نہیں دیکھا کہ کیوں اور کس حیثیت سے ذکر فرمایا۔ ان کے قصہ ولادت کے اہتمام کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی ولادت ایک عجیب طریقہ سے خرق عادت کے طور پر ہوئی ہے یحییٰ علیہ السلام کے ماں باپ تو بوڑھے بہت تھے کہ اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے ان میں صلاحیت ہی توالد و

تناسل کی نہ تھی چنانچہ ارشاد ہے واصلحناله زوجه۔ اس لیے ان کی ولادت عجیب تھی اور عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے ہوئے اس لئے ان کی ولادت اس سے بھی زیادہ عجیب تھی۔ پس حق تعالیٰ نے ان دونوں قصوں سے قدرت اور توحید پر استدلال فرمایا ہے یہ وجہ ہے ان قصوں کے بالاہتمام ذکر کرنے کی اور حضور ﷺ کی ولادت شریفہ عادت کے موافق ہوئی۔ پس اس سے مطلقاً ذکر مولد شریف کی تفصیل کا ذکر نبوت و ہجرت کی برابر کل اہتمام ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

بعض لوگوں کا گمان ہے کہ ولادت نبوی بطریق متعارت نہیں ہوئی:

مگر آجکل بعض لوگوں نے خود اس مقدمہ میں بھی کلام شروع کیا ہے کہ آپ کی ولادت شریفہ بطریق متعارفہ ہوئی ہے چنانچہ ایک شخص کا میرے پاس خط آیا تھا اس میں پوچھا تھا کہ کیا حضور ﷺ بھی اپنی والدہ شریفہ کے بطن سے اسی طرح پیدا ہوئے جیسے اور آدمی ہوتے ہیں اور کسی کا قول نقل کیا تھا کہ ران سے پیدا ہوئے ہیں اس لئے حضور ﷺ کی شان اس سے ارفع ہے کہ محل غیر طاہر سے پیدا ہوں اور پوچھا تھا کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ طریق معہود سے پیدا ہوئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ان سائلوں کو ایسے امور کے پوچھنے سے شرم نہیں آتی بہت بے حیائی اور بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے۔ میرا جی تو چاہتا نہ تھا کہ اس خط کا جواب لکھوں۔ لیکن طوعاً و کرہاً لکھتا تا کہ ان مخالفین کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ اہل حق کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

دلیل اس امر کی حضور ﷺ کی ولادت شریفہ بطریق معہودہ ہوئی ہے:

میں نے جواب میں یہ لکھا کہ روایات میں حضور ﷺ کی ولادت کے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں۔ ولد النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ اور یہ مقدمہ مسلمہ ہے کہ جب تک مجاز کے قرائن نہ ہوں تو الفاظ اپنے حقائق پر محمول ہوتے ہیں۔ یعنی جب تک معنی حقیقی بن سکیں۔ مجاز کی طرف رجوع نہ کیا جائے گا۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ علامت حقیقت کی تبادر الی الفهم عند الخلو عن القرائن ہے۔ پس ان سب مقدمات سے ولد میں ولادت سے طریق معہودہی سے پیدا ہونا مراد لیا جائے گا۔ یہ دلیل ہے اس کی کہ حضور ﷺ بھی اسی طریق سے دنیا میں تشریف لائے ہیں اب لوگ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ولادت شریفہ کو عجیب طریقہ سے ثابت کریں اور

عادت معروفہ کے موافق پیدا ہونے کو قدح جانتے ہیں۔ حالانکہ اقرب الی الحکمۃ آپ کی شان کے اعتبار سے یہی ہے کہ جس طرح عادۃ اللہ جاری ہے آپ اسی طرح پیدا ہوں۔

حضور ﷺ کی ولادت بطریق متعارف ہونے کی حکمت:

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ امر مسلّم ہے کہ آدمی کو زیادہ انس اس شے سے ہوتا ہے جس سے کچھ مناسبت ہو اور جس قدر مناسبت زیادہ ہوگی۔ انس زیادہ ہوگا اور جس قدر مناسبت کم ہوگی اسی قدر اس سے توحش بڑھے گا اسی واسطے آدمی کو اپنے ہم جنس کی طرف زیادہ میلان ہوتا ہے اور جانوروں کی طرف کم ہے اور جنوں سے اور بھی کم بلکہ توحش ہے اور اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام سب آدمی ہوئے ہیں۔ فرشتوں کو نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے۔ اس لئے کہ ان سے آدمیوں کو توحش ہوتا اور جب توحش ہوتا تو افادہ اور استفادہ ممکن نہیں اس لئے سب رسول آدمی ہوئے ہیں جب یہ امر سمجھ میں آگیا تو اس کے بعد سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ حضور ﷺ کو محبوبیت کاملہ عطا فرما دیں اور کسی کو ذرہ برابر بھی حضور ﷺ سے توحش نہ ہو پس اس لئے بجز معجزات کے حضور ﷺ کی اور کوئی حالت ولادت وغیرہ بھی معمول کے خلاف نہیں بنائی اس لئے کہ اگر عادت جاریہ کے ذرا خلاف بھی کوئی بات ہوتی تو مناسبت میں اور پھر اس کے سبب انس میں کمی ضرور ہو جاتی۔ پس ولادت بھی حضور ﷺ کی کسی نئے طرز سے نہیں ہوئی۔ اور یہی آپ کی شان محبوبیت وافادہ کے لئے مناسب ہے اور اس کے خلاف کو ثابت کرنا اس حکمت کو نظر انداز کرنا ہے۔

حضور ﷺ کے جملہ کمالات نہایت لطیف ہیں:

بلکہ یہ حکمت یہاں تک مرعی رکھی گئی ہے کہ حضور ﷺ کے اکثر کمالات بھی کہ ان میں معجزات بھی داخل ہیں نہایت لطیف ہیں جن کا عجیب ہونا امعان نظر کو مقتضی ہے حتیٰ کہ قرآن مجید جو حضور ﷺ کا بڑا معجزہ ہے وہ بھی سرسری نظر میں عجیب اور اعجاز کی شان اس میں معلوم نہیں ہوتی اسی واسطے کفار نے کہا تھا۔ لو نشا لقلنا مثل هذا۔ یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام کریں۔ لیکن ان لوگوں نے جب غور کیا اور اپنی انتہائی قوت اس کے مقابلہ میں صرف کر دی تو دانت کھٹے ہوگئے۔ حالانکہ بڑے فصیح اور بلیغ تھے لیکن ایک سورت بھی ایسی نہ لا سکے باوجود اس کے کہ حق تعالیٰ نے ان کو جوش دلانے کے لئے علی الاعلان فرمایا۔ فأتو بسورة من مثله یعنی لے آؤ کوئی سورت اس جیسی اس کے بعد ان کے عجز کو بھی خود فرمایا۔ ولن تفعلو ا یعنی تم ہرگز ایسی سورت نہ لاسکو گے اس کو سن کر اہل عرب کو کیسا کچھ جوش آیا ہوگا۔ اور کس قدر بل کھائے ہوں گے لیکن مقابلہ نہیں کر سکے اور اسی پر اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ آگے ارشاد ہے فاتقوا النار التی وقودها الناس

والحجارة اعدت للکفرین۔ یعنی اگر تم اس کا مثل نہ لاسکو تو اس آگ سے بچتے رہو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ غرض یہ معجزہ بھی نہایت غامض اور لطیف ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کی ہر شان اور کمال ایسا ہی لطیف ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔

یزیدك وجهه حسناً
اذا مازدته نظراً

یعنی محبوب کا چہرہ تیرے لئے حسن کو بڑھا دیتا ہے۔ جب تو اس پر نظر زیادہ کرتا ہے۔ چنانچہ بعضوں کا حسن تو ایسا ہوتا ہے کہ دور سے وہ اچھے معلوم ہوتے ہیں، لیکن پاس سے دیکھو تو کچھ بھی نہیں جیسے شیخ شیرازی فرماتے ہیں۔

بس قامت خوش که زیر چادر باشد
چوں باز کنی مادر مادر باشد

اور بعضے دور سے اور سرسری نظر میں معمولی معلوم ہوتے ہیں لیکن جس قدر غور کرو خوبیاں معلوم ہوتی جاتی ہیں حضور ﷺ کے کمالات بھی ایسے ہی ہیں کہ ان میں سادگی تو اس درجہ ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔

دلفریبان نباتی همه زیور بستند
دلبر ماست که باحسن خدا داد آمد

اور نظر تامل کے بعد دلربائی کی یہ حالت ہے۔

زفرق تابه قدم هر کجا که می نگرم
کرشمه دامن دل می کشد که جا اینجاست

پس ولادت بھی حضور ﷺ کی کسی عجیب طریقہ سے نہیں ہوئی اور ولادت عیسویہ نہایت عجیب طریقہ سے ہوئی اور چونکہ اس سے توحید پر استدلال مقصود ہے اس لئے اس کو اہتمام سے بیان بھی فرمایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ مدار سنت اور فرحت کا شان یتلوا علیهم ایاته ویز کیهم الخ کی ہے اور ولادت شریفہ اور نشوونما کے واقعات کی خوشی بھی اسی واسطے ہے کہ وہ واسطہ ہے اس دولت کی تحصیل کا خوب کہا ہے۔

آن روز که مه شدی نمی دانستی
کانگشت نمائے عالمے خواهی شد

پس اصل میں تو مقصود حالت ہدیت کی ہے لیکن ہلالیت کی خوشی بھی اسی واسطے ہے کہ وہ ذریعہ ہدریت کا ہے پس اصل سرور تو اس کا ہے کہ ہم کو حضور ﷺ نے بڑی نعمت عطا فرمائی۔ باقی اس کے جس قدر اسباب ہیں وہ چونکہ اس کے وسائط ہیں اس لئے ان سے بھی خوشی ہے۔

چند ابیات مثنوی مولانا رومیؒ مع شرح:

اسی فرح کو مولانا رومی اپنی مثنوی شریف میں چند ابیات کے اندر بیان فرماتے ہیں جو گویا حاصل ہے ان آیات کے مفہوم کا ان ابیات کو مع مختصر شرح کے یہاں بیان کیا جاتا ہے پس فرماتے ہیں۔

ایها العشاق اقبالٌ جدید
از جهان کهنه نو در رسید

یعنی اے عشاق مژدہ ہو کہ نیا اقبال چمکا ہے جو ایک پرانے اور نئے جہاں سے پہنچا ہے اقبال جدید سے مراد قرآن مجید ہے اور جدید اس کو کلام لفظی کے اعتبار سے کہا ہے۔ ورنہ کلام نفسی اور صفت آلہیہ کے مرتبہ میں تو وہ قدیم ہے باقی رہی یہ بات کہ کلام لفظی کے اعتبار سے تو اسکی ایک صفت کو ذکر فرمایا اور کلام نفسی کے اعتبار سے کوئی صفت ذکر نہیں کی تو وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم کو جو خطاب ہوا ہے اور ہم کو جو یہ دولت ملی ہے تو اسی لباس یعنی کلام لفظی کے ساتھ ملی ہے۔ پس ہمارے نفع میں یہ شان جدید ہی زیادہ دخیل اور سبب قریب ہوئی۔ گو فی نفسہ قدیم ہے اور اسی صفت کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ مایاتیهم من ذکر من ربهم محدث الا استمعوه وهم یلعبون اور فرمایا وما یاتیهم من ذکر من الرحمن محدث الا کانوا عنه معرضین اور جہان سے مراد عالم غیب ہے اور کہنہ اس کو اس لئے فرمایا کہ بہت پرانا ہے اور نو اس لئے کہا کہ اس میں تغیر نہیں ہوا۔ الان کما کان اس کی شان ہے اور عالم غیب کی تو یہ شان ہے ہی آسمان جو عالم شہادت سے ہے مگر بوجہ مقتضائے عالم شہادت ہونے کے اس کو عالم غیب سے کچھ قرب ہے۔ خود اس کی بھی یہ حالت ہے کہ باوجود اس کے کہ کس قدر پرانا ہے۔ لیکن اس میں کچھ تغیر نہیں ہے چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ ماتری فی خلق الرحمٰن من تفاوت فارجع البصر هل تری من فطور۔ یعنی اے مخاطب تو اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی شے میں (آسمان مراد ہے) کوئی تفاوت نہ دیکھے گا (اگر کچھ شک ہے) پس نگاہ اٹھا کر دیکھ کیا کہیں کوئی رخنہ دیکھتے ہو۔ آگے مکرر تاکید کے لئے اور نیز اس لئے کہ شاید ہماری خاطر سے کہہ دو کہ نہیں کوئی فرق نہیں اس لئے ارشاد ہے ثم ارجع البصر کرتین۔ یعنی پھر بار بار نظر دوڑاؤ۔ آگے اس کا نتیجہ ارشاد ہے کہ ینقلب الیك البصر خاسئا وهو حسیر۔ یعنی ہم پیشنگوئی کرتے ہیں کہ تمہاری نگاہ پھر پھرا کر تمہارے پاس تھکی تھکائی واپس آ جائے گی اور کہیں کوئی عیب نہ پائے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ مولانا ارشاد فرماتے ہیں کہ اے حق تعالیٰ کے طالبو۔ اے حق کے شیدائیو۔ اے مدتوں سے وادیٔ ضلال میں بھٹکنے والو خوش ہو جاؤ تمہارے اقبال کا ستارہ چمکا ہے یعنی عالم غیب

سے قرآن مجید نازل ہوا ہے کہ راہ حق کی طرف ہادی ہے آگے فرماتے ہیں۔

زاں جہان کو چارہ بیچارہ جوست
صد ہزاراں نادرہ عالم دردست

زاں جہاں بدل ہے جہان کہنہ سے جو شعر بالا میں ہے۔ یعنی وہ اقبال جدید اس جہاں سے آیا ہے کہ وہ لاعلاج کا چارہ جو ہے اور لاکھوں عجائبات عالم کے اس میں ہیں یعنی جو شخص امراض کفر و شرک وگناہ میں مبتلا ہو کر لاعلاج ہو گیا ہو اور اس جہاں کے اطبا نے اس کو جواب دے دیا ہو تو اس کا علاج اس جہان سے ہوتا ہے چنانچہ قبل از بعثت مشرکین اور کفار ایسے امراض میں مبتلا تھے کہ وہ لاعلاج ہو چکے تھے۔ قلوب مسخ ہو چکے تھے۔ شر کو خیر اور خیر کو شر جانتے تھے۔ ہزاروں رسوم جہالت کی ان میں وباء عام کی طرح پھیلی ہوئی تھیں کہ دفعتاً اقبال جدید کا ستارہ چمکا اور اس نے ایسا نور ڈالا کہ سب کا علاج ہو گیا الامن شاء اللہ۔ اور اگر ایسی زبردست روشنی ان پر نور افشاں نہ ہوتی تو ان کی درستی کی بالکل امید نہ تھی۔ چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں۔ لم یکن الذین کفروا من اہل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیھم البینة رسول من اللہ یتلوا صحفا مطھرة فیھا کتب قیمة یعنی کفار اہل کتاب ومشرکین اپنی گمراہی سے جدا ہونے والے نہ تھے جب تک ان کے پاس ایک روشن دلیل نہ آ جائے وہ دلیل ایک ایسا رسول ہے جو اللہ کی جانب سے ہے جو پاکیزہ صحیفے پڑھے۔ جس میں راست راست مضامین لکھے ہوئے ہوں دوسرے مصرعہ کا حاصل یہ ہے کہ اس جہان میں عالم کے بے شمار عجائب ہیں۔ چنانچہ دوزخ وہاں موجود ہے جس سے ہولناک اور عجائبات اور واقعات کی کسی قدر حکایت احادیث میں آئی ہے اور جنت وہاں موجود ہے جس کے بے شمار اور بیرون از عقل وقیاس نعمتوں کی خبر اللہ ورسول نے دی ہے اسی طرح عالم ارواح اور صراط اور میزان وہاں موجود ہیں۔ اور ان چیزوں کے عجیب ہونے میں کوئی شک نہیں چنانچہ اسی وجہ سے ملاحدہ اور فلاسفہ نے ان کے وجود ہی سے انکار کر دیا ہے آگے ارشاد ہے۔

ابشروا یا قوم اذجاء الفرج
افرحوا یا قوم اذزال الحرج

یعنی اے میری قوم خوش ہو جاؤ اس لئے کہ کشادگی آ گئی۔ اور اے قوم خوش ہو جاؤ اس لئے کہ تنگی جاتی رہی۔ مطلب ظاہر ہے قال رحمة اللہ علیہ۔

آفتابے رفت درکازہ ہلال
درتقاضا کہ ارحنا یا بلال

بلال صحابی ہیں مولانا نے ان کی حکایت بیان کی ہے وہ ایک اصطبل میں سائیس تھے وہ

بیمار ہو گئے تھے حضورﷺ ان کی عیادت کو وہاں ہی تشریف لے گئے تھے۔ حضورﷺ کی فیض رسانی کو مولانا بیان فرماتے ہیں کہ اور فیض رساں تو ایسے ہوتے ہیں کہ طالبین ان کے دروازہ پر جاتے ہیں حضورﷺ کے اخلاق ایسے تھے کہ ظاہر حال کے اعتبار سے ایک شکستہ حال کے یہاں آپ خود تشریف لے گئے حافظ شیرازی رحمة ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

مبیں حقیر گدایان عشق راکیں قوم
شہان بے کمرو خسروان بے کلہ اند

ایسے ہی حضرات کے بارہ میں حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ رُبَّ اشعث اغبر مدفوع بالا بواب لواقسم علی اللہ لا برہ یعنی بہت سے پراگندہ بال غبار آلودہ دروازوں سے دھکے دیے ہوئے اور حالت ان کی یہ ہے کہ اگر اللہ پر کسی بات کے متعلق قسم کھائیں۔ یعنی قسم کھا کر یہ کہہ دیں کہ اللہ ایسا ہی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم میں سچ کر دیں اسی شان کو فرمایا ہے حافظ شیرازی رحمة اللہ علیہ نے۔

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں
کہ ناز برفلک وحکم بر ستارہ کنم

اور فلک اور ستارہ پر ناز کیا تعجب ہے جب وہ حضرات خالق فلک وستارہ پر ناز کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کی سطوت وشوکت وقصہ دریائے نیل:

حضرت عمرؓ کی سطوت وشوکت جو قلوب پر تھی اس کو تو سب جانتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی عناصر پر بھی آپ کی حکومت گا ہے بطور کرامت ظاہر ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ زمین کو زلزلہ آیا تو آپ نے فرمایا اسکنی یا ارض یعنی اے زمین ساکن ہو جا۔ زمین فوراً ٹھہر گئی۔ اور سنئے دریائے نیل کی کبھی یہ حالت ہوتی کہ اس کا پانی دفعۃً ٹھہر جاتا تھا اور اس قدر نہ بڑھتا تھا جس سے زراعت کی آب پاشی ہو سکے وہاں کے لوگ یہ کرتے تھے کہ ایک کنواری حسین لڑکی کو اس میں چھوڑ دیتے تھے اس وقت اس کا پانی چڑھ آتا تھا۔ جب مصر فتح ہوا تو لوگوں نے یہ قصہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے جو امیر لشکر تھے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا ایسا ہرگز نہ ہوگا میں اس کی اطلاع امیر المومنین کو کرتا ہوں وہ ضرور اس کا انتظام فرمائیں گے چنانچہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں یہ سب قصہ لکھا آپ نے اسی وقت ایک فرمان دریائے نیل کے نام صادر فرمایا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔ کہ "اے نیل اگر تو خدا کے حکم سے چلتا ہے تو کسی شیطان کے اثر سے

مت رکھ'' اور حضرت عبداللہ کو لکھا کہ یہ پرچہ دریا میں ڈال دینا۔ چنانچہ حسب الارشاد وہ رقعہ دریا میں ڈال دیا۔ دریا اس زور وشور سے چڑھا کہ کبھی اس زور سے نہ بہا تھا۔

عود بشرح ابیات مثنوی شریف:

الغرض حاصل مصرعہ اولیٰ کا یہ ہوا کہ آفتاب فیض یعنی حضور ﷺ حضرت بلال ؓ کی عیادت کے واسطے ان کے مکان پر یعنی اصطبل میں تشریف لے گئے۔ یہ تو حضور ﷺ کا فیض باعتبار ترتیب جسم کے ہوا آگے فیض روحانی وفیض باطنی کا بیان ہے کہ بلال ؓ جو کہ ایک عبد حبشی تھے ان سے آپ نہایت لطف وشفقت سے باتیں کرتے تھے۔ چنانچہ ان سے بتقاضا ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اے بلال ؓ ہم کو راحت دو یعنی اذان کہہ دو تا کہ نماز سے راحت ہو اور نماز واذان کی تعلیم فرمانا ظاہر ہے کہ روحانی فیض رسانی ہے۔ قال رحمۃ اللہ علیہ

زیر لب می گفتی از بیم عدد
بر منارہ رو بگو کوری او

اے بلال ؓ تم مکہ میں زیر لب آہستہ سے دشمن کے خوف سے اللہ کے نام لیتے تھے۔ یعنی کلمۂ توحید بھی کبھی خفیہ کہتے تھے۔ اب مدینہ میں منارہ پر جا کر پکار کر اللہ کا نام لو یعنی اذان کہو اور دشمن کو نامراد بناؤ اور خفیہ کہنے میں بھی کبھی کی قید اس لئے لگائی۔

قصہ حضرت بلال ؓ در ذیل شرح اشعار مثنوی شریف:

کہ ان کی تو یہ حالت منقول ہے کہ یہ ایک یہودی کافر کے غلام تھے اور وہ ان کو تمام دن دھوپ میں گرم پتھر پر لٹایا کرتا تھا۔ اس حالت میں بھی ان کی زبان سے توحید کے کلمات جاری رہتے تھے۔ اتفاقاً ایک روز حضرت صدیق اکبر ؓ کا اس طرف گذر ہوا جہاں پر حضرت بلال ؓ مبتلائے تکلیف تھے۔ حضرت صدیق ؓ ان کے مولیٰ کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے پاس ایک غلام نصرانی عداس نامی تھا جو بہت روپیہ کماتا تھا اس کو دے کر حضرت بلال ؓ کو چھڑا لیا۔ اس کافر نے کہا کہ ابوبکر ؓ بہت خسارہ میں رہے کہ ایسا اچھا غلام دے کر ان کو لیا ہے۔ حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا کہ ایک غلام کیا اگر تو ان کے عوض میں میرا سارا گھر بھی مانگتا تو میں وہ بھی دے دیتا۔ تو کیا جانتا ہے یہ کیا چیز ہیں اور حق تعالیٰ نے اس کافر کے کہنے کا یہ جواب دیا۔ والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنو آلخ یعنی قسم ہے زمانہ کی بے شک انسان (کافر) خسارہ میں ہے مگر وہ مومن جو اعمال صالحہ کرتے ہیں۔ وہ خسارہ میں نہیں ہیں۔ اسی قصہ کی طرف حضرت عمر ؓ نے اس نظم میں اشارہ کیا ہے۔

ابوبکر حبا فی اللہ مالا
واعتق من ذخائرہ بلالا
لقد واسی النبی بکل فضل
واسرع فی اجابۃ بلالا

پہلے بلالا میں جو ایک کلمہ ہے مراد حضرت بلال ؓ ہیں اور دوسرے بلالا سے جو کہ دو کلمے ہیں مراد بدوں لا کے ہے معنی اشعار کے یہ ہیں کہ ابوبکر ؓ نے اللہ کی راہ میں مال دیا اور اپنے ذخائر سے حضرت بلال ؓ کو آزاد کیا اور نبی ﷺ کی ہر حال کے ساتھ غمخواری اور ہمدردی کی اور بدون انکار کے ان کی اجابت میں جلدی کی ان ہی حضرت بلال ؓ کی شان میں حضرت عمر ؓ حضرت ابوبکر ؓ کی مدح کہتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ابوبکر سیدنا واعتق سیدنا۔ یعنی ابوبکر ؓ ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار یعنی بلال ؓ کو آزاد کیا ہے اللہ اکبر کہاں حضرت عمر ؓ اور کہاں حضرت بلال ؓ۔ حضرت کی تو وہ شان ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ لو کان بعدی نبی لکان عمر یعنی اگر کوئی میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتے باوجود اس مرتبہ کے بلال ؓ کو سیدنا فرماتے ہیں لیکن کسی کو کیا خبر ہے کہ بلال ؓ کی کس شے کو انہوں نے سید فرمایا ہے اگرچہ اس شے میں بھی حضرت عمر ؓ ہی بڑھے ہوئے تھے لیکن ان حضرات نے اپنے کو ایسا مٹایا تھا کہ ہر ایک کو اپنے سے افضل جانتے تھے۔ آج کل دیکھا جاتا ہے کہ تھوڑا سا پڑھ لکھ کر یا کسی ادنیٰ بات سے ایسا ناز ہوتا ہے کہ دماغ صحیح نہیں رہتا اور جو نسب میں گھٹا ہوا ہو اگرچہ زہد وتقویٰ میں بڑھ کر ہو۔ اس میں عیب نکالتے ہیں۔ یاد رکھو۔ حق تعالیٰ کے یہاں نسب وحسب کوئی شے نہیں جس پر چاہتے ہیں فضل فرما دیتے ہیں۔ دیکھو ابوجہل شریف ہو کر مطرود ہوا اور حضرت بلال ؓ باوجود عبد حبشی ہونے کے مقبول ہو گئے۔ عجیب شان ہے۔

حسن زبصرہ بلال از حبش صہیب ز روم
زخاک مکہ ابوجہل این چہ بوالعجبی است

غرض حضرت بلال تو بڑے علی الاعلان توحید کو ظاہر کرنے والے ہیں۔ شاید کبھی ایسا ہوا ہو کہ اس مصلحت سے کہ حضور ﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے کسی خاص موقع پر اس توحید کا اخفاء فرمایا ہو۔ اس لئے ارشاد ہے کہ اب کوئی احتمال نہیں رہا۔ پکار کر منارہ پر جا کر اذان کہو اور دشمن کا دل جلاؤ۔ قال مولانا الرومی رحمۃ اللہ علیہ۔

مید مدر گوش ہر غمگین بشیر
خیز اے مدبر راہ اقبال گیر

یعنی اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہر طالب دردناک اور غمگین جو درد طلب سے بیقرار ہے

اس کے کان میں بشیر یعنی جناب رسول اللہ ﷺ پھونک رہے ہیں کہ اے بدبخت اٹھ اقبال کا راستہ لے یعنی ہدایت کے ابواب مفتوح ہو گئے ہیں اس کو اختیار کر۔ تمام ہو گئے اشعار مثنوی کے۔ ان اشعار میں مولانا نے فیض وحی اور فیض نبوۃ اول بیان کیا ہے اور اس پر فرحت ظاہر کی ہے پھر صحابہ ﷡ کی طرف فیض رسانی کے لئے جو حضور ﷺ کی توجہ تھی اس کو بیان کیا۔ گویا یہ اشعار ان آیات کے متقارب المعنی ہیں یہ تمام تر تقریر بطور تمہید کے تھی۔ اور اس تقریر سے مقصود مجھ کو شبہات کا زائل کرنا تھا کہ جو ہم لوگوں کی نسبت بدظن ہیں ورنہ اصل مقصود یہ تھا کہ اس نعمت عظیمہ پر فرحت مامور بہا کا طریقہ بیان کیا جائے اور اس میں جو لوگوں نے افراط تفریط کی ہے ان کی اصلاح کی جائے اور مخالفین کے دلائل کا جواب دیا جائے لیکن تمہید ہی میں بہت تطویل ہو گئی لیکن کچھ حرج نہیں اس لئے کہ بہت سے فوائد اس سے معلوم ہو گئے (یہاں پہنچ کر نماز عصر کے لئے اٹھے پھر بعد نماز آگے بیان ہوا)۔

آغاز مقصود وعظ یعنی اظہار فرحت علی ذکر رسول ﷺ کا طریقہ صحیح کیا ہے:

اب میں مقصود شروع کرتا ہوں تقریر سابق سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ کے وجود باجود پر فرحت مامور بہا ہے۔ اب یہ سمجھنا چاہئے کہ اس فرحت کا طریقہ صحیحہ مقبولہ کون سا ہے۔ سو اس کے طریقے دو ہیں ایک تو وہ طریقہ جس پر خود جناب رسول اللہ ﷺ نے عمل فرمایا ہو۔ اس لئے کہ جیسا امت پر اس آیت کا امتثال واجب ہے حضور ﷺ پر بھی واجب ہے جیسا نبی کو نبی جاننا جس طرح امت کے ذمہ ضروری ہے اسی طرح بلا فرق اس نبی کو بھی اپنی نبوت کا اعتقاد فرض ہے اس لئے یہ بات دیکھنا ضروری ہے کہ حضور ﷺ نے اس فرحت کو کس طریق سے ظاہر فرمایا ہے اور دوسرا طریقہ وہ ہے جو حضور ﷺ سے کلیاً یا جزیاً منقول نہ ہو بلکہ کسی نے ایجاد کیا ہو۔

مجالس میلاد کرنے والے دو قسم کے ہیں بعض کی نیت اچھی اور بعض کی بری ہے:

جس طرح سے آج کل بہت سے محبت کا دم بھرنے والے لوگ مجالس منعقد کرتے ہیں اور ان میں بعض تو نرے مدعی ہی ہیں۔ ہاں جو کچھ روپیہ خرچ کرنے والے ہیں ان میں سے اکثر کی نیت بری نہیں۔ وہ محبت سے ہی کرتے ہیں مگر غلطی میں ہیں اس لئے کہ محبت میں غلطی بھی تو ہو

جاتی ہے۔ یہ تو ضروری نہیں کہ جس فعل کا منشا محبت ہو اس میں غلطی نہ ہو۔ جیسے کوئی اللہ تعالیٰ کی محبت کے جوش میں مثلاً ٹھیک دوپہر کو نماز پڑھنے لگے۔ باقی جن کا کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا بلکہ ان کو آمدنی ہوتی ہے۔ یعنی مولود خواں مولوی۔ ان میں سے تو اکثر کی نیت بھی اچھی نہیں۔ ان کا مقصود صرف روپیہ ہی ہے بلکہ کچھ عجب نہیں کہ بعض کو ان میں سے حق واضح بھی ہو گیا ہو لیکن ان کا خیال یہ ہے کہ اگر ہم یہ طریقہ جاری نہ رکھیں گے تو ہم کو جو روپیہ اور نذرانے اور جوڑے ملتے ہیں وہ نہ ملیں گے اس لئے وہ چھوڑتے نہیں۔ میرے پاس ضلع رہتک سے ایک صاحب کا خط آیا اس میں لکھا تھا کہ یہاں ایک بی بی ہیں جن کا نام بوبو ہے ان کے بابا بننے کی کسر ہے ورنہ سب حرف علت جمع ہو جاتے ہیں (لطیفہ کے طور پر ہے) جیسا ایک عربی کے شعر میں کسی نے یہ حروف جمع کئے ہیں۔

زاہت صبیا علی کثیب یخجل البدرو لهلالا

فقلت ما اسمك فقال لولو فقلت لی لی فقال لا لا

شاعر نے کمال کیا ہے لولو اور لی لی اور لالا کو خوب جمع کیا ہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ میں نے ایک حسین لڑکے کو ایک ٹیلہ پر دیکھا اور نام پوچھا۔ اس نے کہا لولو۔ میں نے کہا تو میرا ہے اس نے کہا نہیں نہیں اور یہ لولو بمعنی موتی کے ہے وہ لولو نہیں جس سے بچوں کو ڈراتے ہیں۔ اس سے ایک اور حکایت یاد آئی۔ نصیر شاعر کا ایک لڑکا بچہ تھا ایک بار چند شعراء نصیر سے ملنے آئے۔ نصیر موجود نہ تھا یہ بچہ تھا۔ شعراء نے اس سے فرمائش کی کہ کوئی شعر فی البدیہہ بنا کر سناؤ اس نے عجیب شعر اپنے بچپن کی شان کے موافق بیساختہ کہا۔

اے بتو مجھ کو در گوش دکھاتے کیوں ہو

میں ہوں بالا مجھے لولو سے ڈراتے کیوں ہو

غرض ان صاحب نے لکھا تھا کہ یہاں وہ بی بی مولد شریف پڑھتی ہیں اور ان کا کچھ نذرانہ بھی مقرر ہے اور ایک نئی بات یہ ہے کہ بقر عید کی نماز بھی عورتوں کو پڑھاتی ہیں اور ان سب قصوں کی جڑ وہی نذرانہ ہے۔

تمام رسوم بدعات کے مٹ جانے کا ایک عجیب سہل طریقہ:

اسی واسطے میں تو اپنے دوستوں سے یہ کہا کرتا ہوں کہ ان بدعات کرنے والوں کو منع نہ کرو لیکن ان کو دینا چھوڑ دو۔ جب مفت محنت کرنا پڑے گی وہ خود ہی تنگ ہو کر ان بدعات کو چھوڑ دیں گے اس لئے کہ کام تو پورا کرنا پڑے گا اور ملے گا کچھ نہیں تو خواہ مخواہ کی مشقت بھی ہوگی اور

وصول کچھ نہ ہوگا تو خود ہی چھوڑ دیں گے۔ بہر حال ہر عمل کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک منقول اور دوسرا تراشا ہوا۔

قاعدہ کلیہ بدعت وسنت کے پہچاننے کا:

گفتگو اس میں ہے کہ اس فرحت کا طریق مروج کس قسم میں داخل ہے اس کے لئے میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتا ہوں۔ اس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ جتنی چیزیں بعد خیر القرون کے ایجاد ہوتی ہیں ان میں سے کونسی بدعت ہے اور کون سی مستحب اور مندوب اور ثابت بالشریعت ہیں اور اسی سے یہ بھی واضح ہوگا کہ اس فرحت کے ظاہر کرنے کا آیا کوئی طریقہ مقبول ہے یا نہیں اور نیز طریقہ مروجہ بدعت ہے یا نہیں پس جاننا چاہئے کہ بعد خیر القرون کے جو چیزیں ایجاد کی گئی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ کہ ان کا سبب داعی بھی جدید ہے اور وہ موقوف علیہ ایک مامور بہ کی ہیں کہ بغیر ان کے اس مامور بہ پر عمل نہیں ہو سکتا جیسے کتب دینیہ کی تصنیف اور تدوین، مدرسوں اور خانقاہوں کی بنا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ان میں سے کوئی شے نہ تھی اور سبب داعی ان کا جدید ہے۔ اور نیز یہ چیزیں موقوف علیہ ایک مامور بہ کی ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ دین کی حفاظت سب کے ذمہ ضروری ہے اس کے بعد سمجھئے کہ زمانہ خیر یت نشانہ میں دین کی حفاظت کے لئے وسائط محدثہ میں سے کسی شے کی ضرورت نہ تھی تعلق مع اللہ یا لفظ آخر نسبت سلسلہ سے بہ برکت حضرت نبوت سب مشرف تھے۔ قوت حافظہ اس قدر قوی تھی کہ جو کچھ سنتے تھے وہ سب نقش کا لحجر ہو جاتا تھا۔ فہم ایسی عالی پائی تھی کہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ سبق کی طرح ان کے سامنے تقریر کریں ورع اور تدین بھی غالب تھا بعد اس زمانہ کے دوسرا زمانہ آیا غفلتیں بڑھ گئیں قوی کمزور ہو گئے ادھر اہل ہوا اور عقل پرستوں کا غلبہ ہوا، تدین مغلوب ہونے لگا۔

پس علماء امت کو قوی اندیشہ دین کے ضائع ہونے کا ہوا۔ پس ضرورت اس کی واقع ہوئی کہ دین کی جمیع اجزاء تدوین کی جائے۔ چنانچہ کتب دینیہ حدیث اصول حدیث فقہ اصول فقہ عقائد میں تصنیف ہوئیں اور ان کی تدریس کے لئے مدارس تعمیر کئے گئے۔ اسی طرح نسبت مسلسلہ کے اسباب تقویت و ابقاء کیلئے بوجہ عام رغبت نہ رہنے کے مشائخ نے خانقاہیں بنائیں اس لئے کہ بغیر ان چیزوں کے دین کی حفاظت کی کوئی صورت نہ تھی۔ پس یہ چیزیں وہ ہوئیں کہ سبب ان کا جدید ہے کہ وہ سبب خیر القرون میں نہ تھا اور موقوف علیہ حفاظت دین مامور بہ کی ہیں۔ پس یہ اعمال گو صورت بدعت ہیں لیکن واقع میں بدعت نہیں لیکن حسب قاعدہ مقدمة الواجب واجب واجب ہیں اور دوسری قسم وہ چیزیں ہیں جن کا سبب قدیم ہے۔ جیسے مجالس میلاد مروجہ اور

تیجہ دسواں چہلم وغیرہ من البدعات کہ ان کا سبب قدیم ہے مثلاً مجلس میلاد کے منعقد کرنے کا سبب فرح علی الولادة النبویه ہے اور یہ سبب حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی موجود تھا۔ لیکن حضور ﷺ نے یا صحابہ نے یہ مجالس منعقد نہیں کیں نعوذ باللہ صحابہ کا فہم یہاں تک نہیں پہنچا۔ اگر سبب اس کا اس وقت نہ ہوتا تو البتہ یہ کہہ سکتے تھے کہ منشاء اس کا موجود نہ تھا۔ لیکن جب کہ باعث اور بناء اور مدار موجود تھا پھر کیا وجہ ہے کہ نہ حضور ﷺ نے کبھی مجلس میلاد منعقد کی۔ اور نہ صحابہ ﷺ نے۔ ایسی چیزوں کا حکم یہ ہے کہ وہ بدعت ہیں صورۃً بھی اور معنیً بھی۔ اور حدیث من احدث فی امرنا هذا ما ليس منه میں داخل ہو کر واجب الرد ہیں۔ اور پہلی قسم ماسنه میں داخل ہو کر مقبول ہے یہ قاعدہ کلیہ ہے بدعت اور سنت کے پہچاننے کا۔ اس سے تمام جزئیات کا حکم مستنبط ہو سکتا ہے۔

بدعت اور سنت میں ایک عجیب فرق:

اور ان دو قسموں میں ایک اور فرق عجیب ہے وہ یہ ہے کہ پہلی قسم کے تجویز کرنے والے خواص یعنی علماء ہوتے ہیں اور اس میں عوام تصرف نہیں کرتے اور دوسری قسم کے تجویز کنندہ عوام کالانعام ہوتے ہیں۔ اور وہی اس میں ہمیشہ تصرفات کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ مولد شریف کی مجلس کو ایجاد بھی ایک بادشاہ نے کیا ہے کہ اس کا شمار عوام ہی میں ہے۔ اور عوام ہی اب تک اس میں تصرفات بھی کر رہے ہیں چنانچہ چند روز سے اس میں ایک اور ترقی ہوئی ہے کہ اس دن عید منانے لگے اور اس کا نام رکھا ہے عید میلاد النبی۔ پرانی رسم مولد کے متعلق تو علماء نے مستقل رسائل لکھے ہیں جیسے براہین قاطعہ وغیرہ اور احقر نے بھی اصلاح الرسوم میں مفصل بحث لکھی ہے لیکن اس نئی رسم کے متعلق جس کا نام عید میلاد النبی ﷺ رکھا گیا ہے اب تک کوئی رسالہ نظر سے نہیں گزرا اگر چہ اجمالاً میں نے گزشتہ دو سال دو وعظ میں اس کا کچھ بیان کیا ہے جو طبع ہو گیا ہے لیکن مفصل بحث اس کے متعلق نہیں کی گئی۔ آج اسی کے متعلق بیان کرنے کا ارادہ ہے۔ لیکن تمہید میں دیر ہو گئی۔ خیر مقصود اکثر مختصر ہی ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں زیادہ دیر نہ ہوگی لیکن اتنا مختصر بھی نہ ہوگا کہ کوئی پہلو رہ جائے۔

رسم میلاد النبی کی تردید دلائل اربعہ سے:

جاننا چاہئے کہ عید میلاد النبی ﷺ کے نام سے جو ایک رسم شائع ہوئی ہے۔ اس کے متعلق دو کلام ہیں ایک تو اس کے نامشروع ہونے کے متعلق دلائل دوسرے مخالفین کے دلائل کا جواب۔ اس کے بعد سمجھئے کہ شریعت کے دلائل چار ہیں۔ کتاب۔ سنت۔ اجماع۔ قیاس۔ انشاء اللہ چاروں سے گفتگو کی جائے گی۔

دلیل اول کتاب اللہ:

اول کتاب اللہ کو لیجئے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ام لهم شرکاء شرعوا لهم من الدین ما لم یاذن به الله یعنی کیا ان کے لئے شرکاء ہیں کہ انہوں نے ان کے لئے دین کی وہ بات مقرر کردی جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ دین کی بات بدون اذن الٰہی یعنی بدون دلیل شرعی کسی کو مقرر کرنا مذموم و مستنکر ہے۔ یہ تو کبریٰ ہے اور صغریٰ یہ ہے کہ عید میلاد النبی ﷺ دین ہی کی بات سمجھ کر بلا دلیل مقرر کی گئی ہے اور دلیل نہ ہونا جز ئیا تو ظاہر ہے کہ امر شریعت میں نہیں ہے امر مستحدث ہے اگر احتمال ہے تو اس کا ہے کہ کسی کلیہ میں داخل کرتے ہوں گے۔ مفصل گفتگو تو ان کلیات کی جس میں یہ داخل ہو سکتی ہے آگے آئے گی۔ باقی مجملاً یہ سمجھ لینا چاہئے کہ سبب داعی اس کا قدیم ہے خواہ وہ فرح ہو یا اظہار شوکت اسلام ہو۔ کہ وہ بھی قدیم ہے بہر حال ان میں سے جو بھی سبب ہو۔ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ جب کہ یہ سبب حضور ﷺ وصحابہ و خیر القرون کے زمانہ میں بھی موجود تھا اور وہ حضرات قرآن وحدیث کو خوب سمجھنے والے تھے اور ایسا سمجھتے تھے کہ اس کو دیکھ کر اب اجتہاد کو جائز نہیں رکھا گیا پس جب مسلم ہو چکا کہ وہ کتاب سنت کو ہم سے زیادہ سمجھنے والے تھے اور یہ سبب بھی اس وقت موجود تھے یعنی اظہار فرح اور شوکت اسلام کی اس وقت بھی ضرورت تھی بلکہ اس وقت سے زیادہ ضرورت تھی مگر ان حضرات نے اس پر عمل نہیں کیا۔ پس معلوم ہوا کہ کسی کلیہ میں داخل کرنا اس کا صحیح نہیں اور یہ بالکل امر مستحدث اور جدید ہے کہ جس کی کچھ اصل نہیں اور بدعت کی حقیقت یہی ہے کہ غیر دین کو دین سمجھ کر کیا جائے اور اس کو یہ لوگ دین سمجھتے ہیں۔ پس یہ بدعت واجب الترک ہے یہ تو قرآن مجید سے اس کے متعلق کلام تھا۔

دلیل دوم حدیث رسول اللہ ﷺ حدیث اول:

اب حدیث لیجئے۔ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد۔ یعنی جو شخص ہمارے اس دین میں وہ شے نکالے جو اس میں نہیں پس وہ واجب الرد ہے جو تقریر آیت کے ذیل میں دی گئی ہے وہی یہاں بھی ہے اور مراد ئی شے ہے وہ ہے جس کا سبب قدیم ہو۔ اور پھر اس وقت معمول بہ نہ ہوئی ہو۔ باقی جس کا سبب جدید ہوا اور نیز وہ موقوف علیہ کسی مامور بہ کی ہو وہ معاملہ میں داخل ہو کر واجب ہے۔

حدیث دوم:

اور دوسری حدیث لیجئے۔ مسلم کی روایت ہے۔ قال رسول الله صلے الله علیه

وسلم لا تختصوا لیلة الجمعة بقیام من بین اللیالی ولا تختصوا یوم الجمعة بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومه احدکم۔ یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شب جمعہ کو اور راتوں میں سے شب بیداری کے ساتھ خاص مت کرو۔ اور یوم جمعہ کو ایام میں سے روزہ کے ساتھ خاص مت کرو۔ مگر یہ کہ اس دن میں کوئی تم میں پہلے سے روزہ رکھتا ہو۔ اس حدیث سے یہ قاعدہ کلیہ نکلا کہ جو تخصیص منقول نہ ہو وہ منہی عنہ ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ جمعہ کے روز روزہ رکھنا کیسا ہے۔ ہمارے علماء نے دوسری دلیل مستقل سے جواز کا حکم دیا ہے اور نہی کو عارضی کہا ہے اس وجہ سے کہ روزہ رکھ کر وظائف جمعہ سے ضعیف نہ ہو جائے۔ یہ فرعی گفتگو ہے یہاں تو صرف اس قاعدہ کلیہ کا مستنبط کرنا مقصود ہے۔ سو اس قاعدہ کی صحت میں مجوزین صوم جمعہ کو بھی کلام نہیں ہے غرض یہ قاعدہ کلیہ کہ تخصیص غیر منقول دین کے اندر جائز نہیں صحیح ہے۔ یہ تو کبریٰ ہے۔ اب خاص یوم ولادت کو عید منانے کی تخصیص دیکھئے کہ یہ تخصیص کیسی ہے ظاہر ہے کہ منقول نہیں ہے اور نہ تخصیص عادی ہے بلکہ اس کو دین کی بات سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس کی تارک کو ملامت کرتے ہیں اور بددین سمجھتے ہیں اگر تخصیص عادی ہوتی تو ملامت نہ کرتے۔ اور نہ اس کو بددین جانتے جیسے کسی کی عادت ململ پہننے کی ہو تو اس کے تارک کو ملامت نہیں کرتے بہر حال اس کو دین سمجھتے ہیں۔ پس یہ تخصیص دین میں ہوئی اور غیر منقول ہوئی۔ یہ صغریٰ ہوا اور کبریٰ اول آ چکا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ یہ تخصیص ناجائز ہے بلکہ اگر غور ﷺ کیا جائے تو مقیس علیہ یعنی یوم جمعہ سے بھی یہ بڑھ کر ہے اس لئے کہ یوم جمعہ کے فضائل تو احادیث میں صراحۃً وارد بھی ہیں اور یوم ولادت کی کوئی فضیلت صراحۃً وارد نہیں گو قواعد سے فی نفسہٖ یوم ولادت میں برکت اور فضیلت کے سب ہی مسلمان قائل ہیں ایسا کون ہوگا جو اس دن بلکہ اس ماہ کی برکت کا قائل نہ ہو۔ چنانچہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ یا علی قاری اس ماہ کی فضیلت میں فرماتے ہیں

لهذا الشهر فی الاسلام فضل
ومنقبة تفوق علی الشهور
ربیع فی ربیع فی ربیع
ونور فوق نور فوق نور

اور میں اس پر اضافہ کر کے کہتا ہوں

ظهور فی ظهور فی ظهور
سرور فی سرور فی سرور

اور اس میں دو پچھلے وعظوں کا نام بھی آ گیا۔ نور اور ظہور اور آج کے بیان کا نام "السرور" رکھتا ہوں اور اس میں وہ بھی آ گیا۔ پس فی نفسہٖ برکت اور فضیلت کا انکار نہیں گفتگو اس

میں ہے کہ جیسے جمعہ کے فضائل تصریحاً وارد ہیں ایسے یوم ولادت کے نہیں۔ پس جس کے فضائل منصوص ہوں جب اس کی تخصیص ناجائز ہے تو جس کے فضائل منصوص بھی نہیں۔ اس کی تخصیص تو کیسے ناجائز نہ ہوگی بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ یوم ولادت کی فضیلت بھی حدیث میں آئی ہے چنانچہ آیا ہے کہ حضور ﷺ دوشنبہ کے دن روزہ رکھا کرتے کسی نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ اس دن روزہ کیوں رکھتے ہیں فرمایا ولدت یوم الاثنین۔ یعنی میں پیر کے دن پیدا ہوا ہوں تو اس کا جواب انشاءاللہ مخالفین کے دلائل کے ذیل میں آئے گا۔

حدیث سوم:

اور تیسری حدیث سنئے۔ نسائی نے روایت کیا ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجعلوا قبری عید او صلوا علی فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم ترجمہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری قبر کو عید مت بناؤ۔ اور مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود میرے پاس پہنچے گا جہاں کہیں تم ہوگے۔ اس حدیث میں غیر عید کو عید منانے کی بالتخصیص ممانعت ہے۔

روضہ اقدس پر اجتماع الزیارۃ کے شبہات کا جواب:

شاید کوئی اس میں شبہ کرے کہ حضور ﷺ کی قبر پر تو سب جمع ہوتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ جانا تو جائز ہے لیکن عید کی طرز پر جمع ہونا نہی عنہ ہے مطلب یہ ہے کہ عید میں جیسے جمع ہوتے ہیں اس طرح میری قبر پر مت جمع ہو اور عید میں اس طرح جمع ہوتے ہیں کہ اس کی تاریخ معین ہوتی ہے اور نیز اس میں تداعی یعنی اس کا ایک اہتمام ہوتا ہے اور ایک دوسرے کو وہاں جمع ہونے کے لئے بلاتا ہے۔ پس اس طرح جمع ہونے کی ممانعت ہے اور اتفاقی اجتماع سے ممانعت نہیں ہے چنانچہ روضہ اقدس کی زیارت کے لئے جو جاتے ہیں تو اس میں یہ دونوں امر نہیں ہیں اس کی کوئی تاریخ خاص معین نہیں ہے بلکہ آگے پیچھے کیفما اتفق تو چلے جاتے ہیں اور زیارت کر کے چلے آتے ہیں اور نہ کچھ اہتمام ہے کہ سب کا اجتماع ضروری سمجھا جاتا ہو بہر حال اس حدیث سے صراحتہ ثابت ہوتا ہے کہ قبر شریف پر بطور عید کے جمع ہونا ناجائز ہے۔ پس جس طرح عید مکانی منہی عنہ ہے اسی طرح عید زمانی بھی منہی عنہ ہوگی۔ اب رہ گئی یہ بات کہ اس کے بعد صلوا علی فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم جانے سے تو اجتماع کا عدم جواز بھی مفہوم ہوتا ہے جیسا علت فان صلوتکم ظاہراً اس پر دال ہے سو شراح نے مختلف توجیہات اس کی کی ہیں میرے ذہن میں سب سے اقرب توجیہ اس کی یہ آئی ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ اس نہی لا تجعلوا میں اہل

بدعات یہ عذر کر سکتے تھے کہ ہم تو صلوٰۃ یعنی درود شریف پڑھنے کے لئے حضور ﷺ کے روضہ اقدس پر جمع ہوتے ہیں اور صلوٰۃ مامور بہ ہے تو ہمارا اجتماع جائز ہوگا تو حضور ﷺ اس شبہ کا جواب دیتے ہیں اور اس احتمال کا استیصال فرماتے ہیں کہ درود شریف یہاں آنے پر موقوف نہیں ہے جہاں کہیں تم ہوگے درود شریف میرے پاس پہنچتا ہے اس لئے یہ عذر غیر موجہ ہے اور اس سے ایک بہت بڑی بات مستنبط ہوتی ہے کہ صلوٰۃ جس کے بعض افراد مندوب اور بعض واجب اور بعض فرض ہیں جب اس کے لئے عید کے طرز پر جمع ہونا جائز نہیں ہے تو کسی اور غرض مخترع کے لیے جمع ہونا تو کیسے جائز ہوگا لیکن اس سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ خود زیارت کے لئے جانا بھی جائز نہیں اس لئے کہ وہاں جو جاتے ہیں تو مقصود اصلی صلوٰۃ نہیں ہے بلکہ زیارت مقصود ہے اور وہ بدون حضور ﷺ قبر ہر جگہ ممکن نہیں۔

زیارت شریف کا باعث قربت اور آکد المستحبات ہونا:

اور زیارت کا مندوب ہونا دوسری روایات سے ثابت ہوتا ہے بلکہ قرآن شریف سے بھی اس کا استحباب معلوم ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ ولو انھم اذظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ ترجمہ یہ ہے کہ جب ان لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا یعنی معاصی ان سے سرزد ہوئے تھے۔ اگر اس وقت یہ لوگ آپ کی خدمت میں آتے اور وہاں آکر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول یعنی آپ بھی ان کے لئے دعائے مغفرت فرماتے تو بے شک اللہ تعالیٰ کو توبہ کا قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا پاتے اور جاؤک (آپ کے پاس آتے) یہ عام ہے۔ خواہ حیات میں ہو یا بعد الممات ہو۔ اس سے زیارت کا مندوب ہونا بلکہ تاکد معلوم ہوتا ہے اور اس پر بشارت ہے کہ وہاں حاضر ہو کر توبہ کرنے سے توبہ قبول ہوتی ہے ایک لطیفہ یاد آیا کہ کانپور میں ایک مدرسہ میں بچوں کا امتحان ہورہا تھا ان کو چہل حدیث یاد کرائی گئی تھی۔ ممتحنین میں ایک صاحب اہل ظاہر بھی تھے (اہل ظاہر کہتے ہیں کہ زیارت قبر نبوی کے لئے سفر کرنا ناجائز ہے) حدیث یہ آئی من حج ولم یزرنی فقد جفانی یعنی جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے میرے ساتھ بے مروتی کی وہ صاحب کہنے لگے کہ یہ حدیث تو حیات کے ساتھ مخصوص ہے بچہ کیا جواب دیتا وہ آگے پڑھنے لگا اتفاق سے اس کے بعد یہ حدیث تھی من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی یعنی جس نے میری زیارت میری وفات کے بعد کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ ایک مولوی صاحب ان کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے فوراً کہا کہ مولانا آپ کا جواب ہو گیا دیکھئے اس میں صاف ارشاد ہے کہ جو بعد ممات کے زیارت کرے وہ ایسا ہی ہے جیسے حیات میں

زیارت کی اور زیارت فی الحیٰوۃ کی مشروعیت کو آپ بھی مانتے ہیں۔ بہر حال کوئی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ صلوۃ سفر سے مقصود بالذات نہیں اور زیارت کی کوئی تاریخ مقرر نہیں ہے اور نہ اہتمام عید کا سا ہے۔ پس اس کی ممانعت نہیں۔

قصد قبر شریف کی مانعین کی غلط فہمی اور جواب حدیث لاتشد الرحال الخ:

اسی طرح اور بھی جن حدیثوں سے بعض لوگوں نے اس کی ممانعت سمجھی ہے ان کو غلط فہمی ہوئی ہے زیادہ تر ایسے لوگ اس حدیث کو پیش کیا کرتے ہیں لاتشد الرحال الا الی ثلثة مساجد المسجد الحرام ومسجدی ھذا والمسجد الاقصے الخ یعنی کجاوے مت باندھو۔ مگر تین مسجدوں کی طرف مسجد حرام و مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔ تقریر ان کے استدلال کی یہ ہے کہ حضور ﷺ نے سفر کی ممانعت فرمائی ہے مگر ان تینوں مسجدوں کی جانب۔ بس معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ اگر سفر کر کے جائے تو مسجد کی نیت سے جائے۔ روضہ اقدس کا قصد نہ کرے کہ وہ ان ثلثہ کا غیر ہے یہ ہے تقریر ان کے استدلال کی۔ جواب یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ مستثنیٰ جنس مستثنیٰ منہ سے ہو یہاں مستثنیٰ مساجد ہیں۔ پس مستثنیٰ منہ بھی مسجد ہی ہونا اصل ہے۔ کہ وہی جنس قریب ہے۔ پس تقدیر کلام کی یہ ہوگی لاتشد الرحال الی مسجد الا الی ثلثة مسٰجد یعنی کسی مسجد کی طرف سفر کر کے مت جاؤ۔ مگر ان تین مسجدوں کی طرف پس قبر شریف سے اس حدیث میں کوئی تعرض ہی نہیں اس کی زیارت کا تاکد بحالہ دوسری احادیث سے ثابت ہے اور ان تین مسجدوں کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ ان تین میں مضاعفت اجر کی منصوص ہے اور کسی مسجد کے لئے منصوص نہیں ہے۔ پس حاصل حدیث کا یہ ہے کہ ثواب کی زیادتی کے اعتقاد سے کسی مسجد کی طرف سفر نہ کرو۔ اس لئے کہ کسی مسجد کے لئے زیادتی ثواب کی منقول نہیں ہے بہر حال خاص زیارت قبر شریف کے قصد سے بھی سفر کرنا مندوب ہے۔

حدیث چہارم:

چوتھی حدیث یہ ہے کہ عید کے روز کچھ لڑکیاں کھیل رہی تھیں اور حضور ﷺ تشریف رکھتے تھے۔ حضرت عمر ؓ تشریف لائے اور انہوں نے ان لڑکیوں کو ڈانٹا حضور ﷺ نے فرمایا۔ ان لکل قوم عیدا ھذا عیدنا یعنی اے عمر منع نہ کرو ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔ اس حدیث میں علت ان کے کھیلنے کی اباحت کی یہ فرمائی کہ یہ ہماری عید ہے۔ اس میں جواز

لعب کو یوم عید ہونے سے معلل فرمایا گیا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم عید کے ساتھ خاص ہے سو اگر ہر شخص کو عید بنانا جائز ہو تو ہر روز ایسا لعب جائز ہو جائے گا اور تخصیص منصوص باطل ہو جائے گی۔ جس سے کلام شارع کا الغاء لازم آئے گا۔ یہ تو قرآن و حدیث سے ممانعت اس عید مخترع کی ثابت ہوئی۔ اب رہا اجماع سو اس سے بھی ثابت ہے۔

دلیل سوم اجماع:

تقریر اس کی یہ ہے کہ قاعدہ اصولیہ ہے کہ تمام امت کا کسی امر کے ترک پر متفق ہونا یہ اجماع ہوتا ہے اس کے عدم جواز پر چنانچہ فقہا نے جابجا اس قاعدہ سے استدلال کیا ہے جس طرح سے کہ صحابہ ؓ بھی حضور ﷺ کے کسی فعل کو ہمیشہ ترک کرنے سے استدلال کرتے تھے۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے عید کی نماز پڑھی لیکن اس میں اذان اور تکبیر نہیں تھی اسی طرح جس شے کو تمام امت نے ترک کر دیا ہو وہ واجب الترک ہے اسی بنا پر فقہا نے صلوۃ عیدین میں بلا اذان و تکبیر کہا ہے۔ پس اگر یہ قاعدہ مسلم نہ ہوتا تو آج سے عیدین میں اذان اور تکبیر کا اضافہ کر دینا چاہئے۔ اور اگر مسلم ہے تو اس قاعدہ سے اور جگہ بھی کام لو۔ اس پر ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ تمام امت نے عید میلاد النبی کو ترک نہیں کیا اس لئے کہ امتی تو آخر ہم بھی ہیں سو ہم اس کو کرتے ہیں۔

پس اجماع کہاں رہا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اصول فقہ کا قاعدہ مسلمہ ہے کہ اختلاف متاخر اتفاق متقدم کا رافع نہیں ہے یعنی جس امر پر تمام امت کا اتفاق زمان سابق میں متحقق ہو چکا ہو۔ اب اس اتفاق کو بعد کا اختلاف نہ اٹھائے گا پس جب تک تم لوگوں نے اس کو ایجاد نہیں کیا تھا۔ اس وقت تک تو امت کا اس کے ترک پر اتفاق تھا اب وہ اتفاق مرتفع نہیں ہو سکتا اس قاعدہ کی ایک جزئی اور ہے کہ علماء حنفیہ نے نماز جنازہ کا تکرار جائز نہیں رکھا اور دلیل یہی لکھی ہے کہ صحابہ اور تابعین سے ثابت نہیں غرض یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ امت کا کسی امر کو ترک کرنا اس کے عدم جواز کی دلیل ہے۔ پس بفضلہ تعالیٰ اجماع امت سے بھی ثابت ہو گیا کہ یہ عید میلاد بدعت اور امر مخترع واجب الترک ہے۔

دلیل چہارم قیاس:

اب رہا قیاس تو قیاس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ قیاس جو مجتہد سے منقول ہو اور ایک وہ جو مجتہد سے منقول نہ ہو۔ اور یہ قاعدہ کہ غیر مجتہد کا قیاس معتبر نہیں ہے۔ یہ ان واقعات میں ہے کہ جو مجتہدین کے زمانہ میں پائے گئے ہیں اور جو نئے واقعات پیش آئیں ان میں قیاس غیر مجتہد کا معتبر ہے چنانچہ جس قدر نئی تجارتیں اور ایجادات اس زمانہ میں ہوئی ہیں سب کا حکم قیاس سے ہی

ثابت ہوتا ہے مع ہذا ہم خود نہیں قیاس کرتے اس لئے ہم کو قیاس کرنے کی ضرورت تو جب تھی جبکہ سلف کے کلام میں اس سے تعرض نہ ہوتا اس لئے کہ ان حضرات کا قیاس ہمارے قیاس پر مقدم ہے اور ان کے کلام میں اس سے تعرض ہے چنانچہ تعیید الشیطان و صراط مستقیم میں بہت زور شور سے اس پر گفتگو کی ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ کسی زمان یا مکان کو عید بنانا ممنوع ہے اس میں کی کچھ ضروری عبارت اشاعت کے وقت آخر میں ملحق کر دی جائے گی (چنانچہ اب ایسا ہی کیا گیا۔ پس قیاس سے بھی اس عید کا ناجائز ہونا ثابت ہوا۔ یہ تو ہمارے دلائل تھے۔

رسم عید میلاد کی تائید کے دلائل مع جوابات:

اب موجدین عید کے دلائل کی تقریر اور اس کا جواب سنئے اور ان کی طرف نسبت دلائل کی میں نے اس احتمال سے کر دی ہے کہ شاید ان میں سے بھی کوئی ان سے استدلال کرنے لگے ورنہ میں نے یہ دلائل ان سے منقول نہیں دیکھے بلکہ اگر وہ تو برسوں بھی کوشش کریں تو ان کو ایک دلیل بھی میسر نہ ہو اسی واسطے جی تو نہ چاہتا تھا کہ ان کو دلائل دیئے جائیں لیکن صرف اس وجہ سے کہ کسی کو کوئی گنجائش نہ رہے اس لئے میں ان دلائل کو بھی مع جواب نقل کئے دیتا ہوں۔

استدلال اول آیت قل بفضل اللہ الخ سے مع جوابات:

اول وہ آیت قل بفضل اللّٰہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا سے استدلال کر سکتے ہیں کہ اس آیت سے فقط فرحت کا مامور بہ ہونا ثابت ہوا اور یہ عید بھی اظہار فرحت ہے لہذا جائز ہے جواب ظاہر ہے کہ اس آیت سے فقط فرحت کا مامور بہ ہونا نکلا اور گفتگو اس ہیئت خاص میں ہے لہذا اس آیت سے اس کو کوئی مس نہیں اور اگر اس کلیہ میں داخل کرنا اس کا صحیح ہو تو فقہا نے کتب فقہ میں جن بدعات کو روکا ہے وہ بھی کسی نہ کسی ایسے ہی کلیہ میں داخل ہو سکتی ہیں چاہئے کہ وہ بھی جائز ہو جائیں۔ حالانکہ کتب فقہ جو مسلم عند الفریقین ہیں ان میں ان کی ممانعت مصرحاً مذکور ہے اور ان اہل زیغ کو ہمیشہ یہ دھوکا ہوتا ہے اور یا تجاہل ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اور اہل حق کے قضیہ کا موضوع ایک ہے۔ اسی بنا پر اہل حق پر اعتراض کر دیتے ہیں چنانچہ یہاں بھی مغالطہ ہے ہم جس بات کو ناجائز کہتے ہیں وہ ہیئت خاصہ ہے اور جو فرحت آیت فلیفرحوا سے ثابت ہوئی ہے وہ فرحت مطلقہ ہے پس یہ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ فرحت کو منع کرتے ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں بلکہ اگر غور سے کام لیا جائے تو ہم اس فرحت پر زیادہ عمل کرتے ہیں اس لئے کہ یہ موجدین تو سال بھر میں ایک ہی مرتبہ خوش ہوتے ہیں اور درمیان میں ان کی فرحت منقطع ہو جاتی ہے اور ہم ہر وقت خوش ہیں (اس لئے کہ اہل سنت ایمان کی بشاشت اور اس کے ذوق سے ہر

وقت مخمور رہتے ہیں اور اہل حق میں ہی بہت سے افراد اس دولت سے مشرف ہیں و ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء وھذا ھو الفرح المامور بہ کما صرح فی تفسیر الآیۃ) پس جو فرح کو منقطع کر دیں وہ آیت کے تارک ہیں ہم تو کسی وقت بھی قطع نہیں کرتے پس ہم بفضلہ تعالیٰ آیت پر بھی عمل کرتے ہیں اور دلائل منع بدعات پر بھی عامل ہیں اور اہل بدعات کو دونوں امر نصیب نہیں ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ فرح مامور بہ کے تین درجے ہیں۔ افراط۔ تفریط۔ اعتدال۔ تفریط تو یہ ہے کہ تحدید بالجاء المہملہ کر دیں کہ فلاں وقت پر یہ فرح ختم ہو گئی جیسا بعض خشک مزاجوں کے کلام سے مترشح ہو گیا ہے اور افراط یہ ہے کہ فرح کو جاری رکھیں مگر حدود شرعیہ سے تجاوز کریں جیسا اہل تجدید بالجیم المعجمہ کا طریق متعارف ہو گیا اور اعتدال ادامۃ میں ہے۔ پس ہم نہ محدود ہیں نہ مجدد بلکہ مدیم ہیں و الحمد للّٰہ علیٰ ذلک۔

دوسرا استدلال از حدیث در قصہ ابولہب:

دوسرا استدلال موجدین کا اس حدیث سے ہو سکتا ہے کہ جب ابولہب نے حضور ﷺ کی ولادت کی خبر سنی تو خوشی میں آ کر ایک باندی آزاد کر دی تھی اور اس پر عقوبت میں تخفیف ہو گئی۔ پس معلوم ہوا کہ ولادت پر فرح جائز و موجب برکت ہے جواب اس کا بھی ظاہر ہے کہ ہم نفس فرحت منکر نہیں ہیں بلکہ اس پر ہر وقت عامل ہیں گفتگو تو اس ہیئت کذائیہ میں ہے۔

تیسرا استدلال آیت و اذ قال الحواریون الخ مع جواب:

تیسرا استدلال اس آیت سے ہو سکتا ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں و اذ قال الحواریون یعیسی بن مریم ھل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدۃ من السماء الی قولہ ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیدا لاولنا واخرنا وایۃ منک۔ یعنی یاد کرو اس وقت کو جبکہ حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل فرما دیں۔ (عیسیٰ علیہ السلام کی اس دعا تک) کہ اے اللہ ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل فرما کہ وہ ہمارے لئے عید بن جائے ہمارے پہلوں کے لئے اور ہمارے پچھلوں کے لئے اور ایک نشانی قدرت کی ہو۔ آپ کی طرف سے اس آیت سے معلوم ہوا کہ عطاء نعمت کی تاریخ کو عید بنانا جائز ہے اور ہمارے اصول میں یہ طے ہو چکا کہ امم سابقہ کے شرائع اگر حق تعالیٰ ہم پر نقل فرما کر ان پر انکار نہ فرما دیں۔ تو وہ ہمارے لئے حجت ہیں اور یہاں کوئی انکار نہیں پس معلوم ہوا کہ عطا نعمت کی تاریخ کو عید بنانا جائز ہے اور حضور ﷺ کی ولادت ظاہر ہے کہ نعمت عظیمہ ہے۔ پس آپ کی تاریخ ولادت کو عید بنانا جائز ہوگا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں

کہ اس امر پر انکار اسی جگہ ہو جہاں وہ منقول ہے دیکھئے واذ قلنا للملئکۃ اسجدو الادم
میں سجدہ تحیہ منقول ہے اور سجدہ تحیہ وسجدہ تعظیمی ہماری شریعت میں منسوخ ہو چکا لیکن یہاں اس
پر انکار منقول نہیں اس کے لئے دوسرے دلائل ہیں اسی طرح یہاں سمجھے کہ جو آیت واحادیث ہم
نے عید بنانے کی ممانعت میں اپنے دلائل میں بیان کی ہیں وہ اس پر انکار کے لئے کافی ہیں۔ یہ
جواب تو اس تقدیر پر ہے جبکہ آیت کے معنی یہی ہوں جو مستدل نے بیان کئے ہیں ورنہ اس آیت
سے یہ ثابت ہی نہیں ہوتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا مطلب یہ ہے کہ نزول مائدہ کی تاریخ کو عید بنا دیں اس
لئے کہ تکون میں ضمیر مائدہ کی طرف راجع ہے پس اس سے یوم نزول المائدہ لینا مجاز ہوگا اور یہ
قاعدہ ہے کہ جب تک حقیقی معنی بن سکیں مجاز کی طرف رجوع نہ کیا جائے گا۔ پس معنی یہ ہیں تکون
المائدۃ سرور النا۔ یعنی وہ مائدہ ہمارے لئے سرور کا باعث ہو جائے عید کے معنی متعارف نہیں
ہیں بلکہ عید کا اطلاق مطلق سرور پر بھی آتا ہے یہ کیا ضرور ہے کہ جہاں کہیں لفظ عید آئے اس سے
عید میلاد النبی ہی مراد ہو جیسے حضرات شیعہ کے نزدیک جہاں کہیں م۔ت۔ع آتا ہے اس سے
متعہ کا جواز ہی نکال لیتے ہیں ان کے نزدیک گویا شیخ سعدی کے شعر "متمتع زگوشہ یافتم" سے بھی
متعہ نکلتا ہے اور آیت ربنا استمتع بعضنا ببعض کے بھی یہی معنی ہیں کہ اے رب۔۔۔۔
ہمارے بعض نے بعض سے متعہ کیا ہے ایسے ہی ان حضرات کے نزدیک جہاں کہیں ع۔ی۔د
آئے اس سے عید میلاد النبی کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

چوتھا استدلال مع جواب:

چوتھا استدلال اس قصہ سے ہو سکتا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب آیت الیوم
اکملت لکم دینکم الخ نازل ہوئی تو ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر یہ آیت ہم
پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ آیت عید کے ہی دن
نازل ہوئی ہے یعنی یوم جمعہ اور یوم عرفہ کو نازل ہوئی ہے اور ترمذی میں ہے کہ حضرت ابن
عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے نزلت فی یوم جمعۃ ویوم عرفۃ یہ حدیث کا
مضمون ہے تقریر استدلال کی اس حدیث سے یہ ہے کہ حضرت عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عید بنانے پر
انکار نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ عطائے نعمت کی تاریخ کو عید بنانا جائز ہے اگرچہ یہ استدلال ان کو
قیامت تک بھی نہ سوجھتا لیکن ہم نے تبرعاً نقل کیا ہے کہ ان کو اس میں بھی گنجائش ہو سکتی ہے اس
کے دو جواب ہیں ایک جواب تو یہی ہے کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ انکار نہیں کیا تو یہ کیا ضرور ہے کہ انکار
یہاں ہی منقول ہو۔ چنانچہ ہمارے فقہا نے تعریف یعنی یوم عرفہ میں حجاج کے مشابہت سے جمع
ہونے پر انکار فرمایا ہے یہ تو ضروری نہیں ہے کہ اسی مقام پر انکار کریں نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

نے تحصیب کو لیس بشی کہا ہے حالانکہ وہ منقول بھی ہے مگر صرف عادت کو عبادت سمجھنے سے انہوں
نے یہ انکار فرمایا تو غیر منقول کو قربت سمجھنا تو ان کے نزدیک زیادہ منکر ہوگا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا
انکار اجتماع علی شجرۃ الحدیبیہ پر مشہور ہی ہے۔ پس دونوں حضرات کا انکار ایسے امور پر ثابت ہو گیا
کہ ہر ہر مقام پر منقول نہ ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ شخص مسلمان نہ تھا یہودی تھا اس کو خاص طور
پر الزامی جواب دیا کہ ہمارے یہاں تو پہلے سے عید ہے بلکہ اس جواب سے خود معلوم ہوتا ہے کہ
عید بنانا جائز نہیں یعنی مطلب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ہے کہ ہماری شریعت میں چونکہ تعید جائز نہیں ہے
اس لئے ایسے عوارض سے ہم کسی دن کو اپنی طرف سے عید نہیں بنا سکتے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ نے پہلے
ہی سے اس یوم کو عید بنا دیا۔

پانچواں استدلال مع جواب:

پانچواں استدلال اس حدیث سے وہ کر سکتے ہیں۔ کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے پیر
کے دن روزہ رکھا۔ کسی نے وجہ پوچھی تو یہ ارشاد فرمایا ذلک الیوم الذی ولدت فیہ یعنی میں
اس دن پیدا ہوا ہوں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یوم الولادۃ عبادت اور قربت کا دن ہے اور
فرحت وسرور علی الولادت قربت ہے۔ لہٰذا یہ جائز ہے اس کے بھی دو جواب ہیں اول تو یہ ہے کہ ہم
یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یوم ولادت ہونا علت روزہ رکھنے کی ہے اس لئے کہ دوسری حدیث میں اس
کی علت یہ منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جمعرات اور پیر کو نامہ اعمال پیش ہوتے ہیں تو میرا
جی چاہتا ہے کہ میرے اعمال روزہ کی حالت میں پیش ہوں اس سے صاف ہوا کہ علت صوم کی
عرض اعمال ہے۔

پس جب یہ علت ہوئی تو ولادت کا ذکر فرمانا محض حکمت ہوگا اور مدار حکم کا علت ہوتی
ہے اب آپ لوگ جو دیگر قربات کو قیاس کرتے ہو تو تم نے حکمت اصل علت ٹھہرا دیا حالانکہ حکمت
کے ساتھ حکم دائر نہیں ہوتا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ علت حکم کی یہی ہے لیکن علت
کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ علت جو اپنے مورد کے ساتھ خاص ہو ایک وہ جس کا تعدیہ دوسری جگہ
بھی ہو۔ اگر یہ علت متعدیہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس دن میں تلاوت قرآن اور اطعام طعام وغیرہ ما
کیوں منقول نہیں اور نیز مثل صوم یوم الاثنین کے کہ یوم ولادت ہے تاریخ ولادت میں بھی کہ ۱۲
ربیع الاول ہے روزہ رکھنا چاہئے دوسرے یہ کہ نعمتیں اور بھی ہیں۔ مثلاً ہجرت فتح مکہ معراج وغیرہ
آپ نے ان کی علت سے کوئی عبادت کیوں نہ فرمائی۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ علت اگر ہے تو عام نہیں ہے بلکہ اسی مقام کے ساتھ خاص
ہے اور اصل مدار روزہ رکھنے کا وحی ہے باقی حکمت کے طور پر ولادت کو ذکر فرمایا ورنہ دوسری نعمتوں

کے دن بھی روزہ و تعید چاہئے اور اس پر کہا جائے کہ تخصیص یوم ولادت کی وجہ یہ ہے کہ یہ اصل ہے تمام نعمتوں کی، پس ولادت اور ہجرت وغیرہ میں یہ فرق ہے اس فرق کی وجہ سے یہ تخصیص کی گئی تو ہم کہتے ہیں کہ حمل اس کی بھی اصل ہے اس کو اصل ٹھہرانا چاہئے پھر حیرت یہ ہے کہ یوم الولادت دوشنبہ کے روز تو عید نہ کریں اور تاریخ ولادت یعنی ۱۲ ربیع الاول کو عید منائیں یوم الاثنین میں تو حضور ﷺ نے ایک عبادت بھی کی ہے اور تاریخ ولادت میں تو کچھ بھی منقول نہیں ہے۔ پس اس دلیل کا مقتضی تو یہ تھا کہ ہر پیر کو عید کیا کریں غرض اس حدیث سے بھی مدعا موجدین عید کا ثابت نہیں ہوتا یہ تو ان حضرات کے نقلی دلائل تھے۔

رسم عید میلاد پر عقلی کلام:

اب ہم اس بات میں عقلی گفتگو کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان لوگوں میں سے بعضے عقل پرست بھی ہیں اور وہ اس عید میں کچھ عقلی مصلحتیں پیش کیا کرتے ہیں جو راجع ہیں ملک اور قوم کی طرف اس لئے ہم اس طرز پر بھی اس مسئلہ کو بیان کئے دیتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ جس قدر عبادات شارع ﷺ نے مقرر فرمائی ہیں ان کے اسباب بھی مقرر فرمائے ہیں اور اس اعتبار سے مامور بہ کی چند قسمیں نکلتی ہیں اول تو یہ کہ سبب میں تکرار ہو یعنی سبب بار بار پایا جاتا ہو تو سبب کے مکرر ہونے سے مسبب بھی مکرر پایا جائے گا۔ مثلاً وقت صلوۃ کے لئے سبب ہے پس جب وقت آئے گا صلوۃ بھی واجب ہوگی اس طرح صیام رمضان کے لئے سبب ہے جو شہود شہر ہوگا صوم واجب ہوگا اور عید کے لئے فطر اور اضحیہ کے لئے یوم اضحیہ بھی اسی باب سے ہے دوسری قسم یہ ہے کہ مسبب بھی ایک اور سبب بھی ایک جیسے بیت اللہ شریف حج کے لئے چونکہ سبب ایک ہے اس لئے مامور بہ یعنی حج عمر بھر میں ایک ہی فرض ہے۔ یہ دونوں قسمیں تو مدرک بالعقل ہیں اس لئے کہ عقل بھی اسی کو مقتضی ہے کہ سبب کے تکرار اور توحد سے مسبب متکرر اور متوحد ہو۔ تیسری قسم یہ ہے کہ سبب ایک ہو اور مسبب کے اندر تکرار ہو جیسے حج کے طواف میں رمل کا سبب اراۃ قوت تھی اب وہ ارات قوت تو ہے نہیں اس لئے کہ قصہ اس کا یہ ہوا تھا کہ جب مدینہ طیبہ سے مسلمان حج کے لئے مکہ معظمہ آئے تو مشرکین نے کہا تھا۔ کہ ان لوگوں کو یثرب کے بخار نے ضعیف اور بودا کر دیا ہے تو حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ طواف میں رمل کریں یعنی شانے ہلاتے ہوئے اکڑ کر طواف کرو تاکہ ان کو قوت مسلمین کی مشاہدہ ہو۔ اب وہ سبب تو نہیں لیکن مامور بہ یعنی رمل فی الطواف بحالہ باقی ہے یہ امر غیر مدرک بالعقل ہے اور جو امر خلاف قیاس ہوتا ہے اس کے لئے نقل اور وحی کی ضرورت ہوتی ہے اب ہم پوچھتے ہیں کہ عید میلاد النبی کا سبب کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت کی تاریخ ہونا ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ تاریخ گزر گئی یا بار بار آتی ہے ظاہر ہے کہ وہ ختم

ہوگئی۔ کیونکہ اب جو ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ آتی ہے وہ اس خاص یوم الولادت کے مثل ہوتی ہے نہ کہ عین اور یہ ظاہر ہے۔ پس مثل کے لئے وہی حکم ثابت ہونا کسی دلیل نقلی کا محتاج ہوگا بوجہ غیر مدرک بالعقل ہونے کے قیاس اس میں حجت نہیں ہوگا لیکن یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے یوم الاثنین میں روزہ رکھنے کی وجہ ولادت سے فرمائی ہے تو اس میں بھی یہ کلام ہو سکتا ہے۔ کہ یوم الولادت گزر گیا ہے۔ اب یہ اس کا مثل ہے اس کو حکم اصل کا کیوں ہوا۔ جواب یہ ہے کہ یہ صوم تو خود منقول ہے اور آپ نے وحی سے روزہ رکھا ہے اس لئے اس پر قیاس نہیں ہو سکتا۔

رسم عید میلاد کی ایک عقلی دلیل مع جواب:

اب ہم تبرعاً ان حضرات کی ایک عقلی دلیل لکھ کر اور اس کا جواب دے کر اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ یہ مقابلہ ہے اہل کتاب کا کہ وہ ولادت مسیح کے دن عید کرتے ہیں۔ ہم مقابلہ کے لئے حضور ﷺ کے یوم ولادت میں عید کرتے ہیں تاکہ اسلامی شوکت ظاہر ہو جواب یہ ہے کہ یہ تو اس وقت کسی درجہ میں صحیح ہوتا کہ جب ہمارے یہاں اظہار شوکت کے لئے کوئی شے نہ ہو ہمارے یہاں جمعہ۔ عیدین سب اظہار شعائر اسلام کے لئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کا مقابلہ ہی کرنا مقصود ہے ان کے یہاں اور دنوں میں بھی عیدیں اور میلے ہوتے ہیں تم کو بھی چاہئے کہ ہر ہر دن کے مقابلہ میں تم بھی عید کیا کرو اسی طرح عاشورہ کے دن تعزیہ داری بھی کیا کرو تاکہ اہل تشیع کا مقابلہ ہو چنانچہ بعض جاہل محض مقابلہ کے لئے ایسا کرتے بھی ہیں اور جناب اگر یہی مصلحت ہے تو ہندوؤں کے یہاں ہولی دیوالی ہوتی ہے تم بھی ان کے مقابلہ کے لئے ہولی دیوالی کیا کرو میں ایک قصہ بیان کرتا ہوں اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ اصل اور قاعدہ آپ کا بالکل بے اصل ہے۔ حضور ﷺ ایک سفر میں تھے کفار نے ایک درخت بنا رکھا تھا۔ اس پر ہتھیار لٹکاتے تھے اور اس کا نام ذات انواط رکھا تھا بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اجعل لنا ذات انواط یعنی یا رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے بھی اب ایک ذات انواط مقرر فرما دیجئے کہ اس پر ہم ہتھیار کپڑے وغیرہ لٹکا دیا کریں۔ دیکھئے بظاہر اس میں کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ کسی درخت پر کپڑے یا ہتھیار لٹکا دینا ایک امر مباح ہے اس میں تشبہ بھی کچھ نہیں لیکن چونکہ صورت ان کی مشابہت تھی۔ اس لئے حضور ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا اور فرمایا۔ سبحان اللہ یہ تو ایسی ہی بات ہوئی جیسے قوم موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا افعل لنا الٰھا کما لھم الٰھة پس جب اتنی مشابہت کو بھی حضور ﷺ نے ناپسند فرمایا تو جس صورت میں ان کی پوری شکل بنائی جائے یہ تو بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا یہ اس بات میں گفتگو تھی جو اختصار کے ساتھ بیان کی گئی۔

خاتمہ وعظ:

غرض عقل سے نقل سے ہر طرح بحمد اللہ ثابت ہوگیا کہ یہ عید مخترع ناجائز اور بدعت واجب الترک ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو فرحت کا حکم ہوا ہے اور اس کی تحدید یا تجدید کا حکم نہیں بلکہ فرح دائم اور مسرت دائمی کا حکم ہے اس لئے کسی خاص دن کو اس کے لئے مخصوص نہ کریں اور ہر وقت اس آیت پر عمل کریں چونکہ یہ بیان سرور اور فرحت کے مامور بہ ہونے کے باب میں ہے اس لئے میں اس کا نام السرور رکھتا ہوں اور عید میلادالنبی ﷺ پر چونکہ اس میں مفصل کلام ہے اس لئے اس کو ارشاد العباد فی عید المیلاد کے لقب سے ملقب کرتا ہوں اب اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرماویں اور بدعات اور تمام نامرضیات سے محفوظ رکھیں۔ آمین یارب العالمین۔

ضمیمہ وعظ ہذا

اب حسب وعدہ مذکورہ وعظ بعض عبارات صراط مستقیم و تبعید کے آخر میں ملحق کی جاتی ہیں

فائدة فی الروایات المتعلقة بتعیید یوم من الایام وتقئید ببعض الاحکام

فی تبعید الشیطان بتقریب اغاثہ اللهفان لابن القیم ومن ذلك اتخاذها (رای القبور) عیداً وهو مایعتاد قصده من مکان وزمان فالزمان کقوله صلی اللّٰه علیه وسلم یوم عرفة ویوم النحروایام من عیدنا اهل الاسلام رواه ابو داؤد وغیره والمکان کماروی ابوداؤد فی سننه ان رجلا قال یا رسول اللّٰه انی نذرت ان انحر ببوانة قال انهاوثن من اوثان المشرکین اوعید من اعادهم قال لا قال فاوف بنذرك وکقوله لاتجعلوا قبری عیدا وهو ماخوذ من المعاودة والا عتیاد فاذا کان اسما للمکان فهو المکان الذی یقصد الاجتماع فیه وقصده للعبادة او لغیرهما کما ان المسجد الحرام ومنی ومزدلفة وعرفة والمشاعر جعلها اللّٰه عید اللحنفاء ومثابة کما جعل ایام التعبد فیهاعید افکان للمشرکین اعیاد زمانیة ومکانیة ابطلها الاسلام وعوض الحنفاء من الزمانیة عید الفطر

وعید النحرو ایام منی ومن المکانیة الکعبة وعرفة ومنی والمشاعرالخ (۲۱۷) فی القول الفاصل الفاروق عن الصراط المستقیم لا بن تیمیة رحمته اللّٰه علیه ومن المنکرات فی هذا الباب سائر الاعیاد والمواسم المبتدعة فانها من المنکرات المکروهات سواء بلغت الکراهة التحریم اولم تبلغه وذلك ان اعید اهل الکتاب والاعاجم نهی عنها لسبعیین احد هما ان فیها مشابهة الکفار والثانی انها من البدع فما احدث من المواسم والاعیاد فهو منکر وان لم یکن فیه مشابهة لاهل الکتاب لوجهیین احد هما ان ذلك داخل مسمی البدع والمحدثات فیدخل فیما رواه مسلم فی صحیحه اله ان قال وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعة ضلالة ثم قال هذا قاعدة قد دلت علیها السنة والاجماع مع مافی کتاب اللّٰه من الدلالة علیها ایضاً قال اللّٰه تعالی امر لهم شرکاء شرعوا لهم من الدین مالم یاذن به اللّٰه وفیه ان الصراط المستقیم ایضاً فاما اتخاذ اجتماع راتب یتکرر بتکرر الاسابیع والشهور والاعوام غیر الاجتماعات المشروعة فان ذلك یضاهی الاجتماعات للصلوات الخمس والجمعة والعیدین والحج وذلك هو المتبدع المحدث ففرق بین مایتخذ سنة وعادة فان ذلك یضاهی المشروع وهذا الفرق هو المنصوص عن الامام احمد وغیره من الائمةالخ وفیه عن فتح الباری وقد مضیٰ فی کتاب العلم ان ابن مسعود رضی اللہ عنہ کان یذکر الصحابة کل خمیس الی قوله وقد کان ذلك فی عهد النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لکن لم یجعله راتبا لخطبة الجمعة بل بحسب الحاجةالخ۔

خلاصہ مقصود وعظ یعنی حصہ دلائل و جواب دلائل متعلقہ عید المیلاد درقم زدہ حضرت مولانا صاحب مدظلہم العالے

یہاں دو مقام پر کلام ہے ایک دلائل تعیید کے غیر مشروع ہونے کے دوسرے جواب اہل تعیید کے دلائل کے سو امر اول کا بیان یہ ہے کہ اس میں چند دلائل ہیں نمبر اول قرآن مجید میں ہے۔ ام لهم شرکاء شرعوا لهم من الدین مالم یاذن به اللّٰه اس سے ثابت ہوا کہ کوئی امر بدون اذن شرعی دین کے طور پر مقرر کرنا ناجائز ہے اور بدعت یہی ہے یہ تو کبریٰ ہوا اور صغریٰ ظاہر ہے کہ یہ عمل کہیں وارد نہیں جزئیاً تو ظاہر ہے اور کلیاً بھی نہیں اور یہ محتاج بیان ہے کیونکہ اہل ابتداع اس کو کسی کلیہ میں داخل کر سکتے ہیں مگر وہ ادخال بدلیل قوی غیر صحیح ہے وہ دلیل یہ ہے کہ جو

داعی ہے اس کے ایجاد کا خواہ اظہار سرور وفرح نعمت الٰہیہ پر یا اظہار شوکت اسلام مخالفین پر وہ داعی
جدید نہیں قدیم ہے اور باوجود اس کے کسی نے خیر القرون میں ایسا عمل نہیں کیا اور وہ حضرات قرآن
مجید وحدیث شریف کو تمام امت سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔

پس یہ دلیل ہے اس کی کہ یہ ادخال صحیح نہیں۔ نمبر۲ حدیث صحیح ہے۔ من احدث فی
امرنا هذا مالیس منه فهورد اس میں بھی وہی تقریر ہے جو ابھی مذکور ہوئی۔ نمبر۳ مسلم کی
روایت ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتختصو الیلة الجمعة بقیام
من بین اللیالی ولا تختصوا ایام الجمعة بصیام من بین الایام الا ان یکون فی
صوم یصومه احدکم اس حدیث سے تخصیص غیر منقول بطور قربت کا منہی عنہ ہونا بطور قاعدہ
کلیہ کے ثابت ہوا گو بعض علماء نے صوم جمعہ کو بافرادہ بھی جائز رکھا مگر وہ بھی اس کلیہ کو مانتے ہیں۔
انہوں نے اس تخصیص کو نقل سے ثابت کر کے اجازت دی ہے۔ اور نہی کو اعتقاد وجوب وغیرہ پر
محمول کیا ہے سو یہ دوسری بات ہے۔ مقصود ہم کو صرف اس کلیہ کی صحت کا ثابت کرنا ہے۔ سو وہ بالا
جماع ثابت ہے۔ یہ تو کبریٰ ہوا اور صغریٰ ظاہر ہے کہ عمل مبحوث فیہ میں صریح تخصیص ہے اور
تخصیص بھی بطور دین وعبادت کے کیونکہ اس کو عوام کیا بلکہ خواص بھی دین کی بات سمجھتے ہیں جس
کی کھلی نشانی یہ ہے کہ اس تخصیص کے تارکین کو دینا برا سمجھتے ہیں اور تخصیصات عادیہ میں ایسا نہیں
سمجھتے دوسری علامت اس کے تخصیص عادی نہ سمجھنے کی یہ ہے کہ اس میں بھی تقدیم وتاخیر گوارا نہیں
کرتے اور تخصیصات عادیہ میں عوارض سے تقدیم وتاخیر ہو جاتی ہیں۔

پس یقیناً یہ تخصیص منہی عنہ میں داخل ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کیونکہ یوم جمعہ کے تو
فضائل بھی وارد ہیں جب اس میں ایسی تخصیص جائز نہیں تو جس تاریخ کے فضائل بھی منقول نہیں
اس میں ایسی تخصیص کب جائز ہوگی اور اس کے منقول ہونے پر جو ان موجدین کا استدلال ہے
اس کا جواب وہاں آئے گا جہاں دوسرے مقام پر کلام ہوگا۔ یہ دلائل عامہ ہیں آگے دلیل خاص
ہے درباب خصوص تعیید کے نمبر۴ نسائی نے حدیث روایت کی ہے۔ قال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم لاتجعلوا قبری عید اوصلوا علی فان صلاتکم تبلغنی حیث
کنتم۔ یہ حدیث صریح ہے اس امر میں کہ عید کے طرز پر کہ اس میں اہتمام اجتماع کا ہوتا ہے جمع
ہونے کو منع فرمایا ہے اور اس اجتماع کی اگر کوئی تاویل کرے کہ ہم تو صلاۃ کے لئے جمع ہوتے ہیں۔
جیسا عادت ہے اہل ابتداع کی کہ کلیات منقولہ میں زبردستی جزئیات مبتدعہ کو داخل کیا کرتے ہیں
اس کو رد فرما دیا کہ صلوٰۃ ہر جگہ سے ہو سکتی ہے یہ اجتماع پر موقوف نہیں اور اس رد سے بہت بڑی بات
ثابت ہوگئی کہ جب صلوٰۃ کے لئے جو کہ مندوب وقربتہ ہے ایسا اجتماع کالعید جائز نہیں تو دوسرے
اغراض کے لئے جو اس سے بھی ادنیٰ ہیں ایسا اجتماع کہاں جائز ہوگا یہ حدیث خاص عید کی تخصیص

پر دال ہے کہ کسی عید کا ابتداع ناجائز ہے اور اس تقریر سے نفس زیارت قبر نبوی یا اس کے لئے سفر
کرنے کی نہی نہیں لازم آئی۔ کیونکہ وہاں صرف زیارت کے برکات حاصل کرنا مقصود ہے جو کہ
دوسری روایات سے مندوب ہے وہاں تاریخ مقصود نہیں اور نہ محض صلاۃ کے لئے سفر کیا جاتا ہے
جس پر صلوا علی فان صلاتکم تبلغنی حیث کنتم سے شبہ ہو سکے۔

نمبر۵ حدیث میں ہے کہ عید کے روز خاص طرق فرح وسرور پر حضرت عمرؓ نے انکار
فرمایا تھا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "ہذا عیدنا" اس سے صاف معلوم ہوا کہ رائے سے عید بنانا
جائز نہیں ورنہ یہ تعلیل خاص نہ رہے گی عید منقول کے ساتھ کیونکہ جس روز کوئی عید بنائے، وہاں
ہی یہ تعلیل جاری ہو جائے گی۔ حالانکہ خاص ہونا تعلیل کا صاف ظاہر ہے اور عدم تخصیص سے الغاء
کلام شارع کا لازم آئے گا۔ یہ تو دلائل کتاب وسنت سے ہیں۔ نمبر۶۔ امت کا اجتماع کسی امر کے
ترک پر یہ اجماع ہے جس سے استدلال کرنا خلفاً عن سلف منقول ہے چنانچہ ماہر اصول وفقہ
پر مخفی نہیں جیسا عیدین میں اذان نہ ہونے کو اسی غرض کے لئے نقل کیا گیا ہے اور جمعہ میں صلوٰۃ کی
تقدیم کو خطبہ پر نظر انکار سے دیکھا گیا ہے۔ حنفیہ نے صلوٰۃ جنازہ کے عدم تکرار یا صلوٰۃ علی القبر کی
نفی پر اسی سے استدلال کیا ہے کہ سلف نے نہیں کیا۔ یہی قصہ عید میلاد میں ہے کتاب وسنت کے
بعد یہ اجماع ہو گیا۔ نمبر۷۔ علماء نے اپنی کتب میں اسی سے بحث بھی کیا ہے۔ کما فی تبعید
الشیطان وفی الصراط المستقیم۔ پس یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ شاید تمہارے استدلال میں کوئی
خدشہ ہو پس قیاس بھی اس پر دال ہو گیا۔ دوسرا مقام جواب ہے موجدین کے دلائل کا اور جو دلائل
میں نقل کرتا ہوں۔ میں نے ان سے کہیں منقول نہیں دیکھے اور شاید ان کے ذہن میں بھی نہ آئے
ہوں مگر احتیاطاً تمام محتملات کا جہاں جہاں گنجائش محتمل تھی انسداد کئے دیتا ہوں۔

نمبر۱۔ یہ جو آیت میں نے پڑھی ہے اس میں احتمال ہے کہ شاید استدلال کر سکیں
جواب ظاہر ہے کہ فرح کو کون منع کرتا ہے اس کی خاص ہیئت کو منع کرتے ہیں اور اس کا جواز آیت
میں منقول نہیں اگر ایسے کلیات سے استدلال ہوتا تو فقہا کی تصریحاً منع کی ہوئی بدعات صلوٰۃ
الرغائب وغیرہ سب جائز ہوں گی کسی نہ کسی کلیہ میں تو وہ بھی داخل ہیں اور یہی ایک خرابی ہے اہل
زیغ میں تامل نہیں کرتے کہ قضیہ ناہیہ میں موضوع اور ہے اور قضیہ مجوزہ میں اور پھر تناقض کہاں کہ
ایک کے اثبات سے دوسرے کی نفی ہو جائے اس کی نظیر الزنجی اسود والزنجی لیس
باسود ہے بلکہ اگر غور سے کام لیا جائے تو اس آیت پر ہم زیادہ عامل ہیں اس لیے کہ موجدین کا
فرح تو متجدد ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ درمیان میں فرح نہ رہا تھا پھر تازہ کیا ہے اور ہمارا فرح دائم
ہے۔ پس آیت ان کے خلاف ہوگی جو فرح کو منقطع سمجھتے ہوں یعنی اس نعمت کا شکر ترک کر دیا ہو
جس کو حق تعالیٰ نے لقد من اللہ الخ میں بھی ذکر فرمایا ہے اور اس آیت میں بھی فضل ورحمت کی

سب سے بڑھ کر فرد وجود باجود ہے حضور ﷺ کا پس جو فرح کو منقطع کر چکے ہوں وہ آیت کے مخالف ہوں گے جیسے کو جو فرح کو متجدد کرتے ہیں وہ دوسری آیت ناهية من الابتداع کے خلاف کرتے ہیں۔ حاصل تقریر کا یہ ہے اس فرح کی تحدید تو تفریط ہے اور اس کی تجدید بالحجم افراط ہے اور اس کی ادامت مطلوب ہے۔ سو بحمد اللہ تعالیٰ ہم اس نعمت وبرکت سے مشرف کئے گئے ہیں نہ محدد ہیں نہ مجدد۔

نمبر۲۔ ایک استدلال مشہور ہے کہ ابولہب نے ثوبیہ کو آزاد کر دیا تھا اور اس کو تخفیف ہوگئی جواب اس کا بھی وہی ہے جو گزرا کہ نفس فرح کو کون منع کرتا ہے مگر اس سے قیود وخصوصیات یا تعید کیسے ثابت ہوئی۔

نمبر۳۔ شاید کوئی اس آیت سے استدلال کرے۔ قال عیسى بن مريم اللّٰهم ربنا انزل علينا مائدة من السماء تكون لنا عيداً لا ولنا واخرنا الایہ کہ دیکھو اس میں مصرح ہے کہ یوم عطائے نعمت کو عید بنانا تجویز کیا اور اصول میں مقرر ہے کہ اذا قصّ اللّٰہ الخ اور اس پر یہاں انکار کیا نہیں گیا۔ پس جیسے ہمارے لئے بھی ہو جائے گی۔ جواب اس کے لئے دو ہیں اول یہ کہ یہ ضرور نہیں کہ اسی جگہ انکار ہو شریعت میں کہیں بھی ہو کافی ہے چنانچہ سجدہ ملائکہ آدم علیہ السلام وسجدۂ والدین واخوۂ یوسف علیہ السلام جس جگہ منقول ہے وہاں انکار نہیں اور پھر فقہا نے سجدۂ تحیہ للمخلوق کی حرمت مانی ہے۔ اور اس تعید کے انکار کے دلائل شرعیہ اول منقول ہو چکے ہیں۔ پس استدلال تام نہ رہا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یوم نزول مائدہ کا عید بنانا مذکور ہی نہیں صرف مائدہ کی طرف ضمیر راجع ہے اور عید بمعنی سرور ہے یعنی وہ مائدہ ہمارے اول وآخر کے لئے مایۂ سرور بن جائے کہ اس نعمت پر دائما فرحاں وشاداں وشاکر رہیں۔ کما ذکر فی فضل اللّٰہ ورحمتہ

نمبر۴۔ بخاری میں قصہ ہے کہ ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر آیت اکملت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس یوم کو عید بنا لیتے جس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا نذلت يوم جمعة وعرفة وكلا هما بحمد الله لنا عيد اور طبری اور طبرانی میں یہ ہے وهما لنا عيدان اور ترمذی میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا نذلت في يوم عيد من يوم جمعة ويوم عرفة

دیکھو ان دونوں حضرات نے تعید پر انکار نہیں کیا بلکہ اس کو ثابت کیا اس روز ہماری بھی عید تھی اس کے بھی دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ انکار اسی جگہ ضرور نہیں جیسا کہ مذکور ہوا۔ دلائل شرعیہ انکار کے کافی ہیں۔ چنانچہ ہمارے فقہا نے تعریف پر انکار کہ وہ بھی ایک عید ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شجرۂ حدیبیہ پر اجتماع کا انکار کہ وہ بھی مشابہ عید کے تھا منقول ہے۔ جس سے معلوم ہوتا

ہے کہ وہ ایسی تعید کو جائز نہ سمجھتے تھے نیز حضرت ابن عباس کا قول صحیحین وسنن ترمذی ونسائی میں مروی ہے۔ ليس التحصيب بشي انما هو منزل نزله رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا في التعليق الممجد۔ حالانکہ تحصیب منقول بھی ہے لیکن صرف اتنی بات پر کہ کوئی شخص عادت کو عبادت سمجھ جائے اس کو لیس بشی کہتے ہیں تو جو سرے سے منقول بھی نہ ہو نہ کلاً نہ جزءاً اس کو عبادت سمجھنا ان کے نزدیک کس قدر قابل انکار ہوگا اور یہاں ہی سے معلوم ہوا کہ ان سے جو تعریف مذکور نقل کی گئی ہے، وہ روایت یا اس علت سے جس پر ان کا فتویٰ تحصیب کے باب میں دال ہے معلول ہے یا ماول ہے قصد دعا یا التزام وبلا تشبہ باہل عرفات کے ساتھ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہودی کو اس مسئلہ فرعیہ کے جتلانے کی حاجت نہ تھی کہ یہ تعید کیسی ہے بلکہ اس کو ایک خاص طرز پر جواب دیا کہ تو جو کہتا ہے کہ ایسی نعمت عظمیٰ میں عید نہیں ہوئی یہ غلط ہے تم تو پیچھے عید کرتے ہمارے یہاں پہلے سے عید ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو اس سے بھی نکیر علی تعید ثابت ہوتا ہے یعنی ہماری شریعت میں چونکہ ایسے اسباب سے عید کرنا درست نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کو اس کے نزول کے یوم کو عید کرنا مقصود تھا۔ اس لئے ایسے ہی دن نازل فرمایا کہ عید بھی ہو جائے اور بدعت سے بھی بچے رہیں۔

نمبر۵۔ ایک احتمال اس حدیث سے استدلال کرنے کا ہے کہ حضور ﷺ دوشنبہ کے روز روزہ رکھتے تھے اور سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ذلك اليوم الذي ولادت فيه اس سے معلوم ہوا کہ یوم ولادت میں کچھ قربات ادا کرنا مشروع ہے اور فرح وسرور اجتماع للذکر وتقسیم طعام یا شیرینی یہ سب قربات ہیں۔ پس یہ بھی مشروع ہوں گے جواب اس کے دو ہیں ایک یہ کہ حدیث میں ایک دوسری وجہ بھی منقول ہے وہ یہ کہ اس یوم میں اور خمیس میں بھی اعمال پیش ہوتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ حالت صوم میں میرے اعمال پیش کئے جائیں۔ پس اس صورت میں احتمال ہو گیا کہ ذلك اليوم الذي ولادت فيه علت نہ ہو بلکہ علت تو عرض اعمال ہو اور وہ حکمت ہو اور حکمت کے ساتھ حکم دائر نہیں ہوتا دوسرے دو حال سے خالی نہیں آیا یہ علت عام اور یہ حکم موافق قیاس کے ہے یا علت خاص اور حکم خلاف قیاس ہے اگر شق اول ہے تو کیا وجہ کہ یوم الاثنین میں کہ یوم ولادت ہے نوافل اور تلاوت قرآن واطعام طعام حضور ﷺ یا صحابہ سے منقول نہیں باوجود توفیر رغبت الی الخیر کے نیز ربیع الاول کی ۸ یا ۱۲ کہ تاریخ ولادت ہے خود روزہ کیوں منقول نہیں نیز ولادت جیسی نعمت ہے۔ بہت سی اور نعمتیں بھی آپ کو عطا ہوئیں، نبوت، ہجرت، فتح مکہ وغیرہا ان کے ساتھ کسی عبادت کو معلق نہیں فرمایا۔

پس معلوم ہوا کہ نہ علت عام ہے نہ حکم موافق قیاس کے ہے علت بھی خاص ہے اور حکم بھی خلاف قیاس ہے اور اصل مدار اس کا وحی اور نقل ہے پس اس حالت میں قیاس کہاں جائز ہوگا

خاص کر غیر مجتہد کو جبکہ ایسے مقام پر مجتہد کو بھی جائز نہیں۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ یہ تو موافق قیاس کے،
لیکن اور نعمتیں فرع ہیں اور ولادت اصل ہے اس لئے اس روز قربات مشروع ہوئیں تو اس کا
جواب یہ ہے کہ حمل ولادت کی بھی اصل ہے اس تاریخ میں کوئی قربت کیوں نہیں مشروع ہوئی پھر
یہ کہ دوسری قربات آپ سے خود یوم ولادت یا تاریخ ولادت میں کیوں منقول نہیں علاوہ اس کے
اگر اس سے استدلال کیا جائے تو حیرت ہے کہ یوم ولادت کہ یوم الاثنین ہے جو کہ حدیث میں
مذکور بھی ہے اس میں تو عید نہ کریں اور تاریخ ولادت جس میں کوئی چیز بھی حضور ﷺ منقول نہیں اس
میں عید کریں پس چاہئے کہ ہر دوشنبہ کو وہی اہتمام کیا کریں جو ۱۲ ربیع الاول کو کیا جاتا ہے۔ یہ گفتگو تھی
دلائل سمعیہ میں جانبین سے اب ہم اہل سنت کی طرف سے ایک عقلی دلیل بھی بیان کرتے ہیں وہ
یہ کہ شریعت میں ہر فعل کا ایک سبب خاص ہوتا ہے اور اس سببیت اور مسببیت کی تین صورتیں
شریعت میں پائی جاتی ہیں، ایک یہ کہ سبب بھی بار بار پایا جاتا ہے جیسے اوقات صلوٰۃ صلوٰۃ کے لئے
اور رمضان صوم کے لئے فطر صیام عید کے لئے یوم اضحی اضحیہ کے لئے دوسرے یہ کہ سبب بھی ایک
ہی ہے مسبب بھی ایک جیسے بیت اللہ حج کے لئے اور یہ دونوں امر مدرک بالعقل ہیں اور تیسری
صورت یہ کہ سبب ایک بار پایا گیا، اور مسبب بار بار پایا جائے۔ جیسے مشرکین کو قوت دکھلانے کے
لئے رمل کیا گیا تھا پھر ارادہ قوت تو نہ رہی مگر رمل رہ گیا اور یہ عمل مدرک بالعقل نہیں اس لئے اس
میں بجز وحی کے کوئی سبیل نہیں۔ جب یہ قاعدہ ممہد ہو گیا اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ عید میلاد کا سبب کیا
ہے۔ ظاہر ہے کہ صرف حضور ﷺ کی ولادت کی تاریخ ہونا اب دیکھئے کہ وہ تاریخ واحد ہے جو منقضی
ہو گئی یا متجدد ہے ظاہر ہے کہ وہ منقضی ہو چکی دوسری تاریخ اس کا عین نہیں صرف مثل ہے اور مثل کا
مدار حکم ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ پس اس حالت میں عید کا متجدد ہونا امر غیر مدرک بالعقل ہوگا
اس لئے محتاج وحی ہوگا۔ قیاس اس میں حجت نہ ہوگا اور نہ وحی ہے نہیں اس لئے اس کو زیادت علی
الشرع کہیں گے اور اس سے حضور ﷺ کے ارشاد ذلك اليوم الذی ولادت فيه پر شبہ نہ کیا
جائے کہ وہ یوم تو منقضی ہو گیا تھا۔ جواب یہ ہے کہ اس صورت میں ہم کہہ چکے ہیں کہ وحی کی
ضرورت ہے اور آپ کے پاس اس حکم پر وحی تھی اور جس طرح یہ ہمارے پاس دلیل عقلی ہے اسی
طرح ان کے پاس بھی ایک دلیل عقلی ہے وہ یہ کہ اس میں مقابلہ ہے اہل کتاب کا کہ وہ ولادت
مسیح علیہ السلام کے دن اظہار شوکت کرتے ہیں۔

پس ہم ولادت نبویہ کے روز کرتے ہیں اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ ہمارے لئے
اظہار شوکت کا دن شارع ﷺ مقرر فرما چکے ہیں۔ عید بقر عید بلکہ ہر جمعہ پھر اس اختراع کی کون
حاجت رہی، دوسری اگر یہی بات ہے کہ ان کے ہر عمل کے مقابلہ میں ایک ایسا ہی عمل ہو تو چاہیے
محرم کی دسویں بھی کیا کریں تا کہ اہل تشیع کے مقابلہ میں اظہار شوکت اہل حق ہو اور نیز عوام ان کی

دسویں میں جانے سے بچیں اور اگر اس کا کوئی التزام کرے تو اس کے جواب کے لئے ایک حکایت
نقل کرتا ہوں کہ جونپور میں ایک صاحب ہر مہینہ کی دسویں کو مجلس کیا کرتے تھے اور ایسی ہی
مصلحت بیان کرتے تھے۔ ایک محقق عالم نے ان سے کہا کہ اگر ایسی ہی مصلحت ہے تو ہندو کے
ہولی دوالی ہوتی ہے تو چاہئے مسلمان بھی ایک ہولی دوالی کیا کریں اسی راز کی بنا پر حضور ﷺ نے
ایسے مقابلے پر انکار صریح فرمایا ہے جبکہ صحابہ نے عرض کیا کہ اجعل لنا ذات نواط كما لهم
ذات انواط تو آپ نے فرمایا یہ تو ایسی ہی بات ہو گئی جیسے بنی اسرائیل نے کہا تھا۔ اجعل لنا
الها كما لهم الهة اور جاننا چاہئے کہ بعض مقامات پر ایک مجلس رجبی کے نام سے بتخصیص تاریخ
۲۷ رجب نہایت اہتمام سے منعقد ہوتی ہے دلائل مذکورہ منع کے اور جوابات شبہات جواب اس
میں بھی اکثر جاری ہیں پس اس کا حکم بھی یہی ہے کہ وہ بھی داخل بدعت ہے۔

كتبه ليلة الاثنين ثامن ربيع الاول تاريخ المولد الشريف
عند كثير من العلماء ۱۳۳۳ سنه هجری
ثم بعد هذا لتحرير ذكر هذا المضمون تقريرا يوم الجمعة
ثانی عشر من الشهر المذكور تاريخ المولد الشريف على
القوم المشهور من السنة المذكورة۔

واعظ

الحُبُور

النُور الصُدور

این	متی	کیف	کم	لماذا	من ای شان	ضبط من	[illegible]	الاشتات
کہاں	کب	کیسے	کتنا	کس لئے	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	مقدار سامعین	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	۳۰ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ جمعہ	بیٹھ کر	۲ گھنٹہ ۴۰ منٹ		متعلق ماہ ربیع الاول و ربیع الثانی	ظفر احمد عفی عنہ	۱۰۰ تقریبا	اہل بدعت کے لئے بالخصوص مفید تھا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له ونشهد ان سيد ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى اله واصحابه وبارك وسلم امابعد فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحمٰن الرحيم. ويوم تقوم الساعته يومئذ يتفرقون فاما الذين امنوا وعملوا الصّٰلحٰت فهم فى روضة يحبرون واما الذين كفروا وكذبوا بأياتنا ولقاء الاخرة فاولئك فى العذاب محضرون ۞

یہ آیتیں جو میں نے پڑھی ہیں ان میں الفاظ کا مدلول تو صرف اعمال صالحہ وعقائد صالحہ کا ثمرہ ثواب جنت ہونا اور اعمال غیر صالحہ وعقائد باطلہ کا ثمرہ عذاب جہنم ہونا ہے اور عجب نہیں کہ سننے والے اس ظاہری مدلول سے یہی سمجھے بھی ہوں گے کہ اس وقت مقصود اعمال صالحہ کی ترغیب اور اعمال غیر صالحہ سے ترہیب کا بیان کرنا ہے ایک حد تک یہ بات صحیح ہے مگر مجھے اس وقت اس پر اکتفا کرنا مقصود نہیں بلکہ اس کے ساتھ اور دوسری باتیں اور بعضے خاص مسائل بھی بیان کرنا مدنظر ہیں جن کی وجہ خصوصیت ایام ہے۔

یہ بات اکثر احباب کو معلوم ہے کہ ان ہی ایام ربیع الاول میں بھی تو ربیع الاول سے پہلے اور کبھی خاص اسی مہینے میں چند سالوں سے میرا یہ معمول ہو گیا ہے کہ ان اعمال وعقائد کی بابت کچھ بیان کیا کرتا ہوں جو ان ایام میں اکثر لوگ آج کل کرتے ہیں۔ چنانچہ اس مقصد میں چند وعظ النور الظھور وغیرہ شائع بھی ہو چکے ہیں۔ پارسال بھی ایک مضمون السرور کے نام سے بیان ہوا تھا۔ اس وقت آئندہ سال کے لئے یہ نیت تھی کہ اسی مضمون کو بعنوان دیگر بیان کر دیا جائے گا۔ مگر بزرگوں کا مقولہ ہے "عرفت ربی بفسخ العزائم" یہ نیت بعد میں بدل گئی۔ چونکہ مضامین جدیدہ ذہن میں تھے نہیں اور اعادہ کو جی نہ چاہا۔ اس لئے ارادہ امسال فسخ ہو چکا تھا۔ چنانچہ مہینہ ختم ہونے کو بھی آ گیا۔ اور اب تک اسی لئے کہ مضمون جدید ذہن میں نہ تھا۔ کوئی بیان ان امور مروجہ کے متعلق نہیں ہوا مگر حق تعالیٰ کی قدرت ہے کہ اس ارادہ کا پھر حشر ہوا۔ چونکہ وہ ارادہ پہلے موجود ہوا تھا۔ پھر فنا ہو گیا۔ پھر اب موجود ہوا۔ اس لئے یہ گویا اس کا حشر ہوا۔ حشر کے معنی ہیں مردہ کا زندہ ہو جانا۔ یہ مضمون اگرچہ پہلے ہفتہ میں ذہن میں آ چکا تھا۔ مگر اس وقت ایک دوسرے مضمون کو مقدم کرنا مناسب معلوم ہوا وہ یہ کہ اس وقت قحط سالی کی عام طور پر شکایت ہو رہی ہے تو اس میں بتلایا گیا تھا کہ اس کا اصلی سبب کیا ہے پھر یہ خیال ہوا کہ جس طرح اس ارض ظاہری کی حیات کا سبب بیان کیا گیا ہے۔ تو ارض باطنی جو قلب ہے اس کی حیات کا طریقہ راز بھی کیوں نہ بیان کیا جائے، ان دونوں مضمونوں کو پہلے ہفتہ میں الگ الگ بیان کر کے مجموعہ کا نام اساس الاربعین رکھ دیا گیا چونکہ وہ دونوں مضمون مستقل تھے اس لئے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ لقب حیات الجدوب وحیات القلوب بھی مقرر کر دیا۔ لفظ جدوب کے معنی لغت میں تلاش کئے تو جدب کی جمع معلوم ہوئی جس کے معنی قحط کے ہیں، جیسے قلوب قلب کی جمع ہے اب چونکہ وہ مضمون جس کا مقدم کرنا مناسب تھا بیان ہو چکا تو اس ہفتہ میں اس معمول کو پورا کرنے کا خیال پیدا ہوا کیونکہ مانع بھی مرتفع ہو گیا اس لئے اس سال بھی اس معمول کو پورا کیا گیا اور اس کا نام پارسال ہی ذہن میں الحبور آ چکا تھا اس میں یہ بیان کیا جائے گا کہ

حضور ﷺ کی بعثت کی اصل غایت ایمان اور اعمال صالحہ ہے:

ایمان اور اعمال صالحہ آپ کی بعثت کی اصل غایت ہے جس کا ثمرہ جنت کی راحت ہے لہٰذا حضور ﷺ کی بعثت قابل فرح دراصل اس لئے ہے کہ آپ کی بدولت اعمال صالحہ اور ایمان کی نعمت ہم کو نصیب ہوئی۔ یہ مضمون تو گزشتہ مضامین کے مانند ہے جو آیت کے دو جملوں سے سمجھ میں آ گیا ہوگا اگرچہ اس کی تفصیل بہت کچھ کی جا سکتی ہے مگر اس وقت کا بیان زیادہ اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ ایک دوسرا مضمون بھی ذہن میں آ گیا۔ جو زیادہ تر اس وعظ میں مذکور ہوگا اور پہلا مضمون بقدر ضرورت واختصار ذکر ہوگا۔ زیادہ حصہ دوسرے ہی مضمون کا ہوگا اور وہ مضمون ہر سال ذہن میں آتا تھا۔ مگر بیان سے رہ جاتا تھا کیونکہ ہمیشہ بعد وقت گزر جانے کے اس کا خیال آتا تھا اب بھی وہ مضمون وقت کے بعد ہی ذہن میں آیا کیونکہ مہینہ بالکل قریب ختم آ گیا ہے اور اس ضرورت کا موقع اوائل ماہ ہے۔ مگر اس سال پھر بھی اس کو بیان کرنا ضروری معلوم ہوا تاکہ رہ نہ جائے اور آئندہ ایسے ہی موقع پر کام آئے اور وہ مضمون تبرکات کا ہے جس کو حضور ﷺ کی ذات سے اس لئے تعلق ظاہر ہے کہ آپ تمام تبرکات کے سردار اور سب کی اصل ہیں۔ اور اسی لئے اس وقت صرف ان ہی تبرکات کا بیان نہ ہوگا۔ جن کو حضور ﷺ کی ذات سے تعلق ہے۔ بلکہ عموماً تمام تبرکات کے متعلق بیان کیا جائے گا۔ خواہ وہ تبرکات انبیاء کے ہوں یا تبرکات اولیاء کے خصوصیت وقت ومقام یہ ہے کہ ہمارے قصبہ کے قریب ایک تبرک موجود ہے۔

حضور ﷺ کے جبہ کا بیان:

اور وہ جبہ ہے رسول اللہ ﷺ کا جس کی سند مثل احادیث کے تو متصل نہیں مگر ہمارے بزرگوں نے اس کا انکار نہیں کیا اور جی کو بھی یہ بات لگتی ہے کہ وہ صحیح ہے اور اس کی زیارت اسی ماہ ربیع الاول میں ہوتی ہے اس لئے اس ماہ سے بھی اس مضمون کو تعلق ہے۔ مگر چونکہ ہم لوگ عرس وغیرہ کرتے نہیں۔ اس لئے مثل اہل عرس کے کبھی وقت پر یہ مضمون خیال میں نہ آیا کیونکہ آجکل ایک جماعت درویشوں کی ہے۔ جو صرف عرسوں ہی میں شریک ہونے کے لئے پیدا ہوئے ہیں جس وقت دیکھئے ان کا بستر کسی نہ کسی عرس کے لئے بندھا رہتا ہے۔ اور یہ ان کے نزدیک بڑا سرمایہ آخرت ہے۔ یہ اللہ کے بندے گھبراتے بھی تو نہیں۔ نہ معلوم روز کے روز ان سے سفر کس طرح ہوتا ہے۔ ہمیں تو ذرا سی دور کے سفر سے بھی پریشانی ہوتی ہے۔ اب یا تو اس کی یہ وجہ ہے کہ

وہ لوگ بڑے باہمت ہیں اور ہم لوگ کم ہمت ہیں یا یہ کہ وہ لوگ نکمے ہیں اور ہم لوگ کام کے ہیں، خیر وہ اپنے آپ کو باہمت سمجھتے ہیں اور ہم لوگ اپنے کو بیکار سمجھتے رہیں۔ غرض ایسے لوگوں کو عرسوں کی تاریخیں خوب یاد رہتی ہیں۔ مگر ہم لوگوں کو اس واسطے یاد نہیں رہتیں کہ اس کا ہمارے یہاں کسی قسم کا چرچا نہیں ہوتا نیز زیادہ چرچا ان باتوں کا بچوں سے بھی ہوا کرتا ہے۔ ہمارے یہاں ان باتوں کے لئے مدرسہ میں بچوں کو تعطیل ہی نہیں ہوتی اور نہ طلباء کو اس میں شریک ہونے کی اجازت ہے۔ بلکہ سخت ممانعت ہے ان وجوہ سے اس مرتبہ بھی یہ مضمون وقت پر ذہن میں نہیں آیا۔ بلکہ اس وقت اس کا خیال آیا مگر احکام شرعیہ کے لئے وقت ہی کیا جب یاد آ جائے وہی وقت ہے اور چونکہ یہ مضمون آخر وقت میں ذہن میں آیا اس لئے ایک دوسرا مضمون بھی اس کے ساتھ بیان کرنا مناسب ہو گیا۔ یہ دن چونکہ ربیع الاول کی ور ربیع الثانی کے وسط میں ہے کہ یا تو آج ربیع الاول کی تیس تاریخ ہے یا ربیع الثانی کی پہلی ہے اس لئے ربیع الثانی کے متعلق گیارہویں کا مضمون بھی ذہن میں آ گیا۔

تو اب اس وعظ کے بھی دو جز ہو جائیں گے، ایک جزو جناب رسول اللہ ﷺ کے قدوم مبارک کے متعلق جو کہ اصل ہے۔ دوسرا گیارہویں اور تبرکات کے متعلق یہ سب مضامین الگ الگ بیان کروں گا۔ ہر چند کہ ان تینوں جزؤں کے متعلق جو مضمون ہے اس کے لئے ایک حدیث ذہن میں ہے۔ جس کا تعلق اس مضمون سے بے تکلف واضح طور پر ہے۔ اور سارا بیان قریب قریب اسی حدیث پر متفرع ہوگا مگر چونکہ آیت شریفہ اول ذہن میں آ چکی تھی۔ اس لئے اس کے چھوڑنے کو جی نہ چاہا۔ نیز وہ حدیث اس آیت کی شرح ہے۔ اس لئے آیت کو حدیث کی اصل قرار دیا گیا اور حدیث کو تمام وعظ کی اصل۔

پس حدیث آیت پر متفرع ہے اور وعظ حدیث کی فرع ہے۔ اس طرح اس بیان کو حدیث اور آیت دونوں سے تعلق ہوگا۔ اول آپ آیت کا مطلب سنئے حق تعالیٰ شانہٗ اس مقام پر قیامت کا ذکر فرما رہے ہیں۔ ویوم تقوم الساعة یومئذ یبلس المجرمون ولم یکن لھم من شرکائھم شفعاء وکانوا بشرکائھم کافرین ویوم تقوم الساعة یومئذ یتفرقون ط جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن مجرم ناامید ہوں گے۔ پھر ایک آیت کے بعد یوم تقوم الساعة کا اعادہ فرماتے ہیں۔ "ویوم تقوم الساعة یومئذ یتفرقون ط" جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔ اس لفظ کے اعادہ میں نکتہ زیادت تہویل ہے۔ چنانچہ اردو محاورہ میں بھی ایسے موقع پر اسی طرح کلام کیا جاتا ہے کہ فلاں روز یوں واقعہ ہوا۔ اس روز اس طرح حادثہ پیش آیا۔ اس روز کے لفظ کو بار بار اعادہ کرتے ہیں نیز اس طرز سے حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت صاف صاف ٹپکتی ہے جس روز کے ساتھ قیامت کے متعلق کفار کا حال ابلاس

بیان فرمایا مین اسی بیان ابلاس میں جو کہ ظاہراس کے مقابل کی طرف توجہ کے ضعف کا سبب متوہم ہوتا تھا۔ اسی روز کے ساتھ مومنوں کی حالت بھی بیان فرمائی اور اگر ایسا نہ ہوتا تو بہت سے لوگ رحمت خداوندی سے مایوس ہو جاتے۔ کیونکہ جن کو حق تعالیٰ نے اپنے کلام کا فہم اور اثر عطا فرمایا ہے۔ جب وہ نہایت بلاغت وفصاحت اور شدومد کے ساتھ یہ مضامین وعید وتہدید کے کفار کی بابت سنتے تو ان پر غلبہ خوف کی وجہ سے وہی حالت طاری ہو جاتی جو حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن کے اثر میں بیان فرمائی ہے "لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ کہ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اس کو اللہ کے خوف سے پست اور پھٹنے والا دیکھتے"۔ اگر قرآن میں وعید کے ساتھ ساتھ بشارت نہ ہوتی تو بہت سے قلوب مارے خوف کے شکستہ ہو جاتے تو اس طرز سے حق تعالیٰ شانہٗ نے ظاہر فرما دیا کہ ہم کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو کہ غصہ کے وقت رحمت نہ ہو سکے جیسا کہ انسان اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ کہ غصہ کے وقت اگر کوئی دوست سامنے آ جائے تو اس سے بھی اسی سختی کے لہجہ میں گفتگو کی جاتی ہے۔ انسان سے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ عین شدت غضب میں اگر کوئی دوست سامنے سے آ جائے تو لہجہ بالکل بدل جائے اور دل میں سکون ہو جائے۔ چہرہ کی حالت بالکل بدل جائے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اوپر جب کوئی حالت طاری ہوتی ہے تو ہم اس سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ اگر اس وقت دوسری حالت کے اسباب پیدا بھی ہو جائیں تو دفعتاً حالت کا بدلنا قریب قریب محال ہے۔ تو شاید کوئی شخص آیات وعید کو شدومد کے ساتھ قرآن میں دیکھ کر خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کرنے لگتا۔

حق تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کرنے کی غلطی:

کہ ایسے غصہ کے وقت اگر کسی مطیع بندے کا خیال آ گیا تو کہیں اس پر بھی سختی نہ ہونے لگے کیونکہ لوگوں نے ہمیشہ حق تعالیٰ شانہٗ کو اپنے آپ پر قیاس کیا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں تین شخصوں کا واقعہ آتا ہے۔ کہ وہ تینوں اس بات میں مشورہ کرنے بیٹھے کہ حق تعالیٰ ہماری کوئی بات سنتے ہیں یا نہیں، ایک صاحب بولے کہ جب ہم زور سے بولتے ہیں تو سنتے ہیں، آہستہ بولتے ہیں تو نہیں سنتے۔ دوسرے صاحب بولے کہ نہ زور سے بولنے میں سنتے ہیں نہ آہستہ بولنے میں۔ یہ سمجھے کہ جس قدر بعد ہے۔ اس نسبت سے آواز بلند نہیں ہے۔ تیسرے صاحب بولے جوان میں ذرا عقلمند اور بوجھ بجھکڑ تھے، کہ اگر سنتے ہیں تو ہر طرح کی بات سنتے ہیں۔ آہستہ کی بھی اور زور کی بھی، اور جو نہیں سنتے تو کوئی سی بھی نہیں سنتے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ سے ہم اس قدر دور ہیں کہ اتنی دوری میں زور کی آواز بھی آہستہ ہی کے حکم میں ہے۔ چنانچہ ہم یہاں بیٹھے ہوئے کس قدر آواز سے باتیں کرتے ہیں مگر جو لوگ دور ہیں جیسے کلکتہ والے وہ ہماری اس آواز کو نہیں سن

سکتے۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ وما کنتم تستترون ان یشهد علیکم سمعکم ولا ابصارکم ولا جلودکم ولٰکن ظننتم ان اللّٰه لا یعلم کثیرا مما تعملون وذٰلکم ظنکم الذی ظننتم بربکم اردٰکم فاصبحتم من الخاسرین ط اس ان اللّٰه لا یعلم کثیراً ممّا تعملون پر ایک قصہ یاد آیا۔

ایک نیم ملاّ کا غلط معنی سمجھنے کے سبب حافظ کو لقمہ دینا:

منگلور میں ایک حافظ صاحب نے یہ آیت نماز میں پڑھی ولٰکن ظننتم ان اللّٰه لا یعلم کثیراً مما تعملون ان کے پیچھے ایک نیم ملا بھی تھے۔ انہوں نے حافظ کو لقمہ دیا۔ ان اللّٰه یعلم کثیراً مما تعملون حافظ صاحب نے پھر آیت کا اعادہ کیا چونکہ اس کو اچھی طرح لا یعلم کثیراً ممّا تعملون یاد تھا اس نے بھی پڑھا ان مولوی صاحب کے لقمہ کی پرواہ نہ کی۔ بعد نماز کے مولوی صاحب نے حافظ صاحب سے سخت لہجہ میں کہا کہ ہم نے تم کو لقمہ دیا تم نے لیا کیوں نہیں سب کی نماز خراب کی۔ حافظ صاحب کو چونکہ خوب یاد تھا اس نے صاف کہہ دیا کہ قرآن شریف میں لایعلم ہی ہے دیکھ لیا جائے۔ قرآن شریف کو دیکھا تو واقعی اس میں بھی لایعلم نکلا۔ اب تو مولوی صاحب کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ ان اللہ لایعلم کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عدم علم تو محال ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کاتب سے غلطی ہوگئی ایک عالم بھی وہاں تھے انہوں نے سمجھایا کہ ان اللّٰه لا یعلم کثیراً مما تعملون ہی صحیح ہے اور یہ تو ظن کفار کا معمول ہے کہ تم یوں گمان کرتے ہو کہ خدا کو ہمارے بہت سے اعمال کی خبر بھی نہیں تو ان اللّٰه لا یعلم ظننتم کے تحت میں داخل ہے، جب ان نیم ملا صاحب کی حیرت ختم ہوئی اور سمجھے کہ میں نے کتنی بڑی غلطی کی کہ ظننتم پر خیال نہ کیا۔ دوسرے اس بھلے مانس کو یہ بھی خیال نہ ہوا کہ ان اللّٰه لایعلم کثیراً مما تعملون میں کثیراً کی قید کے کیا معنی ہوں گے۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بہت اعمال کو جانتے ہیں یعنی سب کو نہیں جانتے مگر خیر چونکہ بیچارے کسی قدر ذی علم تھے اس لئے تنبیہ سے سمجھ گئے۔ شاید کوئی یہ کہے کہ نیم ملا ہونا تو برا ہے، پھر اسے اچھا کیوں کہا گیا کہ ذی علم تھے بات یہ ہے کہ نیم ملا ہونا اس وقت برا ہے جبکہ وہ اپنے کو مستقل سمجھے اور جو نیم ملا محقق کا تابع ہو کر رہے تو ایسا نیم ملا تو اچھا ہے۔ یہ تو ان اللّٰه لایعلم کثیراً مما تعملون کے متعلق ایک لطیفہ تھا۔ میں یہ بیان کر رہا تھا کہ لوگ خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک واقعہ تو حدیث کا بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ مرض لوگوں میں قدیم سے ہے آج کل بھی ایسے واقعات سننے میں آتے ہیں۔

عورت کی حکایت کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کیا:

خود ہمارے اس قصبہ میں ہمارے محلہ کی ایک بوڑھی عورت میرے پاس آئیں اب تو اس بیچاری کا انتقال ہو چکا۔ مگر ان کی اولاد موجود ہے آ کر کہنے لگی کہ میں یوں پوچھوں کے اللہ میاں زندہ ہیں ان کی اس بات پر گھر میں جو مستورات تھیں سب ہنسنے لگیں۔ میں نے منع کیا کہ ہنسو مت اس کو اس کی فہم کے مطابق جواب دو تا کہ یہ سمجھ جائے۔ غنیمت ہوا کہ اس نے یہ اعتقاد قائم نہیں کیا تھا کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ زندہ نہیں بلکہ کم فہمی کی وجہ سے ہی تردد میں رہی۔ میں نے اس کی سمجھ کے موافق اس سے کلام کیا اور یہ پوچھا کہ بڑی بی آخر تم دیکھتی ہو کہ لوگ پیدا ہوتے ہیں مرتے ہیں دنیا میں اولاد ہوتی ہے تو یہ کام کون کرتا ہے؟ کہنے لگی اللہ میاں۔ میں نے کہا کہ اچھا بارش کون برساتا ہے کہنے لگی اللہ میاں۔ میں نے کہا کہ جب یہ سارے کام حق تعالیٰ کرتے ہیں اور یہ سب کام بدستور جاری ہیں تو اس سے خود معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ زندہ ہیں۔ زندہ نہ ہوتے تو یہ کام کیسے ہوتے۔ کہنے لگیں کہ اب سمجھ میں آ گیا۔ تو اس بیچاری بڑھیا نے بھی حق تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کیا۔ کہ اتنے زمانہ طویل سے موجود ہیں۔ معاذ اللہ بوڑھے ہو گئے ہوں گے نہ معلوم زندہ بھی ہیں یا نہیں یہ حکایت تو محلہ مخلت کی ہے۔

مثل سابق کئی نادانوں کی حکایتیں:

ایک قصہ محلہ نوگا نوے کا ہے کہ وہاں سے ایک بڑی بی آئیں اور مجھ سے کچھ فقر وفاقہ کی شکایت کی پھر کہنے لگیں کہ مولوی جی میں زیادہ کہتی بھی نہیں کہیں اللہ میاں خفا ہوں کہ میرے عیب کھولتی پھرتی ہے۔ ایک قصہ بہت کا ہے کہ وہاں ایک بڑی بی کہنے لگیں کہ میں یوں کہوں جب قیامت میں سب مر جائیں گے تو اللہ میاں کا جی نہ گھبرائے گا۔ اب اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کی عادت ہے کہ وہ ہر چیز کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے۔ خدا کو بھی لوگ اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں۔ ایک قصہ کانپور میں پیش آیا۔ وہاں ایک صاحب پوچھنے آئے تھے کہ تو بہ تو بہ حق تعالیٰ کے والدین کس جزیرہ میں رہتے ہیں میں نے اس سوال کو سن کر کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ سائل طالب ہے مگر جاہل ہے۔ بیچارے کو حق تعالیٰ کے والدین کی سکونت دریافت کرنے کا خیال اس لئے پیدا ہوا کہ اللہ میاں کے دربار میں مغفرت کے لئے ان کا وسیلہ پکڑے جبکہ حق تعالیٰ نے بندوں کو والدین کی اطاعت کا حکم دیا ہے تو خود بھی اس پر عمل کریں گے۔ اور اپنے والدین کے حکم کے خلاف نہ کریں گے۔ تو اس خیال کا منشا تو محض محبت ہے۔ مگر بوجہ جہالت کے حق تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کیا اور یہ نہ سمجھا کہ حق تعالیٰ والدین سے پاک ہے حافظ عبد اللہ صاحب مہتمم مدرسہ نے اس

سوال کے جواب میں سورۂ اخلاص کا ترجمہ سنا دیا۔ مگر یہ باتیں ان جاہلوں کی اس لئے بری نہیں معلوم ہوتیں کہ محبت سے کہی گئی ہیں۔ محبت کے ساتھ سب باتیں پیاری معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ شعبان موسیٰ علیہ السلام کی سب باتیں اللہ تعالیٰ کو پسند ہوئیں۔ کیونکہ سب کا منشا محبت تھی۔ اس نے بھی خدا کو اپنے اوپر قیاس کیا تھا۔ جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ انسان خدا کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے۔ تو شاید آیات وعید کو دیکھ کر بھلا حق تعالیٰ کے غصہ کو اپنے غصہ پر قیاس کرتے۔ جس سے ضعفاء کے دل ٹوٹ جاتے اس لئے حق تعالیٰ نے یوم تقوم الساعة یومئذ یبلس المجرمون فرما کر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ویوم تقوم الساعة یومئذ یتفرقون یعنی اس دن قیامت ہوگی۔ اس دن مجرم ناامید ہو جائیں گے۔ مگر سب کا یکساں حال نہ ہوگا۔ جس دن قیامت آئے گی۔ اس دن لوگ جدا جدا ہو جائیں گے جو لوگ ایمان والے ہیں اور انہوں نے اچھے عمل کئے ہیں وہ ایک بڑے باغ میں خوش کئے جائیں گے۔ یوم تقوم الساعة کے بعد یومئذ پھر زیارت تہویل کے لئے مکرر لایا گیا فی روضة میں تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی بڑے باغ میں خوش کئے جائیں گے یحبرون احبار سے ہے جو باب افعال کا مصدر ہے بمعنی سر جس کے بے تکلف معنی اردو محاورہ کے موافق یہ ہوئے کہ وہ بڑے باغ میں مسرور ہوں گے کیونکہ سر بھی لازی نہیں متعدی ہے اور دیکھئے حق تعالیٰ نے اس مقام پر یفرحون نہیں فرمایا۔ کیونکہ فرح لازم ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے، کہ ایمان والے جنت میں خوش ہوں گے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر طبعی خوشی انسان کو ہو سکتی ہے اس قدر ان کو خوشی حاصل ہوگی۔ سو یفرحون سے طبعی خوشی پر زیادتی سمجھ میں نہ آتی یحبرون سے بات بتلا دی گئی کہ ان کو طبعی خوشی سے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوگی کیونکہ ان کو خوش کیا جائے گا یعنی انکے خوش کرنے کا اہتمام ہوگا کوئی خوش کرنے والا ان کو خوش کرے گا۔ جیسا کہ علماء نے یہی نکتہ مطہرة میں بیان فرمایا ہے کہ ازواج مطہرة کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے ان کو پاک کیا ہے صرف یہی نہیں کہ وہ خود بخود پاک ہیں کیونکہ جو پاکی خود بخود حاصل ہوتی ہے وہ کم ہوتی ہے دیکھئے اگر ایک کپڑے کو نہر میں دن رات ڈالے رکھیں تو وہ خود پاک ہو جائے گا۔ مگر جو خوبی اس وقت حاصل ہوگی کہ اس کو کسی شخص کے سپرد کیا جائے اور وہ پانی میں ڈال کر تختہ پر اسے کوٹ پیٹ کر صاف کرے وہ صرف نہر میں ڈالے رکھنے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہی نکتہ یحبرون میں ہو سکتا ہے۔ یعنی یہی صرف نہیں کہ وہ خوش ہوں گے۔ بلکہ خوش کئے جائیں گے اور ان کو حق تعالیٰ شانہ خوش کریں گے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کتنے بڑے ہیں۔ ان کی عظمت کے موافق ان کی دعا ہوئی خوشی بھی عظیم ہوگی اتنا فرق ہوگا کہ حق تعالیٰ شانہ کی عظمت تو بالفعل بھی غیر متناہی ہے اور اہل جنت کی خوشی بالفعل اگرچہ متناہی ہوگی مگر لا تقف عند حد کے اعتبار سے وہ بھی ایک طرح غیر متناہی ہوگی اور اس فرق کی یہ وجہ ہے کہ عظمت الٰہی داخل مشیت نہیں اور عظمت وسرور اہل جنت داخل مشیت ہے یعنی حق تعالیٰ کے ارادہ

واختیار کو اس میں دخل ہے اور حادث کی لاتناہی بالفعل محال اور لاتقف عند حد جائز غیر متناہی دونوں ہیں ایک غیر متناہی بالفعل دوسرے غیر متناہی بمعنی لاتقف عند حد حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب نے الاماشاء ربك کی تفسیر بھی یہی لکھی ہے کہ خلود اہل جنت و اہل نار داخل تحت القدرت ہے۔ اگرچہ منقطع کوئی بھی نہ ہوگا ورنہ بدون اس توجیہ کے بظاہر اس استثناء پر شبہ یہ وارد ہوتا ہے۔ کہ اہل جنت و اہل جہنم کے خلود کے ساتھ الاماشاء ربك کے کیا معنی کیونکہ بظاہر اس کا یہ ترجمہ ہے کہ وہ لوگ ہمیشہ جنت اور دوزخ میں رہیں گے مگر جبکہ چاہیں حق تعالیٰ تو اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید کبھی نکالے بھی جائیں گے۔ سو مولانا شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خوب تفسیر فرمائی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اسی حال میں رہیں گے مگر خدا جب چاہے تو ان کو نکالنے پر بھی قادر ہے۔ اگرچہ ایسا کیا بھی نہ جائے تو مطلب آیت کا یہ ہے کہ اہل جنت ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ مگر خدائے تعالیٰ اس پر مجبور نہیں مگر یہ سب اسی کی مشیت سے ہوگا۔ وعلی ہذا اہل نار بھی۔ پس جس طرح کہ اہل جنت و اہل نار کا خلود بوجہ داخل تحت القدرت ہونے کے غیر متناہی بمعنی لاتقف عند قد ہے اسی طرح اہل جنت کی خوشی بھی غیر متناہی اسی معنی کے لحاظ ہی سے حضرت شاہ صاحب نے اس دقیق مضمون کو اپنی تفسیر میں بہت ہی سلیس الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ جس سے ہر شخص کا ذہن اس معنی کی طرف منتقل بھی نہیں ہوتا اور ظاہر میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کسی بڑے اشکال کا جواب ہے البتہ جو لوگ مدرس ہیں اور مواقع اشکالات سے واقف ہیں۔ وہ اس کی قدر کر سکتے ہیں اور یہ شاہ صاحب کا اور بھی بڑا کمال ہے کہ ایسے دقیق مضمون کی معمولی لفظوں سے تعبیر فرما دیتے ہیں اس کی قدر بھی پڑھانے والے ہی جانتے ہیں کہ کم فہم لوگوں کے لئے مضمون کے سہل کرنے میں کس درجہ تعب برداشت کرنا پڑتا ہے۔ غرض اس تقریر سے یہ معلوم ہوگیا کہ اس آیت میں ایمان و اعمال صالحہ کا ثمرہ مذکور ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ والے جنت میں خوش ہوں گے۔ اور ظاہر ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ بغیر انبیاء علیہم السلام کے نہیں معلوم ہو سکتے۔ اسی لیے حق تعالیٰ نے ہر زمانہ میں انبیاء علیہم السلام کو بھیجا تاکہ لوگوں کو ایمان و اعمال صالحہ کا رستہ بتلا دیں اور اس وقت میں اول تو کسی اور نبی کی شریعت موجود نہیں اور اگر پہلے انبیاء میں سے کسی کی کوئی شریعت ہے بھی تو محرف ہے۔ جس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ پھر اگر غیر محرف بھی ہوتی تو منسوخ تھی۔ اس لئے اس وقت ایمان اور اعمال صالحہ کی دولت صرف ہمارے حضور ﷺ کی اتباع سے حاصل ہو سکتی ہے اگر حضور ﷺ تشریف نہ لاتے تو ہم اس دولت سے بالکل محروم رہتے حق تعالیٰ شانہ کا بہت بڑا احسان ہمارے اوپر ہوا کہ آپ کی برکت سے ہم کو اس دولت سے سرفراز فرمایا۔ اسی کو حق تعالیٰ شانہ نے بطریق امتنان احسان جتلا کر جا بجا قرآن شریف میں ذکر فرمایا ہے۔ کہیں فرماتے ہیں۔ ولولا فضل الله علیکم ورحمته لاتبعتم الشیطان الاقلیلا

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ ولولا فضل الله علیکم ورحمته لکنتم من الخسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان مواقع میں فضل اللہ ورحمتہ کی تفسیر بعثت محمدیہ سے کی ہے تو معنی آیت کے یہ ہوئے کہ اگر محمد ﷺ کو مبعوث فرما کر خدائے تعالیٰ تم پر اپنا فضل و رحمت نہ فرماتے تو تم ناکام اور محروم رہتے اور اگر اللہ تعالیٰ بعثت محمدیہ سے تم پر رحم و کرم نہ فرماتے تو تم شیطان کا اتباع کرنے لگتے۔ سوائے تھوڑے سے آدمیوں کے۔ اس جگہ ایک اشکال طالب علمی ہو سکتا ہے کہ الاقلیلا کے بڑھا دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو بدون بعثت محمدیہ کے بھی راہ مستقیم پا لیتے۔ جواب یہ ہے کہ اتباع سے مراد اتباع مطلق ہے نہ کہ مطلق اتباع۔ پس معنی یہ ہوئے کہ تم شیطان کے پورے متبع ہوتے۔ صرف بعضے لوگ جن کو خدائے تعالیٰ نے عقل کامل و سلیم عطا فرمائی ہے۔ وہ البتہ کامل اتباع شیطان کا نہ کرتے یعنی ایسے امور میں جن میں عقل کام دے سکتی ہے۔ صرف ان میں اتباع شیطان کا خاص ایسے لوگ نہ کرتے گو مطلق اتباع شیطان سے یہ بھی نہ بچتے کیونکہ جن میں عقل کام نہیں دیتی ان میں کوئی مانع اتباع شیطان سے نہ تھا۔

بعض احکام کا حسن و قبح عقلی بمعنی مدرک بالعقل ہونا اور بعض کا نہ ہونا:

تفصیل امور مذکورہ کی یہ ہے کہ بعض احکام شریعت کے بدیہی اور ظاہر بھی ہیں جن کا حسن و قبح عقل سے معلوم ہو سکتا ہے تو ایسی باتوں میں عقل سلیم سے راہ راست معلوم ہو سکتی ہے مثلاً ظلم کا قبیح ہونا انصاف کا پسندیدہ ہونا۔ زنا کی برائی۔ عفت و پارسائی کی خوبی ان باتوں میں بعض لوگ راہ مستقیم پر چل سکتے اور شیطان کے اتباع سے بچ سکتے تھے۔ گو تفصیلی احکام بدون نبوت کے ان میں بھی نصیب نہ ہوتے۔ مگر خیر کسی قدر اتباع شیطان سے ان باتوں میں محفوظ رہ سکتے تھے مگر چونکہ ایسی باتیں بہت تھوڑی ہیں ان کے معلوم کرنے ہی سے کیا کام چلتا بہت سی باتیں عبادات الٰہی کے متعلق ایسی ہیں۔ جن کو عقل بھی دریافت نہیں کر سکتی تھی۔ بالخصوص صفات و ذات باری تعالیٰ اور امور معاد کا تو بدون بعثت محمدیہ کے کچھ بھی پتہ نہ چلتا اور نہ معلوم خدائے تعالیٰ کے متعلق کیا سے کیا اعتقاد قائم کر لیتے جیسا کہ کفار کرتے ہیں۔ پھر خود وہ عقل بھی بدولت رسول اللہ ﷺ ہی کے عطا ہوتی کیونکہ حضور ﷺ واسطہ ہیں تمام کائنات کے۔ پس آپ کے وجود کو اس وقت بھی سلوک صراط عقل میں دخل رہتا۔ بہر حال اصل فضل و رحمت جو قابل مسرت و خوشی ہے۔ وہ یہ امر ہے کہ ہم کو حضور ﷺ کے وجود باجود کی برکت سے ایمان و اعمال صالحہ کی توفیق ہوئی اور یہ عظیم نعمت حاصل ہوئی جس سے ہماری دنیا و آخرت سنور گئی اور انشاء اللہ اس کی برکت سے ہم

جنت میں خوشیاں منائیں گے۔ اب آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس آیت کے مضمون کو مقصود کے ساتھ پورا تعلق ہے۔ اس آیت میں ایمان اور اعمال کا ثمرہ مذکور ہے اور ایمان واعمال صالحہ وجود باجود محمدی کے ثمرات ہیں تو یہ ثمرات بھی جو اس آیت میں مذکور ہیں حقیقت میں حضور ﷺ ہی کے وجود باجود ونور موفور السرور کے ثمرات ہیں تو اس کو دوسرے دلائل کے ساتھ منضم کرنے سے حضور ﷺ کے نور مبارک کے برکات دو قسم پر معلوم ہوئیں۔

حضور ﷺ کے نور کے برکات کی دو قسم ہیں ایک اشیاء کے حضور ﷺ سے متعلق ہیں، دوسرے اہل معرفت کے صدور سے:

ایک صوری جو کہ اشیاء کے وجود وظہور کے متعلق ہیں۔ دوسرے معنوی جو ان اشیاء میں سے خاص اہل ایمان کے صدور کے متعلق ہیں۔ ظہور کے متعلق تو آپ کے نور مبارک کی برکت یہ ہے کہ تمام عالم کا وجود آپ کے نور سے ہوا اور لوگ اسی کو آج کل زیادہ بیان کرتے ہیں۔ صدور کے متعلق آپ کے برکات یہ ہیں کہ ایمان ومعرفت الٰہی سب کو حضور ﷺ ہی کے واسطے سے حاصل ہوئی ان برکات کو آج کل لوگ بیان ہی نہیں کرتے بالکل ہی چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ زیادہ ضرورت اسی کے بیان کرنے کی ہے کیونکہ جو اثر آپ کے نور کا ظہور کے متعلق ہے۔ اس کے آثار تو محسوس ہیں اور جو اثر صدور کے متعلق ہے اس کے آثار یعنی خاص ثمرات مقصودہ قیامت وجنت میں معلوم ہوں گے اور یہاں ان سے ذہول ہے۔ نیز وہ رتبہ میں بھی اعظم ہیں۔ اس لئے زیادہ ضرورت اسی کے بیان کرنے کی ہے اور اعظم ہونے کی وجہ ظاہر ہے۔ کیونکہ ظہور پر تو صرف اسی قدر اثر ہوا کہ ہم موجود ہو گئے مگر صرف موجود ہو جانے سے کچھ زیادہ فضیلت نہیں حاصل ہو سکتی پوری فضیلت ایمان ومعرفت الٰہی سے حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے انسان کو حیوانات پر شرف ہے۔ تیسرے یہ جو اثرات نور مبارک کے ظہور پر ہوئے وہ متناہی اور محدود ہیں کیونکہ موجودات اپنی ذات کے اعتبار سے متناہی ہیں اور صدور پر جو اثر ہوا وہ غیر متناہی ہے کیونکہ معرفت الٰہی کے مراتب اور ان کے ثمرات غیر متناہی ہیں جو ہم کو جنت میں نصیب ہوں گے بس آپ کے نور مبارک کے وہ برکات زیادہ بیان کرنے کے قابل ہیں جو صدور پر متجلی ہیں۔

اس آیت شریفہ میں انہیں ثمرات کا ذکر ہے۔ مگر یہ ثمرات اس آیت کے آخر میں مذکور ہیں اور ایک ثمرہ آپ کے برکات متعلقہ صدور کا اس آیت کے شروع ہی میں مذکور ہے جو عجیب ثمرہ

ہے۔ وہ یہ کہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں۔ ویوم تقوم الساعة یومئذ یتفرقون۔ قیامت جب قائم ہوگی تو لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔ یہ جدا جدا ہونا بھی حضور ﷺ ہی کے نور مبارک کا ایک ثمرہ ہے۔ کیونکہ ایمان ومعرفت واعمال صالحہ کا حصول آپ کی برکت سے ہوا اور ایمان واعمال صالحہ ہی کی وجہ سے مخلوق کے دو فرقے ہو گئے۔ بعض مومن بعض کافر، تو اس تفریق کا اصل منشا بھی نور محمدی ﷺ ہے۔ اسی تفریق کے ظاہر کرنے کے لئے قیامت قائم ہوگی تو در اصل حقیقی قیامت آپ ہی کی ذات ہے۔ اور عرفی قیامت اس کا ایک ایک اثر اور ثمرہ اسی کو مولانا نے مثنوی میں ایک جگہ بیان فرمایا ہے۔ مصرع

صد قیامت بود احمد در جهان

حدیث میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے محمد فرق بين الناس قرآن شریف کا لقب بھی فرقان اسی وجہ سے ہے کہ وہ فارق ہے۔ غرض قیامت قائم ہونے کا سبب یہی تفریق ہے اور یہ تفریق قیامت تابع ہے تفریق محمدی کے اسی کے اظہار کے لئے قیامت قائم کی جائے گی۔ غرض اصل سروران برکات محمدیہ ﷺ سے یہ ہے کہ ہم اطاعت ومعرفت الٰہی کی دولت حاصل کریں جس کے ثمرات قیامت وجنت میں حاصل ہوں گے نہ وہ وہ باتیں جو آج کل ہم لوگ خود بخود گڑھتے ہیں یعنی

عید میلاد منانا بدعت وضلالت ہے:

عید میلاد وغیرہ کیونکہ حضور ﷺ نے ہم کو ان باتوں کی تعلیم نہیں دی۔ بلکہ صراحۃً منع فرمایا ہے اور عید میلاد کے متعلق گو بہت دفعہ بیان ہو چکا ہے اور اصول شریعت سے بتلا دیا گیا ہے کہ یہ فعل بالکل ناجائز اور بدعت ضلالت ہے۔ مگر اس دفعہ مجھے ایک حدیث اس کے متعلق بہت صریح ملی ہے جس سے صاف صاف اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہے وہ حدیث یہ ہے لا تتخذوا قبری عیدا اس حدیث سے عید میلاد کی نفی نہایت واضح ہے اور میرے لئے یہ حدیث بالکل تسلی بخش ہوگئی میں دوسروں کے لئے بھی تفصیل کے ساتھ اس کو بیان کرتا ہوں کہ اس حدیث سے عید میلاد کی نفی کیونکر ہوگی۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ اول بطور مقدمہ کے جاننے کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور ﷺ خود یعنی جسد مع تلبس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں۔ صحابہ کا بھی اعتقاد ہے حدیث میں بھی نص ہے۔ ان نبی اللہ حی فی قبرہ یرزق کہ آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق بھی پہنچتا ہے۔ مگر یہ یاد رہے اس حیات سے مراد ناسوتی نہیں ہے وہ دوسری قسم کی حیات ہے جس کو حیات برزخیہ کہتے ہیں باقی یہ

کہ حیات برزخیہ تو سب کو حاصل ہے۔ پھر اس میں نبی کی کیا تخصیص ہے تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس کے مختلف مراتب ہیں۔ ایک مرتبہ تو تمام جماعت مومنین کو حاصل ہے جس کے ذریعہ سے نعیم قبر کی ہر مسلمان کو حس ہوگی۔ دوسری حیات شہداء کی ہے یہ تمام مومنین کی حیات برزخیہ سے اقوی ہوگی۔ عام مومنین کی حیات برزخیہ بہ نسبت شہید کے کمزور ہوتی ہے۔ اگرچہ اس حیات ناسوتیہ سے وہ بدرجہا اعلیٰ ہو پس یہ کوئی نہ سمجھے کہ عام مومنین کی حیات برزخیہ اس حیات دنیوی سے بھی کمزور ہوگی اور حیات شہید کے اقوی ہونے کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ زمین اس کی لاش کو نہیں کھا سکتی اور یہ نہ کھانا ایک اثر ہے حیات کا۔ پس شہید میں اس اثر کا ظاہر ہونا اور عام مومنین میں نہ ہونا یہ دلیل ہے شہید کی حیات کے اقوی ہونے کی بہ نسبت عام کی حیات کے۔ بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی کیا ہے کہتے ہیں کہ مشاہدہ اس کے خلاف ہوا ہے مگر یہ کوئی انکار کی وجہ نہیں بن سکتی کیونکہ جس طرح اس کے خلاف مشاہدہ ہوا ہے اس کے موافق بھی مشاہدہ ہوا ہے۔ جب دونوں مشاہدہ موجود ہیں تو سرے سے اس کا انکار کیونکر کیا جا سکتا ہے بہت سے بہت یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ قاعدہ کلی نہیں اکثری ہے اور نصوص کا محمل بھی اس کو کہا جائے گا باقی مطلقاً انکار تو صحیح نہیں ہو سکتا یہ تو جواب تسلیمی ہے اس تقدیر پر جبکہ ہم مان لیں کہ جہاں تم نے اس کے خلاف مشاہدہ کیا ہے وہ شہید ہی تھا مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ شہید ہی نہ ہو کیونکہ شہادت صرف اسی کا نام نہیں کہ معرکہ میں قتل ہو جائے بلکہ حقیقی شہادت کے لئے کچھ باطنی شرائط بھی ہیں مثلاً نیت کا خالص لوجہ اللہ ہونا جس کی خبر سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہو سکتی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس کو آپ نے اس کے خلاف مشاہدہ کیا ہے وہ شہید حقیقی نہ تھا صرف شہید احکام تھا اور یہ حیات کا قوی درجہ صرف شہید حقیقی کے ساتھ خاص ہوگا اور اگر مان بھی لیا جائے۔ کہ یہ وہ حقیقی شہید تھا تو ممکن ہے کہ کسی عارض کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہو کہ اس کی لاش گل گئی مثلاً اس کی مٹی تیز ہو ہم نے یہ کب دعویٰ کیا ہے کہ شہید کی حیات ایسی ہوتی ہے۔ کہ اگر جلاؤ بھی تو اس کی لاش نہ جلے بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ اگر شہید کو موافق عادت کے دفن کر دیا جائے جیسا کہ عموماً مردے دفن ہوتے ہیں کہ اس کی قبر میں کوئی خاص عارض دوسروں سے زیادہ مثل شوریت زمین وغیرہ کی نہ ہو تو اس کی لاش مثل دوسرے مردوں کے نہیں گلے گی بعینہٖ محفوظ رہے گی۔

انبیاء کی حیات برزخیہ شہداء کی حیات سے قوی ہے:

تیسرا درجہ جو سب سے قوی ہے وہ انبیاء علیہم السلام کی حیات برزخیہ کا ہے کہ وہ شہید کی حیات سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کا ایک اثر تو محسوس ہے اور وہ وہی ہے جو شہید کے لئے ہے کہ ان کے جسم مبارک کو زمین نہیں کھا سکتی حدیث میں ہے۔ حرم اللّٰہ اجساد الانبیاء علی الارض اور دوسرا اثر محسوس تو نہیں مگر منصوص ہے اور وہ حرمت نکاح ازواج انبیاء علیہم السلام ہے

کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج مطہرات سے بعد ان کے وصال کے کسی امتی کو نکاح جائز نہیں نیز انبیاء علیہم السلام کی میراث ورثہ میں تقسیم نہیں ہوتی، نحن معاشر الانبیاء لا نورث ماترکنا صدقۃ انبیاء علیہم السلام کا تمام ترکہ صدقہ ہوتا ہے یہ باتیں شہید کے لئے شریعت نے مشروع نہیں کیں تو اگرچہ شریعت نے اس کا خاص کوئی راز نہیں بیان کیا مگر علماء محققین یہی کہتے ہیں اس کا راز قوت حیات انبیاء علیہم السلام ہے۔ کہ حیات مانع ہے ان دونوں امروں سے اور گو ازواج نبی سے بعد وفات نبی کے نکاح حرام ہونا تمام انبیاء کے بارہ میں منقول نہیں ہوا صرف حضور ﷺ کے لئے یہ خصوصیت قرآن میں ذکر کی گئی ہے مگر علماء حکم میراث پر قیاس کر کے اس حکم کو بھی عام جملہ انبیاء علیہم السلام کے ازواج کے لئے سمجھتے ہیں اور میراث کا تقسیم نہ ہونا حدیث سے جملہ انبیاء علیہم السلام کے لئے عام طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ ان امتیازات سے حیات برزخیہ انبیاء علیہم السلام کا شہداء اور عام مومنین سے اقویٰ ہونا ثابت ہوا۔ بہر حال غرض یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں اور خاص ہمارے حضور ﷺ کے بارے میں تو مخالفین بھی حیات کے معتقد ہیں ان کو بھی حضور ﷺ کی حیات کا اقرار ہے چنانچہ ایک واقعہ سے ان کا اقرار معلوم ہو جائے گا۔ تاریخ مدینہ میں یہ واقعہ لکھا ہے اور میں نے خود اس تاریخ میں دیکھا ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے چند صدی بعد (یاد نہیں رہا کس بادشاہ کے وقت میں)

حضور ﷺ کے روضہ اقدس کی طرف دو شخص ملعون کی سرنگ کھودنے کا واقعہ:

دو شخص مدینہ میں حضور ﷺ کے جسد اطہر نکالنے کیلئے آئے تھے مسجد نبوی کے پاس ایک مکان کرایہ پر لے لیا تھا اور دن بھر نماز و تسبیح میں مشغول رہتے تھے لوگ ان کے معتقد بھی ہو گئے تھے، زاہد مشہور ہو گئے تھے وہ کمبخت رات کے وقت اس مکان سے قبر شریف کی طرف سرنگ کھودتے تھے اور جس قدر سرنگ کھود لیتے راتوں رات مٹی مدینہ سے باہر پھینک آتے تھے اور جگہ برابر کر دیتے تاکہ کسی کو پتہ نہ چلے۔ کئی ہفتہ تک وہ لوگ کھودنے میں مشغول رہے جب ادھر ان لوگوں نے یہ کام شروع کیا حق تعالیٰ نے اس زمانے کے سلطان کو (نام یاد نہیں رہا) بذریعہ خواب کے متنبہ کر دیا۔ خواب میں حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ کے چہرہ مبارک پر حزن و غم کے آثار ہیں اور آپ اس بادشاہ کا نام لیکر فرما رہے ہیں کہ مجھے ان دو شخصوں نے بہت ایذا دے رکھی ہے جلد مجھے ان سے نجات دو۔ خواب میں دونوں شخصوں کی صورت بھی بادشاہ کو دکھلا دی گئی۔ خواب سے بیدار ہو کر بادشاہ نے وزیر سے اس کا تذکرہ کیا وزیر نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں کوئی حادثہ پیش آیا

ہے آپ جلد مدینہ تشریف لے جائیں۔ بادشاہ نے فوراً فوج ساتھ لے کر بہت تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف سفر شروع کیا اور بہت جلد مدینہ پہنچ گیا۔

حضور ﷺ کی قبر اقدس کا معجزہ:

اس عرصہ میں وہ لوگ بہت سرنگ کھود چکے تھے اور بالکل جسد اطہر کے قریب پہنچ گئے تھے ایک دن کی بادشاہ کو اور تاخیر ہو جاتی تو وہ لوگ اپنا کام پورا کر لیتے۔ بادشاہ نے پہنچ کر تمام لوگوں کی مدینہ سے باہر دعوت کی اور سب کو مدینہ سے ایک خاص دروازے سے باہر نکلنے کا حکم کیا اور خود دروازہ پر کھڑے ہو کر ہر شخص کو خوب غور سے دیکھتا جاتا تھا یہاں تک کہ مدینہ کے سب مرد شہر سے باہر نکل آئے مگر ان دو شخصوں کی صورت نظر نہ پڑی جن کو خواب میں دیکھا تھا۔ اس لئے بادشاہ کو سخت حیرت ہوئی اور لوگوں سے کہا کہ کیا سب لوگ باہر آ گئے لوگوں نے کہا کہ اب کوئی اندر نہیں رہا۔ بادشاہ نے کہا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ضرور کوئی اندر رہا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ دو زاہد اندر رہ گئے ہیں وہ کسی کی دعوت میں جایا نہیں کرتے اور نہ کسی سے ملتے ہیں بادشاہ نے کہا مجھے ان ہی سے کام ہے چنانچہ وہ پکڑ کر لائے گئے تو بعینہٖ وہ دو صورتیں نظر پڑیں جو خواب میں دکھلائی گئی تھیں ان کو فوراً قید کر لیا گیا اور پوچھا گیا کہ تم نے حضورا کو کیا ایذا دی۔ چنانچہ بڑی دیر کے بعد انہوں نے اقرار کیا کہ ہم نے جسد اطہر کے نکالنے کے لئے سرنگ کھودی ہے چنانچہ بادشاہ نے وہ سرنگ دیکھی تو معلوم ہوا کہ قدم مبارک تک پہنچ چکی ہے۔ بادشاہ نے قدم مبارک کو بوسہ دے کر سرنگ بند کرا دی اور زمین کو پانی کی تہہ تک کھدوا کر قبر مبارک کے چاروں طرف سیسہ پلا دیا تا کہ آئندہ کوئی سرنگ نہ لگا سکے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مخالفین کو بھی جسد اطہر کو صحیح و سالم ہونے کا ایسا اعتقاد ہے کہ کئی سو برس کے بعد بھی اس کے نکالنے کی کوشش کی۔ اگر ان کو جسد اطہر کے محفوظ ہونے کا یقین نہ ہوتا تو وہ سرنگ کیوں لگاتے۔ محض وہم اور شبہ پر اتنا بڑا خطرہ کا کام کوئی نہیں کرتا۔ جو لوگ اہل کتاب ہیں وہ بھی خوب سمجھتے ہیں کہ نبی کے جسم کو زمین نہیں کھا سکتی وہ خوب جانتے ہیں کہ حضور ﷺ نبی برحق تھے۔ مگر بوجہ عناد کے اقرار نہیں کرتے جب حضور ﷺ کا جسد اطہر موافقین و مخالفین سب کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور مع روح ہے جیسا کہ بیان کیا گیا تو ظاہر ہے اور علماء نے بھی تصریح کی ہے۔

جس بقعہ سے جسم اقدس مس کئے ہوئے ہے وہ عرش سے بھی افضل ہے:

کہ وہ بقعہ جس سے جسم مبارک خصوص مع الروح مس کئے ہوئے ہے عرش سے بھی

افضل ہے کیونکہ عرش پر معاذ اللہ حق تعالیٰ شانہٗ بیٹھے ہوئے نہیں اگر بیٹھے ہوئے ہوتے تو بیشک وہ جگہ سب سے افضل ہوتی مگر خدائے تعالیٰ مکان سے پاک ہیں۔ اس لئے عرش کو مستقر خداوندی نہیں کہا جا سکتا اور اس سے یہ بھی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ استواء علی العرش کے معنی استقرار کے نہیں ہو سکتے کیونکہ بیٹھنے کی جگہ وہ ہو سکتی ہے جو بیٹھنے والے سے زیادہ یا کم سے کم اس کے برابر تو ہو مثلاً اگر ہم تخت یا کرسی پر بیٹھیں اور اس کے اوپر ایک تنکا پڑا ہوا ہو تو نہیں کہا جا سکتا کہ ہم تنکے پر مستقر ہوئے کیونکہ اس کو ہم سے کچھ بھی نسبت نہیں اس لئے وہ ہمارا مکان نہیں بن سکتا۔

استوٰی علی العرش کی تفسیر بدیع:

پس اسی طرح عرش خدا تعالیٰ کا مکان نہیں بن سکتا کیونکہ اس کو خدا تعالیٰ سے وہ نسبت بھی نہیں جو رائی کے دانہ کو ہم سے ہے اسی دلیل سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ استواء علی العرش کے معنی بیٹھنے کہ ہرگز یہاں نہیں ہو سکتے۔ اب سوال ہوگا کہ پھر کیا معنی مراد ہیں اس میں سلف کا مسلک تو یہ ہے کہ سکوت کرو اور واقعی سلامتی اس میں ہے مگر متاخرین نے بہ مصلحت وقت کسی مناسب تاویل کر دینے کی اجازت دیدی ہے جب مصلحت کی بنا پر باب تاویل مفتوح ہو گیا تو ہر شخص کو مناسب تاویل کر دینے کا حق ہے۔ ایک تاویل میرے ذہن میں اس آیت کی آئی ہے۔ جو دوسری تاویلوں کی بہ نسبت اقرب اور بہت صاف ہے۔ اگرچہ میرا مذاق طبعی اس بارہ میں سلف کے موافق ہے لیکن جو لوگ بضرورت تاویل کرنا ہی پسند کرتے ہیں وہ میری اس تاویل کو بھی ان ہی تاویلوں میں جگہ دیدیں میرے ذہن میں استواء علی العرش کے متعلق یہ بات آئی ہے، کہ نص آیات میں استوٰی علی العرش کے بعد یدبر الامر بھی آیا ہے جس کو استواء علی العرش کا بیان قرار دیا جائے تو یہ محاورہ ایسا ہو جائے گا۔ جیسا کہ ہماری زبان میں بولا جاتا ہے کہ ولی عہد تخت نشین ہو گیا عرف میں تخت نشین ہونے کے معنی حکمران ہونے کے ہیں خاص تخت پر بیٹھنا ضروری نہیں اسی طرح استوٰی علی العرش کے معنی تدبیر و حکمرانی فرمانے کے ہیں یعنی زمین و آسمان کو پیدا فرما کر حق تعالیٰ شانہٗ ان آسمان و زمین میں حکمرانی و تدبیر و تصرف کرنے لگے۔ پس اگر تاویل کی جائے تو یہ تاویل بھی عمدہ اور لطیف تاویل ہے۔ بس یہ کنایہ ہوگا۔ غرض حق تعالیٰ شانہٗ پر بوجہ مانعات عقلیہ کے استوا متعارف کا حکم نہیں کیا جا سکتا تو عرش کو محل استقرار حق کی وجہ سے فضیلت نہیں ہے کہ بقعہ شریفہ سے وہ افضل ہوتا بلکہ اس کو صرف اسی وجہ سے اور اماکن پر فضیلت ہے کہ وہ ایک تجلی گاہ ہے اور ظاہر ہے کہ حضور ﷺ سے زیادہ کون تجلی گاہ الٰہی ہوگا۔

پس اس حیثیت کے اثر سے بھی بقعہ شریفہ خالی نہ رہا اس لئے ہر طرح وہ جگہ جہاں حضور ﷺ تشریف فرما ہیں۔ سب سے زیادہ اشرف ہوئی کیونکہ تجلیات حق بواسطہ رسول اللہ ﷺ اس

جگہ تمام اماکن سے زیادہ فائض ہوتے ہیں بہرحال اس مسئلہ میں تمام علماء کا اتفاق ہے یہ تو ایک مقدمہ تھا۔ کہ بقعہ شریفہ وقبر شریف تمام اماکن سے افضل ہے اب اس مقدمہ کے بعد یہ سمجھنا چاہئے کہ قبر شریف تو بلا اختلاف بعینہ باقی ہے۔ اس میں کسی کو بھی شک نہیں ہوسکتا اور یوم الولادت ویوم المعراج ویوم البعثت وغیرہ یقیناً باقی نہیں کیونکہ زمانہ غیر قار ہے۔ وہ دن جس میں حضور ﷺ کی ولادت ہوئی تھی اب یقیناً نہیں لوٹتا بلکہ اس کا مثل عود کرتا ہے ایک مقدمہ یہ ہوا اس کے بعد سمجھو کہ جب حضور ﷺ نے قبر کو عید بنانے سے منع فرمادیا اور اس کا عید بنانا حرام ہوگیا۔ جو کہ یقیناً باقی ہے۔ تو ان چیزوں کو عید بنانا جو کہ بعینہ باقی نہیں کیونکر جائز ہوسکتا ہے میرے نزدیک تو اس حدیث سے عید میلاد کی صراحۃً نفی ہوتی ہے اب بھی کسی کو اس کی حرمت میں شک ہو تو وہ جانے اور اس کا کام جانے اس تقریر سے حضور ﷺ کی بلاغت اور کلام کی جامعیت بھی واضح ہوگئی ہوگی۔ کہ حضور نے خاص طور پر قبر ہی کی عید بنانے سے کیوں منع فرمایا سو اس لئے منع فرمایا کہ اس کی فضیلت وشرافت تو بوجہ معین اور یقینی ہونے کے سب کو مسلم ہوگی جب ایسی چیز کی بابت کوئی حکم بیان کردیا جائے گا۔ اس پر ادنیٰ کو قیاس کرکے بقیہ سب چیزوں کا حکم معلوم ہوجائے گا جب ان چیزوں کا عید بنانا معلوم ہوگیا کہ حرام ہے اور قرآن میں نعیم جنت کا ایمان وعمل صالح پر ترتب صاف صاف مذکور ہے اور عمل صالح حرام امور کے ترک پر موقوف ہے۔ تو اگر نعیم جنت حاصل کرنے کا اشتیاق ہے اور یقیناً ہر مسلمان کو ہے تو ان غیر مشروع کاموں کو چھوڑنا چاہئے کیونکہ نجات کلی بغیر اعمال صالحہ کے حاصل نہیں ہوسکتی قرآن میں جابجا امنوا کے بعد عملوا الصلحت ضرور مذکور ہے اگر بدرجہ اتم واکمل نجات چاہیں تو ان چیزوں کو ترک کریں بدرجہ اتم واکمل اس لئے کہا کہ کسی نہ کسی وقت تو اہل بدعت بھی نجات پاہی لیں گے اگرچہ وہ ہمیں کافر کہیں مگر ہم ان کو کافر نہیں کہتے کہ محروم عن النجات سمجھیں۔

فرق غیر ناجیہ کے عدم خلود پر ایک شبہ کا جواب:

اس پر ایک طالب علم کا شبہ ہے جس کو میں دفع کردینا چاہتا ہوں۔ شبہ یہ ہے کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کے تہتر فرقے ہوں گے جن میں بجز ایک فرقہ کے سب ناری ہیں اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ ناجیہ صرف ایک ہی ہے باقی ناجی نہیں کیونکہ اگر باقی فرقے بھی کچھ عذاب بھگت کر نجات پاجائیں تو ان فرقوں میں اور فرقہ ناجیہ میں کیا فرق ہوگا۔ کیونکہ فرقہ ناجیہ جو کہ اہل حق ہیں ان کے لئے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ سب کے سب بدون حساب کتاب اور بدون کسی قدر مواخذہ کے جنت میں جائیں گے جیسا اہل حق میں بھی عصاۃ کو نجات اولیٰ حاصل نہیں تو دونوں میں کیا فرق ہوا۔ پھر حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہوگا کہ ان میں ناجی صرف ایک

فرقہ ہے۔ معلوم ہوا کہ فرقہ ناجیہ کو تو کبھی نہ کبھی نجات حاصل ہوجائے گی اور باقی بہتر فرقوں کو کبھی نجات حاصل نہ ہوگی۔ تو یہ اہل بدعت نجات کیونکر پاسکتے ہیں۔ اگر اس کا التزام کیا جائے۔ تو اہل بدعت کی عدم تکفیر کے کیا معنی جواب یہ ہے کہ مراد حدیث میں یہ ہے کہ وہ بہتر فرقے بوجہ فساد عقیدہ کے جہنم میں جائیں گے۔ اور اہل حق جو کہ فرقہ ناجیہ ہے فساد عقیدہ کی وجہ سے جہنم میں نہ جائیں گے دونوں میں ما بہ الفرق دخول للفساد والعقائد ہے۔ باقی دخول للعمل یہ دونوں میں مشترک ہے۔

پس اس تقریر کے بعد اہل بدعت کا خلود ثابت نہ ہوا اور اس تقریر کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ نص قطعی فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره سے معلوم ہوا ہے کہ جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا۔ اس کو بھی دیکھے گا۔ اور جو کوئی ذرہ برابر برائی کرے گا۔ اس کو بھی دیکھ لے گا۔ تو جس شخص میں کچھ ایمان ہے اگرچہ فساد عقیدہ ہی کے ساتھ ہے تو اگر وہ بھی ناجی نہ ہو تو وہ اس کی جزا کب پائے گا۔ آیا قبل دخول نار۔ قبل دخول نار تو محال ہے۔ ورنہ لازم آتا ہے کہ وہ اول جنت میں جائے اور پھر وہاں سے خارج کرکے جہنم میں جائے اور نصوص سے معلوم ہے کہ بعد دخول جنت کسی کو عذاب نہ ہوگا اور اگر جنت کے سوا اور کہیں ثواب پائے تو جنت سے پہلے کوئی اور موقع ثواب کا نہیں بس یہی ایک صورت ہے کہ وہ اپنے ایمان قلیل کی جزا بعد دخول نار پائے کہ جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہو ورنہ اگر کہیں جزا نہ ملے تو لازم آئے گا کہ کوئی عمل صالح ایسا بھی ہوا جس کا کوئی صلہ کرنے والے کو نہ ملے اور یہ اس آیت کے خلاف ہے اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اہل بدعت کو خلود ہوگا۔ کبھی نجات نہ ہوگی بلکہ کبھی نہ کبھی تو نجات ضرور ہوجائے گی گو اس سے پہلے عذاب بھی بھگتنا پڑے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جو عذاب فساد عقائد سے ہو وہ اشد ہے اس عذاب سے جو فساد عمل سے ہو چنانچہ احادیث اور بزرگوں کے اقوال سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اہل بدعت کو دوسرے فساق سے زیادہ سخت عذاب ہوگا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک جگہ میرا گزر ہوا تو کچھ ایسا معلوم ہوا کہ اہل قبور کو عذاب ہو رہا ہے ہم نے ان کے لئے دعا کی تو معلوم ہوا کہ اہل بدعت کے سواسب کی اس وقت مغفرت ہوگئی۔ اسی لئے یوں تو سب گناہوں سے مسلمان کو بچنا چاہئے کیونکہ مقصود اعلیٰ نجات اکمل ہی ہے اور وہ بدوں گناہوں سے بچے حاصل نہیں ہوسکتی مگر بدعت سے بہت زیادہ اجتناب ضروری ہے کیونکہ بدعت حق تعالیٰ شانہ کو بہت مبغوض ہے اس لئے کہ دیگر اعمال تو لوگ حرام وگناہ سمجھ کر کرتے ہیں اور افعال بدعت کو نیکی سمجھ کر کرتے ہیں اس سے توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی ان ہی میں سے منکرات متعلقہ رسم مولد بھی ہیں یہاں تک تو پہلا مضمون تھا جس کا ہمیشہ سے بیان کرنے کا معمول ہے یعنی رسم میلاد کا جو کہ ختم ہوچکا تھا اس جزو کا نام الحبور رلنور

الصدور ہونا چاہئے کیونکہ جو نور حضور ﷺ کا صدور یعنی قلوب میں ہے اور وہ قیامت میں معلوم ہوگا اور اس سے جنتیوں میں خوشی حاصل ہوگی یہ اس کا تذکرہ تھا۔

وعظ دوم ملقب بہ الحضور ﷺ لنور الصدور:

اب دوسرا مضمون جو بعد میں منضم ہوا ہے۔ یعنی بیان تبرکات نبویہ کا بھی جو کہ ربیع الاول کے متعلق ہے اور گیارہویں کا بیان بھی جو کہ ربیع الثانی کے متعلق ہے شروع کرتا ہوں لوگوں سے ان دونوں میں زیادتی ہو رہی ہے۔ میں ہر ایک کو الگ الگ بیان کروں گا۔ تبرک نبوی میں ایک تو وہی زیادتی کی جارہی ہے جو اور بدعات میں ہے کہ اس کو لوگوں نے عید بنا رکھا ہے اس باب میں اکثر لوگ یہاں تک کہ بعض طلبہ بھی شک میں ہیں یوں سمجھتے ہیں کہ اس میں کیا حرج ہے۔ جبہ نبوی کی زیارت باعث برکت ہے اگر کوئی صرف زیارت کی نیت سے جائے تو مضائقہ نہیں معلوم ہوتا، مجھ سے ایک طالبعلم نے جس کا مکان جلال آباد میں ہے اور جبہ شریف کے مکان کے پاس ان کی دوکان ہے۔ سوال کیا کہ میں دوکان پر بیٹھ کر جبہ کی زیارت کرلوں گا۔ مگر میں نے انکی اجازت نہیں دی کیونکہ وہ مجمع بالکل میلوں عرسوں کی طرح ہوتا ہے۔ تاریخ کی تعیین ہوتی ہے۔ دعوت ہوتی ہے دور دور سے آدمی آتے ہیں۔ عورتوں کا اجتماع بھی ہوتا ہے ایسے لوگ جو نماز بھی نہیں پڑھتے زیارت کرنے آتے ہیں۔ حالانکہ زیارت جبہ شریف نماز روزہ کے برابر بھی نہیں ہو سکتی۔ حدیث لا تتخذو قبری عیداً سے اس کی نفی بھی ہوگئی۔ کیونکہ جبہ شریف کی فضیلت قبر شریف کے برابر نہیں ہوسکتی۔ گو اس میں یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ مثل یوم ولادت وغیرہ کے اس میں بھی تبدل ہوگیا اگرچہ عدم تبدیل کا یقین بھی نہیں مگر خیر جو بات دل میں اس کو زبان پر بھی نہ لانا چاہئے مگر ایک دوسری بات ما بہ الامتیاز کہاں بھی موجود ہے کہ اس وقت وہ ملبوس جسد اطہر سے مماس نہیں اور قبر شریف کو شرف تماس حاصل ہے۔ اسی لئے جبہ نبوی کو کسی نے عرش سے افضل نہیں کہا۔

پس جب قبر کا عید بنانا حرام ہے تو ملبوس شریف کو عید بنانا کیسے جائز ہوگا کہیں کہیں اس وقت تک حضور ﷺ کے موئے مبارک اس وقت موجود ہیں عید بنانا ان کی بھی جائز نہیں کیونکہ اگرچہ بظاہر یہ خیال کرکے کہ موئے مبارک جزو بدن ہے قبر سے افضل معلوم ہوتا ہے مگر قبر میں اتصال اور تماس کی ایسی فضیلت موجود ہے جو موئے مبارک کو بالفعل حاصل نہیں۔ اس لئے دونوں غیر مساوی ہوئے۔ موئے مبارک جزو ہے۔ مگر اب مماس نہیں اور قبر شریف جزو نہیں مگر مماس ہے تو دونوں برابر ہوئے اور ایک مساوی سے دوسرے مساوی کا حکم معلوم ہوسکتا ہے۔ پس حدیث لا تتخذوا قبری عیداً سے موئے مبارک کو عید بنانا حرام ہوگیا۔ یہ حضور ﷺ کی غایت بلاغت ہے کہ آپ نے قبر کو ذکر میں اختیار فرمایا جس سے ملبوس و شعر وغیرہ سب کے احکام خود بخود معلوم ہوگئے۔

صحابہ سلف کا تبرکات کے ساتھ معاملہ:

علاوہ ازیں صحابہ اور سلف صالحین نے تعید کو کبھی اختیار نہیں کیا حالانکہ ان کے پاس ہم سے زیادہ تبرکات نبویہ موجود تھے اور ان کو ہم سے زیادہ ثواب کے کاموں میں سبقت تھی اگر یہ کوئی خیر ہوتی تو سلف میں اس کی کچھ تو اصل ہوتی اب صرف یہ سوال رہ گیا کہ صحابہ میں عید کی طرح اجتماع نہ تھا تو آخر تبرکات کے ساتھ ان کا برتاؤ کیا تھا تو اس کے لئے میں نے چند احادیث ایک پرچہ پر لکھ لی ہیں۔ کیونکہ ان کا بلفظہ یاد رکھنا دشوار تھا اس وقت ان کو نقل کئے دیتا ہوں عن عثمان بن عبد اللّٰہ بن وھب قال فارسلنی اھلی الی ام سلمۃ بقدح من ماء و کان اذا اصاب الانسان عین اوشیی بعث الیھا مخضخضتر لھا فاکرجت من شعر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وکانت تمسکہ فی جلجل من فضۃ فخضخضۃ لہ فشرب منہ قال فاطلعت فی الجلجل فرایت شعرات حمراء رواہ البخاری۔ عثمان بن عبد اللہ بن وہب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے گھر والوں نے حضرت ام المومنین ام سلمہ ؓ کے پاس ایک پیالہ پانی کا دے کر بھیجا اور یہ قاعدہ تھا کہ جب کسی انسان کو نظر وغیرہ کی تکلیف ہوتی تو حضرت ام سلمہ کے پاس پانی کا پیالہ بھیج دیتا ان کے پاس حضور ﷺ کے کچھ بال تھے جن کو انہوں نے چاندی کی نلکی میں رکھ رکھا تھا۔ پانی میں ان بالوں کو ہلا دیا کرتی تھیں اور وہ پانی بیمار کو پلا دیا جاتا تھا راوی کہتے ہیں کہ میں نے جو جھک کر نلکی کو دیکھا تو اس میں چند سرخ بال تھے اس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ ایک صحابیہ کے پاس نلکی میں بال رکھے ہوئے تھے۔ جس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا جاتا تھا کہ بیماروں کی شفا کے لئے اس کا غسالہ پلا دیا جاتا تھا۔ حضور ﷺ کے خضاب کے بارہ میں اختلاف ہوا ہے صحیح یہ ہے کہ حضور ﷺ کے بال پکنے لگے تھے۔ جس سے دیکھنے والوں کو خضاب کا شبہ ہوتا تھا۔ ورنہ حضور ﷺ نے کبھی خضاب نہیں کیا کیونکہ حضور ﷺ کے کل سفید بال قریب بیس ۲۰ کے تھے یا کچھ زائد۔

نلکی میں فاتحہ:

نلکی پر مجھے ایک واقعہ یاد آگیا کہ ایک تھانیدار کے یہاں ایک شخص نے رپٹ لکھوائی کہ میرے فاتحہ چوری ہوگئی داروغہ صاحب کو بڑی حیرت ہوئی کہ یا اللہ فاتحہ کیا اور اس کا چوری ہونا کیسا پوچھا تو قصہ بیان کیا کہ ہمارا ایک پیر ہے جب وہ آیا کرے ہے تو ہمارے کھانے کی فاتحہ دیا کرے ہے اور جب جائے ہے ایک نلکی میں فاتحہ بند کر دیتا ہے کہ سال بھر تک اس سے کام لیتے رہیو۔ پھر میں آکر دوبارہ پڑھ دوں گا تو وہ نلکی چوری ہوگئی۔

عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہما انہا اخرجت جبۃ طیالسیۃ کسروانیۃ لہا لبنۃ دیباج وفرجیہا مکفوجین بلدیباج وقالت ھٰذہ جبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت عند عائشہ فلما قبضت قبضتہا وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یلبسہا ونحن نغسلہا للمرضی نستشفی بہا رواہ مسلم۔ حضرت اسما بنت ابی بکر ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک جبہ طیلسانی کسروی نکالا جس کے گریبان اور دونوں چاک پر ریشم کی سنجاف لگی ہوئی تھی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا جبہ ہے جو حضرت عائشہ کے پاس تھا ان کی وفات کے بعد میں نے اسے لے لیا حضور ﷺ اس کو پہنا کرتے تھے ہم اس کو پانی میں دھو کر وہ پانی بیماروں کو پلا دیتے ہیں شفا حاصل کرنے کے لئے اس حدیث پر شاید بادی النظر میں کسی کو یہ شبہ ہو کر یہ جبہ حضرت عائشہ اور حضرت اسماء کے پاس کیونکر اور جب تک ترکہ نبوی تقسیم نہ ہو جائے ان کو اس کے استعمال کا کیا حق تھا تو بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی بلکہ آپ کے مال میں تمام مسلمانوں کا حق تھا تو آپ کا ترکہ وقف تھا اور یہ حضرات اس کے متولی تھے۔ پھر ان کے اذن سے سب مسلمانوں کو بطریق برکت اس کے استعمال کا حق حاصل ہے اور باذن متولی کی قید اس لئے بڑھا دی کہ شاید کسی کو یہ سن کر کہ حضور ﷺ کا مال وقف ہے۔ اس جبہ متعارفہ کے لینے کی فکر ہوئی ہو سو یاد رکھنا چاہئے کہ اگرچہ حضور ﷺ کا ترکہ وقف ہے مگر وقف میں بدون اذن متولی کسی کو تصرف کرنا جائز نہیں پس جبہ شریف کو اس کے خدام سے چھیننا یا بلا اجازت استعمال کرنا کسی کو جائز نہیں، اور اس قسم کی باتوں کی ضرورت ہی کیا پڑی وہ خدام تو بیچارے خود ہی اپنے سر پر رکھ کر ہر شخص کے گھر لے جا کر زیارت کرا دیتے ہیں۔ البتہ روٹی ان لوگوں کو دینا پڑے گی۔ اس سے زیادہ وہ تم سے کچھ نہیں مانگیں گے یہ بھی جبہ شریف کی برکت کھلی ہوئی ہے کہ اس کے خدام بے طمع ہیں۔

خواب بابت جبہ شریف:

احقر نے ایک بار یہ دیکھا کہ کوئی شخص اس کے چرانے کی فکر میں ہے۔ میں نے خدام سے کہلا بھیجا کہ گو میرا خواب کوئی چیز نہیں مگر احتیاط کا مقتضا یہ ہے کہ جبہ شریف کی زیادہ حفاظت کی جائے۔

وعن انس قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی منی فاتی الجمرۃ فرماھا ثم اتی منزلہ بمنی ونحر نسکہ ثم دعا ھا بالحلاق وناول الحالق شقہ الایمن فحلقہ ثم دعا اباطلحۃ الانصاری فاعطاہ ایاہ ثم ناول الشق الایسر فقال احلق فحلقہ فاعطاہ اباطلحۃ فقال اقسمہ بین الناس۔

ترجمہ:۔ حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ حجۃ الوداع میں عرفات سے

منیٰ میں تشریف لائے تو جمرہ عقبہ کے پاس پہنچے اور اس کی رمی کی پھر منیٰ میں جو مکان آپ کے لئے مقرر تھا اس میں تشریف لائے اور قربانی کے جانوروں کو ذبح کیا پھر حلاق کو بلایا اور اس کو سر کا داہنا حصہ اول دیا۔ اس نے داہنے حصہ کو مونڈا پھر حضور ﷺ نے ابوطلحہ انصاری کو بلایا اور وہ بال ان کو عطا کئے پھر نائی کو سر کا بایاں حصہ دیا اور فرمایا مونڈو اس نے بائیں حصہ کو بھی مونڈا آپ نے وہ بال بھی ابوطلحہ انصاری کو دے اور فرمایا کہ اس کو لوگوں میں تقسیم کر دو یہاں سے ایک بات پر متنبہ کر دینا مناسب ہے وہ یہ کہ نائی کو آج کل حجام کہتے ہیں۔ یہ لفظ غلط ہے حجام اصل میں پچھنے لگانے والے کو کہا جاتا ہے۔ نائی کو عربی میں حلاق کہتے ہیں مگر ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں یہ قوم پچھنے لگانے کا پیشہ بھی کرتی ہو اس وجہ سے اس وقت اس کام کی مناسبت سے حجام لقب پڑ گیا ہوگا۔ پھر اس پیشہ کے چھوڑ دینے کے بعد بھی لقب باقی رہا ایک شاعر نے حجام کو خوب دھمکایا ہے کہ تو بڑا بے ادب ہے خط پروردگار میں اصلاح دیتا ہے۔ یعنی داڑھی وغیرہ خدا کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں تو ان میں اصلاح دیتا ہے تو خط پروردگار کو درست کرتا ہے یہ شاعر بھی کسی کو نہیں چھوڑتے شعر یہ ہے۔

حجام ہر دو دست ترا قطع واجب است

اصلاح میدھی خط پروردگار را

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے بہت مقدار میں اپنے موئے مبارک صحابہ میں تقسیم فرمائے ہیں اور ظاہر ہے کہ صحابہ شرقاً وغرباً منتشر ہو گئے تھے تو اگر کہیں موئے مبارک پایا جائے تو جلدی سے اس کا انکار نہ کر دیا جائے بلکہ اگر سند صحیح سے اس کا پتہ معلوم ہو جائے۔ تب تو اس کی تعظیم کی جائے ورنہ اگر یقینی دلیل افترء واختراع کی نہ ہو تو سکوت کیا جائے۔ یعنی نہ تصدیق کی جائے نہ تکذیب مشتبہ امر میں شریعت نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے۔

قال علیہ السلام لاتصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھم وقولوا امنا باللہ وما انزل الینا رواہ البخاری قال فی المرقاۃ وفیہ اشارۃ وفیہ اشارہ الی التوقف فیما اشکل من الامور والعلوم۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب کرو۔ بلکہ کہو کہ ہم اللہ پر اور اس کی کتاب پر جو کہ ہماری طرف نازل ہوئی، ایمان لاتے ہیں ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات پر اشارہ ہے کہ جو امر اور جو مضمون علمی مشتبہ ہو اس میں توقف کرنا چاہئے جرأت کر کے ایک جانب کو بلا تحقیق معین نہ کرنا چاہئے اہل کتاب کے اقوال میں توقف اس لئے واجب ہے کہ قرآن سے توریت وانجیل کا کتاب اللہ ہونا بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب نے اس میں تحریف بھی کی ہے اب جو مضمون وہ بیان کریں اس میں یہ بھی شبہ ہے کہ کلام الٰہی ہو اور یہ بھی خدشہ ہے کہ اہل کتاب کے محرفات میں سے ہو پس بلا دلیل مستقل کسی ایک جانب کی تعیین دشوار ہے اس لئے توقف واجب ہے۔ یہی

حال موئے مبارک کا ہے کہ حضور ﷺ نے بہت سے بال صحابہ کو تقسیم فرمائے ہیں اور ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کا بال جہاں بھی ہوگا اس کی حفاظت کی گئی ہے اس لئے عقل بھی تقاضا کرتی ہے کہ اس میں سے کچھ بقایا ضرور موجود ہوگی مگر آج کل جھوٹ کا بھی بازار گرم ہے یہ بھی شبہ ہے کہ طمع دنیا سے کہیں جھوٹ موٹ دعویٰ نہ کیا گیا ہو۔ اس لئے اس کے بارہ میں بھی توقف واجب ہے نہ تصدیق کی جائے نہ تکذیب مگر سنا ہے مدینہ میں موئے مبارک بسند معتبر موجود ہے۔ شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ موئے مبارک کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگرچہ ہم نے موئے مبارک پایا نہیں۔ مگر اتنی خبر سنی ہے کہ دنیا میں موجود ہے سو تسلی کے لئے ہمیں اتنا بھی کافی ہے اس پر یہ شعر تحریر فرماتے ہیں۔

مرا از زلف تو موئے پسند است
ہوس رارہ مدہ بوئے بسند است

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ اشعار خوب موقع سے لاتے ہیں۔ ایک مقام پر جہاں حدیث میں حضور ﷺ کے مرض وفات کا حال آیا ہے کہ ایک دن حضور ﷺ نے حجرۂ شریفہ کا پردہ اٹھا کر صحابہ کو جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا اور آپ مسرور ہوئے صحابہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا چہرۂ مبارک دیکھ کر قریب تھا کہ ہم نمازیں توڑ دیں کہ حضور ﷺ نے اشارہ سے سب کو سکون کا حکم فرمایا۔ اس جگہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر بہت اچھا لکھا ہے۔

در نمازم خم ابروئے تو چوں یاد آمد
حالتے رفت کہ محراب بفر یاد آمد

وعن ام عطية فى قصه غسل زينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم وتكفينها انها قال فالقى حقوة فقال اشعرنها اياه قال الشيخ فى اللمعات وهذا الحديث اصل فى البركة باثار الصالحين ولباسهم۔ حضرت ام عطیہ حضرت زینب بنت رسول اللہ ﷺ کے غسل وکفن کے واقعہ میں روایت کرتی ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنا تہ بند ہمارے پاس ڈال دیا کہ اس کو مرحومہ کے بدن سے مماس کر کے پہناؤ یعنی سب سے نیچے اس کو رکھو (تا کہ اس کی برکت بدن سے متصل رہے)

بجز مکتوبات محترمہ کے دوسرے تبرکات کا قبر میں رکھنا جائز ہے:

حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ لمعات شرح مشکوۃ میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے

ہیں کہ یہ حدیث آثار وملبوسات صالحین سے برکت لینے میں اصل ہے معلوم ہوا کہ تبرکات سے برکت حاصل کرنے کا ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ بعد موت کے اس کو کفن میں رکھ دیا جائے مگر اس سے قرآن اور دعاؤں کی کتابوں کا کفن میں رکھنا جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں ان کا احترام باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قرآن کے ساتھ ناپاکی کا اتصال حرام ہے اور بدن میت چند روز کے بعد پھولے پھٹے گا وہ نجاست قرآن کو بھی لگے گی۔ اسی طرح وہ کتابیں جن میں دعائیں ہیں اور اللہ رسول کا نام جا بجا ہے قابل احترام ہیں بلکہ الفاظ وحروف مطلقاً قابل احترام ہیں بلکہ سادہ کاغذ بھی بوجہ آلہ علم ہونے کے قابل احترام ہے۔ بعض لوگ فرعون وہامان کا نام لکھ کر اس پر جوتے مارتے ہیں۔ یہ بالکل لغو ومہمل حرکت ہے اس پر تو بس نہ چلا، الفاظ ہی کی بے حرمتی سے بہادری دکھلائی۔ یہ لوگ تو وہ تھے جو فرعون کے لفظ کی بے حرمتی کرتے ہیں اور ان کے مقابل بعض وہ لوگ ہیں جو اس لفظ کی ایسی حرمت کرتے ہیں، کہ خداوند تعالیٰ کے احسان وانعام کے تذکرہ کا ایک صنعت سے اس کو عنوان بناتے ہیں۔ چنانچہ مثنوی کے ایک محشی نے موسیٰ علیہ السلام کی فتح کے قصہ کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے۔ بفرعون الہی فرعون بدریائے نیل غرق شد۔ بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ فرعون الہی کی یہ ترکیب کتنی فصیح ہے مگر مقصود تو یہ تھا کہ فرعون کے قصہ میں خدا کی مدد کا بیان بھی اسی کے نام سے ہو استغفر اللہ العظیم یہ سخت واہیات ہے اسی طرح آج کل یہ دستور شائع ہو گیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے احسانات وانعامات کا عنوان پیر کے نام سے قرار دیا جاتا ہے مثلاً شاہ فضل الرحمٰن صاحب کے مریدین اپنے اوپر فضل واحسان خداوندی کے تذکرے کریں گے تو سارے الفاظ کو چھوڑ کر یہ لکھیں گے کہ ”بفضل رحمان“ اسی طرح ہمارے سلسلہ میں بعض لوگ خطوں میں ”یامدد اللہ“ لکھتے ہیں مجھے تو اس سے سخت نفرت ہے اور اس میں شرک کی بو آتی ہے اب تو یہ صرف عادت ہے مگر یاد رکھو کہ چند روز کے بعد یہ عبادت ہو جائے گی۔ غرض اس حدیث سے تبرکات وغیرہ کا قبر میں رکھنا جائز معلوم ہوا۔ کیونکہ حضور ﷺ نے اپنا ملبوس شریف تبرکاً کفن میں رکھنے کے لئے عطا فرمایا ہے۔ مگر ہم کو تبرک کی نیت سے کسی کو کوئی چیز اپنا ملبوس وغیرہ دینا جائز نہیں کیونکہ حضور ﷺ نبی تھے اور اپنی برکت کو آپ وحی سے جانتے تھے۔ ہمارے اوپر کون سی وحی اتری ہے کہ ہم بھی بزرگ اور صاحب برکت ہیں خاتمہ ایمان پر ہو جائے تو بسا غنیمت ہے میں نے ایک بار ایسی نادانی کی کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ اپنے کچھ حالات بطور سوانح کے لکھوا دیجئے آپ نے جواب دیا۔ کہ کیا خوب اپنے ہی منہ میاں مٹھو بنوں، واقعی اپنے کو بزرگ سمجھنا کیسے ہوسکتا ہے اور تبرک ہوتا ہے بزرگوں کا پس اپنا تبرک کیسے دیا جائے۔ یہاں پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ مشائخ سے ثابت ہے کہ انہوں نے بعض دفعہ خود بخود بدون درخواست کے اپنے متعلقین کو اپنے تبرکات دئے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حضرات تبرکاً نہیں دیتے تھے۔ بلکہ مرید کا جی خوش کرنے کے

لئے دیتے تھے کہ مرید کو یہ معلوم ہو جائے کہ شیخ کو میرے حال پر توجہ بہت ہے یا اس خیال سے دیتے ہیں کہ لینے والے کو اس میں برکت کا گمان ہوگا تو اس کو اس خیال سے نفع ہوگا چنانچہ واقعی نفع ہوتا ہے ایک نفع تو میں نے خود محسوس کیا ہے کیرانہ میں ایک گوجر تھے۔ حاجی عبداللہ بڑے بزرگ آدمی تھے انہوں نے مجھے ایک چھینٹ کا جبہ دیا تھا جس کا یہ اثر تھا کہ جب تک میں اسے پہنے رہتا تھا معاصی کا خیال نہ آتا تھا بلکہ معاصی سے نفرت رہتی تھی شاید پیروں کے کوئی معتقد یہ سوال کریں کہ شیخ کے تبرک کو پہنکر پاخانہ میں جانا جائز ہے یا نہیں۔ جواب یہ ہے کہ جائز ہے البتہ اگر غلبہ ادب ہو تو واجب بھی نہیں اور ہر جائز کام کا کرنا ضروری ہی کیا ہے خود میری یہ حالت ہے کہ جب جبہ شریف تھانہ بھون میں آتا ہے تو اگرچہ اس مکان کی طرف جہاں وہ رکھا جاتا ہے پیر کرنا جائز ہے مگر غلبہ ادب کی وجہ سے مجھ سے اس طرف پیر نہیں کیا جا سکتا یہ سب کچھ ہے مگر اس سے احکام نہیں بدل سکتے حکم شرعی وہی ہے کہ پیر کرنا اس کی طرف جائز ہے اور تبرکات کو پہن کر پاخانہ میں بھی جانا جائز ہے اور یوں کسی کو غلبہ ادب ہو وہ ایسا نہ کرے مگر حکم یہی ہے، شرعی حکم کے سامنے نہ الہام کوئی چیز ہے نہ خواب نہ کشف کچھ ہے۔ شاہ نظام الدین اولیا قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہما کا قصہ ہے کہ حضرت سلطان جی سماع سنا کرتے تھے اور قاضی صاحب ان کو روکتے تھے حضرت سلطان جی نے فرمایا کہ اچھا اگر رسول اللہ ﷺ فرما دیں کہ میں حق پر ہوں جب بھی مانو گے انہوں نے کہا اچھا رسول اللہ ﷺ کی زیارت کراو حضرت سلطان جی نے اپنی چادر اتار کر اڑھا دی دیکھتے کیا ہیں کہ دربار رسالت قائم ہے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مجمع ہے حضور ﷺ ان میں تشریف فرما ہیں اور ارشاد فرما رہے ہیں کہ فقیر کو کیوں تنگ کرتے ہو۔ قاضی صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس وقت مجھے معلوم نہیں کہ میں کس حال میں ہوں، ہوش میں ہوں یا بے ہوش ہوں۔ ایسی حالت کا سنا ہوا حکم معتبر نہیں ہو سکتا۔ حکم وہی ہوگا جو کہ حضور ﷺ سے ہوش و حواس کی حالت میں صحابہ نے نقل فرمایا ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے تبسم فرمایا۔ حضرت سلطان جی نے چادر اتار لی اور کہا دیکھا بھی حضور ﷺ نے کیا فرمایا۔ قاضی صاحب نے جواب دیا کہ سنا بھی ہم نے کیا عرض کیا۔ تو صاحبو شریعت کے احکام کے سامنے تو حضور ﷺ کی زیارت منامیہ کے وقت کی سنی ہوئی باتیں بھی حجت نہ ہوں گی۔ کیونکہ احکام شرعیہ حضور ﷺ سے اس طرح منقول ہیں جن میں ذرا شبہ کو گنجائش نہیں اور خواب یا کشف کی زیارت میں غلطی کا احتمال باقی ہے عن کبشة قالت دخل علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فشرب من ماء فی قربة معلقة قائما فقمت الی فیھا فقطعتھا حضرت کبشہ صحابیہ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ رسول ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور ایک لٹکے ہوئے مشکیزہ سے منہ لگا کر کھڑے کھڑے پانی پیا میں کھڑی ہوئی اور دہانہ مشک کو کاٹ کو تبرکاً اپنے پاس رکھ لیا۔

قال القاضی عیاض رحمة اللّٰہ علیہ فی الشفاء ومن اعظامہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اعظام جمیع اسبابہ واکرام مشاھدہ وامکنتہ من مکة والمدینة ومعاھدہ وملامسہ علیہ الصلوٰة والسلام وایضاً قال کانت فی قلنسوة خالد بن الولید شعرات من شعرہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فسقت قلنسوتہ فی بعض حروبہ فشد علیھا شدةً انکسر علیہ اصحابہ لکثرة من قتل فقال لہ افعلھا بسبب القنسوة ھل لما تضمنت من شعر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لئلا اسلب برکتھا وتقع فی ایدی المشرکین الخ

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا میں لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کی تعظیم میں سے یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کے تمام متعلقات کی تعظیم کی جائے اور جس جگہ آپ تشریف لے گئے ہیں اس کا اکرام کیا جائے اور مکہ مدینہ میں جن مکانات کو حضور ﷺ سے کسی قسم کا انتساب ہے ان کا احترام کیا جائے ایسے ہی جن چیزوں کو آپ نے لمس کیا ہے۔ نیز شفاء میں حضرت خالد بن الولید ؓ کا واقعہ لکھا ہے کہ بعض لڑائیوں میں ان کی کلاہ سر پر سے گر پڑی تو اس کے لئے انہوں نے ایسا سخت حملہ کیا جو ان کے ساتھیوں کو غیر معمولی معلوم ہوا کیونکہ اس حملہ میں بہت آدمی قتل ہوئے حضرت خالد ؓ نے فرمایا کہ میں نے یہ حملہ ٹوپی کی وجہ سے نہیں کیا تھا بلکہ اس میں حضور ﷺ کے موئے مبارک تھے ان کی وجہ سے کیا تھا کہ مبادا انہیں میں ان کی برکت سے محروم نہ ہو جاؤں، اور یہ مبارک بال کفار کے ہاتھ میں پہنچ جائیں حضرت ابو ہریرہ ؓ کا واقعہ ہے کہ چند کھجوریں حضور ﷺ نے ان کو دم کر کے دی تھیں۔ جس کو انہوں نے ایک توشہ دان میں رکھ لیا تھا اور ان میں ایسی برکت ہوئی کہ ہمیشہ ان میں سے کھاتے رہے۔ یہاں تک حضرت عثمان ؓ کے واقعہ شہادت میں وہ ان کے پاس سے کھوئی گئیں۔ جس کا ان کو بہت صدمہ ہوا۔ چنانچہ ان کا شعر بھی اس بارے میں مشہور ہے۔

للناس ھم ولی فی الیوم ھمّان
فقد الجراب وقتل الشیخ عثمان

کہ لوگوں کو ایک ہی غم ہے اور مجھے آج دو غم ہیں توشہ دان کے کھوئے جانے کا اور حضرت عثمان ؓ کے شہید ہونے کا حضرت ابو ہریرہ کو اس برکت نبوی ﷺ کے فوت ہو جانے کا غم تھا جو ان چھواروں میں تھی عشاق کی یہی حالت ہوتی ہے کہ محبوب کی ذرا ذرا سی چیز پر جان دیتے ہیں۔

در منزلے کہ جاناں روزے رسیدہ باشد
باخاک آستانش داریم مرحبائے

عشاق کو تو اسی حب منزل محبوب کی بنا پر جنت کی بھی تمنا اسی طمع و اشتیاق میں ہوگی کہ

وہاں جنت میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوں گے۔ جنت میں گو راحت تو انشاء اللہ ملے ہی گی۔ مگر عشاق کو جنت کی اصل تمنا اور آرزو زیادہ اسی لئے ہوتی ہے کہ وہاں حضور ﷺ کی زیارت ہوگی تو گویا جنت بھی آپ ہی کی ذات بابرکات سے مقصود ہوگی اور جنت تو جنت آپ کی تو یہ شان ہے کہ دنیا میں جس حصہ زمین پر آپ ہوں وہ مقصود ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ حق تعالیٰ کی قسم تک میں وہ مقصود ہو جاتا ہے چنانچہ ارشاد ہے لا اقسم بهذا البلد وانت حِلّ بهذا البلد اس کی تفسیر میں بعض مفسرین نے واؤ حالیہ قرار دیا ہے۔ پس معنی یہ ہوں گے کہ میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں اس حال میں کہ آپ اس میں مقیم ہیں۔ یعنی آپ کی اقامت کی وجہ سے یہ شہر اس درجہ مکرم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ اس کی قسم کھاتے ہیں۔ پس اس بنا پر کہ جب جنت میں جاؤ گے تو ایک خوشی تو ہوگی راحت ملنے کی اور غم کے زائل ہونے کی کہ اللہ کا شکر ہے۔ دنیا کے مصائب سے نجات ہوگی۔ چنانچہ حق تعالیٰ جنتیوں کا قول فرماتے ہیں کہ اہل جنت کہیں گے۔ الحمد لله الذى اذهب عنا الحزن ان ربنا لغفور شكور الذى احلنا دار المقامة من فضله لا يمسنا فيها نصب ولا يمسنا فيها لغوب۔ یعنی حمد و شکر کرتے ہیں ہم اللہ کا جس نے ہم سے غم دور کر دیا بیشک خدائے تعالیٰ بڑے بخشنے والے بہت قدردان ہیں۔ جس نے اپنے فضل سے ہمیں اقامت کی جگہ میں پہنچا دیا (یعنی جنت مثل دنیا کے دار الارتحال نہیں بلکہ دار الاقامت ہیں) نہ ہمیں اس میں مشقت پہنچتی ہے نہ تھکن یہ خوشی تو طبعی ہوگی۔ دوسری خوشی حضور ﷺ کی زیارت کی ہوگی اور یہ خوشی عشقی ہوگی۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک قصہ کے ضمن میں تبریز کا ذکر فرماتے ہوئے مولانا شمس تبریز کو یاد کر کے تبریز کے حق میں کہتے ہیں۔

ابرکی یاناقتی طاب الامور
ان تبریزا مناجات الصدور
اسرحی یاناقتی حول الریاض
ان تبریز النانعم المفاض
سار بانا باز بکشاز اشتران
شهر تبریز است کوی گلستان

یہ اشعار زبان حال سے جنت میں جانے کے وقت پڑھنے کے قابل ہوں گے پس ابرکی اور اسرحی یاناقتی جب جنت میں پڑھیں گے تو وہاں ناقہ سے مراد جسم ہوگا یعنی اے بدن ٹھہر جا اور خوب کھا پی اب تعب نہیں رہا مشقت کے دن گئے اب تبریز حقیقی آ گیا تو یہ جسم اونٹ ہے جو روح کا مرکب ہے اور اس پر سوار ہو کر ہم اعمال کرتے ہیں اور اس مرکب ہونے کے لحاظ سے یہ اعضا بھی قابل قدر ہیں کہ اعمال صالحہ کا ذریعہ ہیں عارفین کو اپنے بدن کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے

وہ اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ ایک عارف کہتے ہیں۔

نازم بچشم خود که جمال تو دیده است
افتم بپائے خود که بکویت رسیده است
هر دم هزار بوسه زنم دست خویش را
کو دا منت گرفته بسوئم کشیده است

یعنی محبوب تک رسائی ہونے میں چونکہ ان کو دخل ہے اس وجہ سے یہ رتبہ ان اعضا کا ہو گیا کہ یہ قابل بوسہ کے ہیں اور باعث ناز ہیں اور اس تعلق سے قطع نظر کر لی جائے تو اس حالت میں یہ اس کے مصداق ہیں جو دوسرے صاحب حال کہتے ہیں۔

بخدا که رشکم آید ز دو چشم روشن خود
که نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روے

یا جیسے حضرت قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندهم
گوش رانیز حدیث تو شنیدن ندهم

یعنی میری نظر ہونے کے لحاظ سے یہ بھی غیر ہے اور قابل غیرت ہے اور اس حیثیت سے کہ آپ کا عطیہ ہے قابل قدر و باعث فخر ہے چنانچہ اس کے بعد ہی بیتم کا مقصود ہونا اسی اعتبار سے فرماتے ہیں۔

گر بیاید ملك الموت که جانم ببرو
تانه بنیم رخ تو روح رمیدن ندهم

پس ناقہ بدن کو من حیث آلۃ الوصول گویا جنتی بلسان حال خطاب کرتا ہے ابرکی یاناقتی اور اسرحی یاناقتی اور عجیب بات ہے کہ ان اشعار میں بھی حول الریاض آیا ہے اور جس آیت کا بیان ہو رہا ہے اس میں بھی فی روضۃ وہی مادہ واقع ہے۔ پس یہ عجیب تطابق ہے لفظاً بھی معنیً بھی اور فی روضۃ کے بعد جو یحبرون آیا ہے مضمون مقصود کا نام الحبور بھی اسی لئے رکھا گیا ہے، بہرحال جنت میں جانا حبور ہے تو جنت میں جانے کا سبب کہ حضور ﷺ کے قدوم و اتباع کی برکت ہے اصل الحبور ہے پھر بقیہ مضمون تبرکات کا معروض ہے۔ وایضاً قال القاضی وحکی عن عبد الرحمٰن السلمی عن احمد بن فضلویه الزاهد وكان من الغزة الرماة انه قال مامست القوس بيدی الاعلى طهارة منذ بلغنی ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اخذ القوس بیدہ۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تابعی کی حکایت بیان فرمائی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے کمان کو اپنے دست مبارک میں لیا ہے اس وقت

سے بے وضو کمان کو میں نے کبھی ہاتھ میں نہیں لیا۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے ادب کا کہ جس چیز کا ہاتھ میں لینا حضور ﷺ کا ثابت ہو گیا اس کی مثل کو بھی بے وضو کبھی نہ چھوا یہ تو سب کر سکتے ہیں کہ جس چیز کو حضور ﷺ نے خود مس فرمایا ہے اس کو بے وضو ہاتھ میں نہ لیا جائے مگر یہ بات کہ اس کی نوع میں سے بھی کسی کو بے وضو نہ چھوا جائے یہ غایت ادب ہے۔ وایضاً قال قاضی عیاض رای ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ واضعایدہ علی مقعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم من المنبر ثم وضعہا علی جبہۃ۔

بعض محبین کی حکایت:

قاضی عیاض حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنا ہاتھ منبر نبوی پر نشست گاہ نبوی سے مس کر کے اپنی پیشانی کو ملتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز ملبوس نبوی سے مس کی گئی ہو اس میں بھی برکت ہوتی ہے۔ مگر اس سب کے ساتھ ان کو عید نہ بنانا چاہئے۔ کیونکہ سمجھنے کی بات ہے کہ ان چیزوں کی قدر کس لئے ہے اسی لئے نا کہ یہ حضور ﷺ کی چیزیں ہیں۔ پھر احکام بھی تو حضور ﷺ ہی کے ہیں ان کی بھی تو قدر کرنی چاہئے۔ ان میں بھی تو برکت ہے، اس برکت کو بھی لینا چاہئے۔

غرض وہ جو سوال کیا گیا تھا کہ سلف صالحین کا تبرکات کے ساتھ کیا برتاؤ تھا۔ ان روایتوں سے ان کا جواب معلوم ہو گیا ان ہی کے موافق ہم کو بھی عمل کرنا چاہئے۔ اس سے زیادہ تعدی نہ کرنی چاہئے۔ بعض لوگ یہاں تک غلو کرتے ہیں کہ جبہ شریف کے لئے نذریں مانتے ہیں۔ فقہا نے اس کو حرام لکھا ہے۔ کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لئے نہیں ہو سکتی۔ عبادت خالق جل وعلیٰ شانہٗ کے لئے خاص ہے۔ بحر الرائق میں اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ نذر ماننا مخلوق کے لئے سب کے نزدیک اتفاقاً حرام ہے نہ وہ نذر منعقد ہوگی اور نہ اس کا پورا کرنا ذمہ میں واجب ہوگا اور وہ حرام بلکہ سخت حرام ہے۔ مجاوروں کو اس کا لینا۔ کھانا اور اس میں کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں۔ اصل عبارت یہ ہے۔ فی البحر النذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لایکون للمخلوق وفیہ الاجماع علی حرمۃ النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا تشتغل الذمۃ منہ وانہ حرام بل سحت ولا یجوز لخادم الشیخ اخذہ ولا اکلہ ولا التصرف فیہ بوجہ من الوجوہ۔

بدعات کیلئے وقف ناجائز اور باطل ہے:

بعض لوگ جبہ شریف کے عرس وغیرہ کے لئے زمینیں وقف کرتے ہیں تو یاد رکھیے اگر

وقف کرنے والے کی نیت اس وقف سے یہی ہے کہ ان بدعات وخرافات میں اس کا روپیہ صرف کیا جائے تب تو یہ وقف باطل ہے جائز نہیں اور وقف کرنے والا گنہگار ہے۔ وفی العالمہیریہ ومنہا ان من شرائط صحتہ ان یکون قربۃ من ذاتہ وعند التصرف الخ یعنی صحت وقف کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس کام کے لئے وقف کیا گیا ہے وہ فی نفسہ بھی قربت ہو اور وقت تصرف کی بھی قربت ہو اور ظاہر ہے کہ عرس وغیرہ کا دلائل شرعیہ سے حرام ہونا معلوم تو اس کی نیت سے وقف بھی صحیح نہ ہوگا اور نہ اس کے لئے چندہ دینا درست ہوگا البتہ اگر اس نیت سے وقف کیا جائے کہ جو فقراء ومساکین اس کی زیارت کو حاضر ہوں ان پر صرف کیا جائے اور جو لوگ اس کے متولی ہوں وہ بھی بقدر حاجت اس میں سے لے لیا کریں تو یہ وقف صحیح ہے اور اس نیت سے خدام جبہ کو کچھ دینا بھی جائز ہے۔

جبہ شریف کیلئے نذریں ماننا حرام ہیں:

غرض جبہ شریف کے لئے نذریں ماننا بالکل حرام ہے اس لئے مسلمانوں کو احتراز لازم ہے بعض لوگ نذر کے پیسے جبہ شریفہ کے اوپر لاکر رکھتے ہیں اور یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ معاذ اللہ گویا حضور ﷺ ان کو دست مبارک میں لیتے ہیں۔ استغفر اللہ العظیم کیا یہ ناپاک چیزیں اسی قابل ہیں کہ جبہ شریف پر ان کو رکھا جائے اور یہ اعتقاد کیا جائے کہ حضور ﷺ ان کو دست مبارک میں لیتے ہیں۔ واقعی جب ادب میں غلو ہوتا ہے تو بے ادبی ہونے لگتی ہے اور کرنے والوں کی آنکھوں پر ایسے پردے پڑ جاتے ہیں کہ ان کو ذرا بھی عقل نہیں آتی۔ بھلا یہ گندے پیسے جو چمار اور بھنگیوں کے ہاتھوں میں بھی جاتے ہیں جبہ شریفہ پر رکھنے کے قابل ہیں سچ کہا ہے کسی نے توقع زوالا اذا قیل تم۔ کہ جب کوئی چیز کمال کو پہنچ جاتی ہے اب اس کے زوال کی توقع کرو کیونکہ کمال کے بعد آگے کوئی مرتبہ رہا نہیں۔ لامحالہ اب پیچھے کو لوٹیں گے بالکل یہی حال ہو رہا ہے کہ ادب میں غلو کرتے کرتے اب بے ادبی کی طرف لوٹنے لگے اسی سے کہا جاتا ہے کہ اعتدال سے ہر کام کرنا چاہئے اس مضمون کا پہلا جزو جو کہ تبرکات کے متعلق تھا ختم ہوا اب دوسرا جزو کہ وہ بھی اسی مضمون کے متعلق ہے اور پھر دونوں جزو مل کر ایک ہیں وہ بیان کرتا ہوں اور وہ دوسرا جزو گیارہویں کے متعلق ہے اس روز لوگ حضرت غوث الاعظم سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی گیارہویں مناتے ہیں۔ اول تو لا تتخذوا قبری عیدا سے اس کا بھی رد ہو گیا کیونکہ مثل یوم المیلاد وغیرہ کے یہ دن بھی متبدل ہو گیا۔ جب غیر متبدل یعنی قبر نبوی کا عید بنانا حرام ہے تو متبدل یعنی بڑے پیر صاحب کی گیارہویں کا عید بنانا کیسے جائز ہوگا۔

گیارہویں کرنے والوں کی تاریخ غلطی:

دوسرے یہ تاریخ حضرت کی وفات کی کسی مورخ نے نہیں لکھی نہ معلوم عوام نے گیارہویں تاریخ کس کشف والہام سے معلوم کرلی۔ بعض لوگ ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظم خود حضرت ﷺ کی گیارہویں کیا کرتے تھے تو اول تو یہ روایت ثابت نہیں اس کا ثبوت دینا چاہئے دوسرے اگر ہو بھی تو کیا تم حضرت غوث اعظم کو رسول اللہ ﷺ کے برابر کرتے ہو کہ رسول کی گیارہویں چھوڑ کر بڑے پیر صاحب کی گیارہویں کرتے ہو۔ یہ تو ان کے بھی خلاف ہے کیونکہ اگر بالفرض وہ گیارہویں رسول کی کیا کرتے تھے تو اس کو ہرگز وہ گوارا نہ کر سکتے تھے کہ میرے بعد بجائے رسول کے میری گیارہویں کی جائے۔ تیسرے اس میں عقیدہ بھی فاسد ہے۔ کہ لوگ حضرت غوث اعظم کو رسول اللہ ﷺ کے برابر سمجھتے ہیں کہ حضور ﷺ کا میلاد کرتے ہیں۔ تو بڑے پیر کی گیارہویں بلکہ بعض جگہ حضرت غوث اعظم کا میلاد بھی ہونے لگا۔ گویا بالکل ہی رسول کے مساوی ہوگئے اور غضب یہ ہے کہ کرنے والوں کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر گیارہویں نہ کریں گے تو بلا نازل ہوگی۔ بڑے پیر صاحب ناخوش ہو جائیں گے اور پھر نہ معلوم کیا سے کیا کر دیں گے گویا نعوذ باللہ وہ مخلوق کو تکلیف دیتے پھرتے ہیں نیز گیارہویں کرنے والوں کو مال واولاد کی ترقی کا باعث سمجھتے ہیں اس میں حضرت غوث اعظم سے دنیا کے لئے تعلق رکھنا ہوا یہ کیسی بے حیائی ہے کہ جس مردار کو وہ چھوڑ کر الگ ہوگئے تھے اسی کے لئے ان سے تعلق کیا جائے۔

غرض گیارہویں کے اندر بھی عملی اور اعتقادی بہت سی خرابیاں ہیں اس کو چھوڑنا چاہئے۔ اگر کسی کو حضرت غوث اعظم کے ساتھ محبت کا دعویٰ ہو تو کچھ قرآن پڑھ کر ان کی روح کو بخش دے یا بلا تعیین تاریخ وغیرہ غربا کو کھانا کھلائے۔ اب میں وعظ کو ختم کرتا ہوں اور دوسرے حصہ وعظ کا نام الحضور لاسور الصدور رکھتا ہوں اس میں صدور جمع ہے صدر کی جس کے معنی ہیں عظیم الشان چونکہ اس میں تبرکات کی زیارت وغیرہ کا ذکر ہے اس لئے یہ نام مناسب ہے۔ یہ تو ہر حصہ کا الگ الگ نام ہے۔ پھر جی چاہتا ہے کہ مجموعہ کا نام بھی رکھ دیا جائے تو مجموعہ کا نام راس الربیعین ہے وجہ اس نام کی یہ ہے کہ جزو اول اس نام کا یعنی لفظ راس بمعنی طرف ہے۔ جس کا اطلاق کبھی طرف اول پر کبھی طرف اخیر پر آتا ہے اور آج کا دن ایک ماہ کا متحمل ختم اور دوسرے ماہ کا محتمل آغاز ہے اور جزو ثانی کے معنی ظاہر ہیں اور لطیفہ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ نام اس سے پہلے والے وعظ کے بھی یعنی اساس الربیعین کے مناسب ہے (مناسبت ظاہر ہے کہ دونوں ناموں کے جز اول باہم اور دونوں جز ثانی باہم ہم قافیہ ہیں۔) اگر کوئی صاحب شائع کریں تو دونوں الگ الگ شائع نہ کریں۔ کیونکہ میر الطیفہ ربیعین کا ضائع ہو جائے گا۔ اس کے متعلق میں نے ایک خواب

کانپور میں سنا تھا۔ جب جامع مسجد کانپور کے وسیع کرنے کا خیال ہوا تو ایک مینار کو توڑنے کی رائے ہوئی تاکہ بیچ میں مینار واقع نہ ہو بلکہ مسجد کو بڑھا کر کنارہ میں نیا مینار تعمیر کیا جائے تو ایک شخص نے رات کو خواب میں دیکھا کہ دونوں مینار گلے مل کر رو رہے ہیں اللہ اکبر جمادات میں بھی انس کا مادہ ہے کہ ایک کو دوسرے کی جدائی کا صدمہ ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ دونوں وعظ باہم متناسب اور ہموزن ہیں اور قریب قریب ایک مضمون کے ہی ہیں اور ایک ہی وقت میں بیان ہوئے ہیں اس لئے ان میں بھی جدائی نہ کی جائے اگر چہ شرعاً جائز ہے۔

سب مضمون کا خلاصہ یہ ہوا کہ بڑی خوشی حضور ﷺ کی تشریف آوری سے اس بات پر ہونی چاہئے کہ آپ کی برکت سے ہمیں ایمان اور اعمال کی توفیق ہوئی اور یہ خوشی جنت میں جا کر پوری طرح محسوس ہوگی۔ جس کی آیت میں بشارت ہے۔ فاما الذین امنوا وعملوا الصلحت فهم فی روضة یحبرون طاب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

اس سال یہ مضمون ربیع الاول کے بالکل اخیر میں ہوا جس میں منجانب اللہ یہ لطیفہ ہوگیا وقت کا التزام نہ رہا اور انشاء اللہ کبھی ایسا بھی ہوگا کہ اس متعلق بالکل ہی بیان نہ ہوگا تاکہ التزام کا بالکل وہم بھی نہ رہے۔ فقط والحمد للہ رب العلمین۔

واعظ

الشذور

فی حقوق بدر البدور

انقلابات امت کی اصلاح متعلق بحضرت رسالت ﷺ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آپ کے جو احسانات وعنایات امت کے حال پر متوجہ ومبذول ہیں ان کی کیت وکیفیت پر نظر کر کے یہ حکم یقینی ہے کہ آپ کے حقوق امت کی گردن پر اس قدر کثیر ہیں کہ قیامت تک ان سے سبکدوشی قریب بہ محال ہے لیکن باوجود کثرت کے وہ سب حقوق تین کلی کے احاطہ میں آئے ہوئے ہیں۔ ایک محبت۔ دوسرے متابعت۔ تیسرے عظمت۔ اور ہر چند کہ ان تینوں میں اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے باہم ایسا تعلق اور تلازم ہے کہ ایک کا وجود بغیر دوسرے کے ممکن ہی نہیں۔ لیکن بلا خیال معنی اگر صرف صورت کے درجہ کا لحاظ کیا جائے تو یہ تینوں کہیں کہیں علیحدہ علیحدہ بھی خیال میں آسکتے ہیں اور اس وقت چونکہ اکثر طبیعتیں محض صورت پر قناعت کئے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان امور کا جدا جدا موجود ہونا بکثرت واقع ہو رہا ہے اور اس معاملہ میں یہی بڑا جدید انقلاب ہے، جس سے سلف صالح مبرا تھے۔ چنانچہ ان حضرات کے تاریخی واقعات کو جو کہ مشہور اور کتب احادیث وسیر میں مذکور ہیں اس وقت کے اکثر مسلمانوں کے معاملات کے ساتھ (جن میں سے کچھ بطور نمونہ ذیل میں بعنوان کوتاہی مرقوم ہوتا ہے) موازنہ کرنے سے اس حکم کی صحت بداہۃً معلوم ہو سکتی ہے اور اسی مضمون سے اسی انقلاب پر تنبیہ اور اس کی اصلاح کی طرف ترغیب توجہ مقصود ہے حاصل اس کا اختصار کے ساتھ یہ ہے کہ جو طبائع زمانے کے جدید رنگ میں رنگے گئے ہیں۔ ان میں تو یہ کوتاہی مشاہد ہے کہ وہ جناب رسول مقبول ﷺ کے ساتھ اس قدر دلچسپی رکھتے ہیں کہ دوسرے اقوام یا مذاہب سے مقابلہ کی گفتگو کے موقع پر آپ کی سوانح عمری میں

یا آپ کے بعض اقوال وافعال کی حکمتوں میں سے (خواہ ان کی حقیقت تک ان کے ذہن کی رسائی ہو یا نہ ہوئی ہو) صرف وہ حصہ جس کو تمدن سے تعلق ہے محض اس غرض سے بیان کر دیتے ہیں کہ آپ کی عظمت اور آپ کے قانون کی عزت ظاہر ہو جائے اور اسی کو اسلام کی خدمت اور آپ کے ادائے حقوق کے لئے کافی سمجھتے ہیں باقی نہ اتباع کو ضروری سمجھتے ہیں۔ نہ محبت کا کوئی اثر پایا جاتا ہے۔ بلکہ اتباع کو تعصب اور محبت کو وحشت سمجھتے ہیں اور سبب نخفی اس کا یہ ہے کہ اس زمانے میں سب سے بڑا مقصد جاہ وعزت کو قرار دیا گیا ہے جس کے مطلوب ہونے کا ہم کو بھی انکار نہیں مگر کلام اس میں ہے کہ آیا وہ مطلوب بالعرض ہے یا خود مطلوب بالذات ہے۔

بہر حال چونکہ اس کو کمال بالذات سمجھا جاتا ہے اس لئے حضور اقدس ﷺ کے لاتعدد لاتحصی کمالات حقیقیہ عظیمۃ الشان میں سے ان کی نظر اسی کا انتخاب کرتی ہے اور دوسرے کمالات کا مثل محبت الٰہی وخشیت وزہد وصبر وتربیت روحانی ومجاہدہ وشغل بحق ودیگر فضائل علمیہ وعملیہ کا بھی ان کی زبان پر نام بھی نہیں آتا جس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ گویا آپ خاص اسی غرض کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے کہ ایک جماعت کو قوم بنا کر اس کو دنیوی ترقی کے وسائل کی تعلیم فرما دیں تاکہ وہ دوسری قوموں پر سابق وفائق رہ کر دنیا میں شوکت کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ کیا قرآن مجید وحدیث میں گہری نظر کرنے والا آپ کی تعلیم کا یہ خلاصہ نکال سکتا ہے ان صاحبوں کو اپنی اصلاح کے لئے اس کی سخت ضرورت ہے کہ علماء محققین وعرفاء محققین کی طویل صحبت وملازمت کا التزام کریں اور ان کی خدمت میں کچھ عرصہ تک بالکل سکوت اختیار کر کے رہیں خود ان کے اقوال متفرقہ وارشادات مختلفہ سے انشاء اللہ تعالیٰ ایک بڑی فہرست خیالات کی درست ہو جائے گی اس کے بعد جو شبہات رہ جائیں ان کو ادب کے ساتھ ان کے حضور میں پیش کریں اور توجہ وانصاف کے ساتھ جواب سنیں ان کو اس زمانہ سکوت میں جو اصول وقواعد سننے اور ذہن نشین کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ وہ اصول ان جوابوں کے سمجھنے میں نہایت معین ہوں گے اور اطمینان وشفائے کلی میسر ہوگی اس طریق اصلاح کو جو کلی مجرب ہے۔ سرسری خیال نہ فرما دیں اور نیز حدیث میں کتاب الرقاق وابواب الزہد کا بار بار مطالعہ فرمادیں۔ یہ کلام تو ان لوگوں کے مذاق پر تھا جو نئی روشنی کے تابع ہو رہے ہیں۔ اب باقی دوسرے حضرات کی کیفیت معروض ہے کہ ان میں سے بعض میں محبت کے ظاہری آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً حضور ﷺ کی شان میں اشعار مدحیہ پڑھنا یا شوق سے سننا ان سے متاثر ہونا کیفیت طاری ہو جانا بھی رو پڑنا، بھی نعرہ لگانا، کثرت سے آپ کے ذکر مبارک کی مجالس منعقد کرنا وشل ذلک لیکن ان میں یہ کوتاہی دیکھی جاتی ہے کہ اس کو کافی سمجھ کر حضور ﷺ کے ارشاد فرمودہ احکام کی بجا آوری اور متابعت کے اہتمام کو ضروری نہیں جانتے۔ اول تو خود ان اعمال مذکورہ میں بھی جن کو وہ محبت کے عنوان سے اختیار کرتے ہیں بسا اوقات حدود

شریعہ کو محفوظ نہیں رکھتے۔ پھر دیگر اعمال و معاملات میں تو نہ عنوان محبت رہتا ہے نہ اعمال محبت۔ کسی کو نماز کا یا جماعت کا اہتمام نہیں کسی کو رشوت و ظلم سے پاک نہیں کوئی منکرات اور حرام لذات میں مبتلا ہے کوئی شرکیات و بدعیات کو دین سمجھ کر کر رہا ہے سبب اس کا بے علمی یا کم علمی ہے، یا غلط علمی اس کی اصلاح یہ ہے کہ کتب حدیث میں سے ابواب الایمان و ابواب العلم و باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ و ابواب الفتن و ابواب صفۃ جہنم و احوال القیامۃ کو مدت تک مطالعہ میں رکھیں اور ان ابواب کے مطالعہ سے علماء متبعین سے محبت اور ان کی شناخت ہو جائے گی اس وقت ایسے حضرات کی صحبت اختیار کرنا اس اصلاح اور علاج کی تکمیل اور پختگی ہوگی۔

اب صرف ایک جماعت اور رہ گئی کہ جن کو احکام کی متابعت کا ضروری ہونا پیش نظر ہے اور کم و بیش ان کا اہتمام بھی ہے مگر کوتاہی اتنی ہے کہ ان میں کیفیت لین کی نہیں آئی (تواضع اور نرمی) جو غلبہ محبت کو لازم ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی ان میں اتباع کی حلاوت جو کہ محبت خاصہ کا اثر ہے پیدا نہیں ہوئی۔ پس ان کا طرز عمل بالکل ایسا ہے جیسے کسی نوکر کو اپنے آقا سے صرف ضابطہ کا تعلق ہو کہ خدمات مفوضہ میں تو فروگزاشت نہیں کرتا۔ مگر وقت پورا کر دینے کے بعد نہ ایک منٹ ٹھہرتا ہے نہ کبھی کوئی زائد خدمت کرتا ہے نہ آقا کا کبھی ذکر خیر کرتے ہوئے دیکھا گیا نہ آقا کے اہل و عیال کا ادب و احترام کرتا ہے نہ اپنے خواجہ تاش لوگوں سے کوئی واسطہ سلام کلام کا رکھتا ہے یہ تو خشکی ہی تھی۔ اس سے بڑھ کر یہ کرتا ہے کہ بجز اپنے سب خواجہ تاشوں کو نافرمان اور حقیر سمجھ کر ان سے لڑتا بھڑتا ہے اور اپنی بجا آوری خدمت پر ہمیشہ ناز اور فخر کرتا ہے اور اس وجہ سے سب سے الجھتا اور جن کی فہمائش کرنے کا آقا نے نرمی کے ساتھ حکم دیا ہے ان سے یہ سختی کرتا ہے اور جن کوتاہیوں سے آقا درگزر کر دیتا ہے یہ ان میں بھی مدعی بن کر کسی کو مارتا ہے کسی کو گالی دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ نوکر آقا کی نظر سے گر جائے گا اور ان بداخلاقیوں کی بدولت جو کہ آقا کی مرضی کے بھی خلاف ہیں اس کی خدمت کا اثر اور ثمرہ بھی نہایت ضعیف ہو جائے گا۔

بعینہٖ یہی حالت ان لوگوں کی ہے جو کسی قدر نماز روزہ اور بعض معاملات بھی درست کر کے اپنے کو مقدس اور متبع اور تمام دنیا کو فاسق بدعتی کافر جہنمی سمجھ بیٹھتے ہیں اور خفیف امور میں ان سے الجھتے ہیں اور ہر شخص سے فساد و فتنہ کرتے ہیں اور بعضے ان میں عوام سے گزر کر علماء اور بعض ائمۂ اعلام یا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں بدگمانی کر کے بدزبانی کرنے لگتے ہیں۔ اسی کو دین کی بڑی حمایت اور خدمت سمجھتے ہیں کہ جس ذات مقدسہ کے اتباع کا دعویٰ ہے خود آپ کے ساتھ یہ برتاؤ ہے کہ نہ آپ کا نام مبارک ادب سے لیتے ہیں نہ کبھی آپ کا ذکر مبارک شوق سے کرتے ہیں۔ نہ کبھی ذکر مبارک سن کر گداختہ ہوتے ہیں نہ درود شریف کا کوئی معمول انہوں نے ٹھہرایا ہے نہ آپ کے محبوبوں (یعنی علماء و صحابہ و اہل بیت) سے ان کو کوئی تعلق محبت و احترام کا معلوم ہوتا ہے ان امور

میں بعض تو موجب خسران و عصیان ہے اور بعض سبب حرمان ہیں (یعنی بہت بڑے مراتب اور ثواب سے محرومی کا باعث ہیں) کیونکہ اخلاق ظاہرہ و باطنہ کی اصلاح فرائض میں سے ہے جس میں خلل اندازی عصیان ہے اسی طرح آپ کے وارثان علوم سے عظمت و احترام کا تعلق اور آپ کی امت سے شفقت و رحمت کا تعلق رکھنا بھی واجب ہے جس کا ترک یقینی خسران ہے باقی جو آداب خاصہ و حقوق محض عبادت نافلہ کے درجہ میں ہیں ان کی کمی بھی خاص برکات سے محرومی تو ضرور ہے اس کوتاہی کی اصلاح کاملین اہل اللہ کی صحبت اور کتب سیر نبویہ و حقوق مصطفویہ مثل شفا قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اور کتب اخلاق و سلوک کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنے کا اہتمام ہے۔ ہر امتی کو یہ سمجھنا چاہئے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہمارے چند تعلقات ہیں، ایک تعلق یہ کہ آپ نبی ہم امتی۔ دوسرے یہ کہ آپ حاکم ہم محکوم، تیسرا تعلق یہ کہ آپ دارین میں محسن ہم زیر بار احسان۔ چوتھا تعلق یہ ہے کہ آپ محبوب ہم محب اور ان میں سے ہر تعلق جب کسی کے ساتھ ہوتا ہے تو اس پر خاص خاص حقوق و آداب کا مرتب ہونا معلوم اور مسلم اور معمول ہے۔

پس جب آپ کی ذات بابرکات میں سب تعلقات مجتمع ہوں اور پھر سب اعلیٰ و اکمل درجہ کے تو آپ کے حقوق بھی ظاہر ہے کہ کس قدر اور کس درجہ کے ہوں گے ان سب کے ادا کرنے کا دل سے اور التزام سے ایسا اہتمام کرنا چاہئے کہ وہ کثرت عادت اور استحضار الفت سے شدہ شدہ طبعی ہو جائیں اور پھر بھی آپ کے حقوق کے مقابلہ میں اپنی اس خدمت کو کہ در حقیقت اس کا نفع اپنی ہی طرف عائد ہے ناتمام سمجھے یہ مختصر مضمون ختم ہوا اور اس کے ختم ہونے کے وقت یاد آیا کہ احقر نے ایک رسالہ نشر الطیب متوسط حجم کا سیر نبویہ میں لکھا ہے میں امید کرتا ہوں کہ وہ مختصر کی شرح کے لئے کافی اور بقصد اعتقاد و عمل اس کا مطالعہ میں رکھنا ان سب اصلاحات کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ کافل ہو سکتا ہے دعائے اشاعت فرمایئے۔ والسلام (اس کے بعد بفضلہ تعالیٰ وہ رسالہ شائع ہو گیا)

تتمہ مضمون سابق

یہ تتمہ پہلے مضمون سے الگ کوئی مضمون نہیں ہے بلکہ ایک درجہ میں گویا اسی کی تفصیل اور شرح ہے مضمون سابق میں زمانے کا رنگ قبول کرنے والی طبائع کی نسبت جس کوتاہی کا بیان ہوا ہے اس کا تتمہ یہ ہے کہ ایسے لوگ در حقیقت حضور اقدس ﷺ کے تینوں حقوق میں تقصیر کے ہوئے ہیں۔ متابعت و محبت کا موجود نہ ہونا تو ظاہر ہے اور پہلے مضمون میں اس کو صراحت سے بیان کر دیا گیا ہے البتہ ان کے اس عمل سے کہ ان کی زبان یا قلم سے بعض ایسے مضامین صادر ہوتے ہیں کہ ان سے آپ کی عظمت یا آپ کے قانون کی عزت ظاہر ہوتی ہے۔ یہ شبہ ہو سکتا ہے

کہ شاید وہ آپ کا حق عظمت ادا کرتے ہیں لیکن اگر ذرا نظر کو عمیق کیا جائے تو ثابت ہو جائے کہ یہ احتمال بھی واقعیت نہیں رکھتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی جس عظمت میں گفتگو ہو رہی ہے وہ وہ عظمت ہے جس کیساتھ آپ حامل وحی ہونے کی حیثیت سے متصف ہیں اور ان لوگوں کی تحریر وتقریر میں نظر کرنے سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قلوب میں آپ کی جو عظمت ہے وہ اس حیثیت سے نہیں بلکہ ایک حکیم تمدن ہونے کی حیثیت سے ہے کیونکہ ان دونوں عظمتوں کے آثار کا موجود نہ ہونا ہمارے دعویٰ کی دلیل ہے۔ چنانچہ اعتقاد عظمت نبوی کے آثار یہ ہیں کہ آپ کے احکام سنتے ہی یہ معلوم ہو کہ گویا حق تعالیٰ نے ہم سے خود فرما دیا ہے اور یہ کہ اس حکم کے قبول کرنے میں حکمت ومصلحت سمجھنے کا ہرگز انتظار نہ ہو بلکہ اگر بادی النظر میں کسی حکمت کے خلاف بھی معلوم ہو تب بھی اسی خوشی سے قبول کرے جیسا حکمت معلوم ہونے کے وقت کرتا اور نہ بدون حکمت سمجھے ہی اس حکم کی وقعت میں کچھ کمی ہو بلکہ جس طرح ادنیٰ خدمتگار شاہی حکم سنکر مغلوب ووالہ ہو کر دیوانہ وار اس کی بجا آوری کے لئے دوڑتا ہے اسی طرح اس کی کیفیت ہو جائے اور یہ کہ اس حکم کے خلاف کا مستحسن ہونا خیال میں بھی نہ آئے۔ بلکہ اجمالاً یوں سمجھے کہ بس تمام خیر وبرکت اور حکمت ومصلحت اور فلاح وصلاح اسی میں منحصر ہے، خواہ ہمارا ذہن کوتاہ اس کی تفصیل تک پہنچے یا نہ پہنچے بقول حضرت عارف گنجوی رحمۃ اللہ علیہ ؎

زبان تازہ کردن باقرار تو

نینگیختن علت از کار تو

اور صرف حکیم تمدن ہونے کے لحاظ سے جو اعتقاد وعظمت ہوتا ہے اس کے آثار یہ ہیں کہ حکم سنکر اتنا ہی اثر ہو جو ایک مخلوق ذی رائے کو سنکر ہوتا ہے اور یہ کہ اس کے قبول کرنے میں یا اس کو بنظر وقعت دیکھنے میں اس کا بھی انتظار ہو کہ اس میں عقلی (اور نقلی میں بھی دینوی) مصلحت کیا ہے جب تک مصلحت نہ معلوم ہو اس میں سخت تردد وخلجان رہے اور ہرگز اس پر عمل کرنے میں شرح صدر نہ ہو خود بھی ایک قسم کی تنگی اور جبر وتحکم کا سا اثر رہے اور دوسروں کے سامنے بھی اس کا دعویٰ کرتے ہوئے ایک گونہ خجلت اور بے وقعتی کی سی کیفیت رہے اور بار بار اس حکم کی جانب مخالف کی ترجیح کا ہجوم اور اس کی تمنا کا قلب پر غلبہ رہے اور ہرگز اس کے صحیح ہونے کا دل کھول کر حکم نہ کر سکے بلکہ اس فکر میں رہے کہ کسی طرح اس کا شرعی ہونا ثابت نہ ہو اور جب اور کچھ نہ ہو سکے تو بعض تاویلات سے اس حکم کے شرعی ہونے کا انکار کر دے، کبھی اس کے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہونے میں شبہات پیدا کرے بلکہ اس کو راویوں کی نقل کی غلطی یا ان کی رائے کی آمیزش کا اثر بتلا دے اور کبھی رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہونے کو تسلیم کر کے خود آپ کی نسبت کسی ضرورت ومصلحت وقت کے اتباع کا دعویٰ کرے اور چونکہ وہ مصلحت باقی نہیں رہی لہٰذا اس حکم بھی موجود نہ

سمجھے۔ غرض ہزاروں حیلے نکالے مگر اس حکم کو نہ مانے یا اگر مانے تو اعتقاد سے نہ مانے بلکہ بدنامی سے بچنے کو یا قومی شیرازہ کے منتشر ہونے کی ضرورت سے مانے، یا اعتقاد ہی سے مانے مگر نشاط خاطر کے ساتھ مانے بلکہ مذہبی مجبوری سمجھ کر مانے اور یہ ان میں سب سے زیادہ سلیم وصالح طبائع کا حال ہے۔ اور یہ وہ مراتب ہیں جو کم وبیش کفر سے سب ملے ہوئے ہیں کوئی صریح کفر ہے کوئی خفی کفر ہے کوئی کفر بننے کو ہے کمالا یخفی علی المنفطن السلیم۔ (چنانچہ سمجھدار سلیم الطبع پر پوشیدہ نہیں)

جب دونوں اعتقادوں کے آثار جدا جدا معلوم ہو گئے آگے ہر شخص کو مشاہدے سے اپنے اندر بھی اور غیر کے اندر بھی ان آثار کا وجود وعدم معلوم ہو سکتا ہے اور اس سے ہمارے دعوائے سابقہ کا صدق بخوبی واضح ہو جائے گا (اس مضمون کی شرح زیادہ وتحقیق کے ساتھ مطلوب ہو تو مضمون عظمت وحی رقمزدہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دامت فیوضہم جو القاسم کے نمونہ میں شائع ہوا ہے ملاحظہ فرما لیا جائے) ہماری اس تقریر کے یہ معنی نہ سمجھے جائیں کہ احکام شرعیہ حکمت سے خالی اور عاری ہیں، حاشا کلا بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کا اتباع اور ان کی خاص عظمت کا اعتقاد فہم حکمت پر موقوف نہ ہونا چاہئے۔ ہاں وہ خود ایک مستقل علم ہے کہ اس کو اسرار شریعت کا لقب دیا جاتا ہے مگر اس کے اہل خواص عارفین ہیں عوام الناس کو اس سے بجائے نفع کے ضرر کا احتمال غالب ہے کئی وجہ سے۔

ایک اس لئے کہ ان میں سب تو منصوص ہیں نہیں اجتہادی بکثرت ہیں جن میں احتمال خطا کا بھی ہے سو اگر کبھی اس کا غیر صحیح ہونا ظاہر ہو گیا اور عامی کے خیال میں اس حکم کی وہی حکمت یقینی تھی تو اس کے صحیح نہ ہونے سے اس حکم کو غیر صحیح سمجھ بیٹھے گا (بخلاف خواص کے کہ وہ اس کو یقینی علت اور مبنی حکم کا نہ سمجھیں گے اس لئے حکم میں ان کو کبھی کوئی خدشہ نہ ہوگا۔

دوم، اس لئے کہ کبھی کوئی مبنی اور حکمت صحیح معلوم ہوگی لیکن بعض اوقات وہ وجہ اور حکمت اس عامی کی نظر میں باوقعت نہیں ہوگی تو اس حکم کو بھی بے وقعت سمجھنے لگے گا۔

سوم، اس لئے کہ ہر حکمت علت نہیں ہوتی بعض اوقات عامی اس کو علت اور اصلی سبب سمجھ کر کسی موقع میں اس کے موجود نہ ہونے سے حکم ہی کے غیر موجود ہونے کا حکم لگا دے گا۔

چہارم، یہ کہ ہر حکمت مقصود بالذات نہیں ہوتی بعض اوقات عامی اس کو مقصود بالذات سمجھ کر کسی محل ومواقع میں حکمت کے حاصل ہونے کو کافی سمجھ کر تحصیل حکم کی ضرورت نہ سمجھے گا اور ان دونوں صورتوں (سوم وچہارم) میں اجتہاد باطل کا باب وسیع ہو جائیگا۔ مثلاً سفر میں مشقت پر نظر کر کے قصر کا حکم لگا دیا گیا ہے لیکن یہ علت نہیں حتیٰ کہ اگر سفر میں مشقت بھی نہ ہو تب بھی قصر ہے اور اسی طرح وضو مشروع ہوا ہے حکمت نظافت وطہارت سے۔ لیکن اگر طہارت ونظافت حاصل ہو تب بھی وضو سے استغناء نہ ہوگا۔

پنجم، یہ کہ عامی مخالف دین کے مناظرہ میں اس کو بیان کرے گا اور اگر وہ تحقیقی نہیں تو اس میں مخالف نے اگر خدشہ نکال دیا تو یہ مغلوب ہو جائے گا اور اس میں اسلام کو اور حق کو صدمہ پہنچے گا۔ مثلاً کسی نے کتا پالنے کی ممانعت کی یہ حکمت بیان کی کہ اس میں صفت سبعیت کی ہوتی ہے۔ تو اگر کسی نے اس میں یہ خدشہ پیدا کیا کہ تعلیم کے بعد سبعیت نہیں رہتی پھر کیوں ممنوع ہے تو یہ شخص بزبان حال اس حکم کو بے بنیاد کہے گا بخلاف راسخ فی العلم کے کہ وہ بجائے اس حکمت کے یہ کہے گا کہ ہمارے آقائے عظیم الشان کا یہ حکم ہے۔ ہم نہیں جانتے کیا مصلحت ہے تو اس شخص پر کوئی خدشہ ہی نہیں ہو سکتا۔

یہ شرح تھی مضمون متعلق حضرات محکوم الجدت کی۔ اس کے بعد اس مضمون سابق میں ان لوگوں کی کوتاہی کا بیان ہے جن میں ظاہراً بعض آثار محبت کے بھی پائے جاتے ہیں اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ خود ان اعمال مذکورہ میں بھی جن کو عنوان محبت سے وہ اختیار کرتے ہیں بسا اوقات حدود شرعیہ کو محفوظ نہیں رکھتے اس کا تتمہ یہ ہے کہ۔

یہ لوگ بھی درحقیقت تینوں حقوق کو ضائع کرتے ہیں متابعت کی نفی تو ظاہر ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو ان کے قلب میں حقیقی عظمت و محبت بھی نہیں گو زبان سے تعظیم و محبت کا دعویٰ کرتے ہیں کیونکہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ اعتقاد عظمت کے لئے یہ لازم ہے کہ اپنے ارادے اس معظم ومکرم کے ارادوں کے سامنے فنا ہو جائیں چنانچہ کسی رئیس کے پاس کسی عظیم الشان با اختیار افسر کا حکم ضابطہ کا یا نج کا فوری حاضری کے لئے آئے اور فوری بھی ایسا کہ وہ حاکم دروازے پر ٹھہر کر جلدی طلب کرے تو اس وقت ہم اس کی حالت کا اندازہ اس کی حرکات سے کرتے ہیں کہ ان میں اختیاریت کی شان پر اضطراریت کی حالت کو غلبہ ہوتا ہے، حتیٰ کہ اکثر امور اس وقت معمول کے خلاف اس سے سرزد ہونے لگتے ہیں اور وقار و متانت سب مرتفع ہو جاتا ہے اور یہ سب علامت ہے فناء ارادہ کی اور منشاء اس کا وہی اعتقاد عظمت ہے اور فنا ارادہ کے لئے یہ لازم ہے کہ متابعت تعمیل ارشاد میں مبادرت و سبقت ہو جب متابعت نہ ہوئی تو ظاہر ہے کہ حقیقی عظمت بھی دل میں نہ ہوئی اور جس طرح غلبہ عظمت سے ارادہ فنا ہوتا ہے اسی طرح غلبہ محبت سے بھی فنائے ارادہ پیدا ہوتا ہے گو دونوں کیفیتیں جدا جدا قسم کی ہیں مگر فنائے ارادہ دونوں کے لئے لازم اعم ہے جیسے حرارت کہ نار کو بھی لازم ہے اور دھوپ کو بھی، پس جس طرح حرارت کے نہ ہونے سے دھوپ اور آگ کا معدوم ہونا لازم آتا ہے اسی طرح جب متابعت نہ ہوگی محبت و عظمت دونوں کے معدوم ہونے کا حکم کیا جائے گا اسی معنی میں حضرت عبداللہ بن المبارک کا ارشاد ہے۔

لو کان حبك صادقا لا طعته
ان المحب لمن یحب مطیع

البتہ ادنیٰ درجہ کی محبت و اعتقاد عظمت کا انکار نہیں کیا جاتا۔ لیکن شرعاً مطلوب ہے ان

دونوں کا غلبہ اور قوت جیسا کہ اس ارشاد نبوی ﷺ سے ثابت ہوتا ہے

لا یومن احد کم حتی اکون احب الیه من ولده ووالده والناس اجمعین (کسی شخص کو ایمان کامل نصیب نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں (یعنی سرور عالم) اس کے نزدیک اولاد اور ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)

اور ان لوگوں کا دیگر امور شرعیہ میں متابعت نہ کرنا تو ظاہر ہے چنانچہ مضمون مذکور میں کچھ اس کی تفصیل بھی ہے (جو جمادی الاولیٰ میں شائع ہوا ہے) لیکن خاص ان امور میں جن کو وہ عنوان محبت سے اختیار کرتے ہیں اس متابعت کا معدوم ہونا اس مضمون میں مجملاً بیان کیا گیا ہے کہ ان میں بھی بسا اوقات حدود شرعیہ کو محفوظ نہیں رکھتے اس کی تفصیل ان لوگوں کے ان طریقوں کے دیکھنے سے ہو سکتی ہے مثلاً یہ کہ آپ کی مدائح میں اس قدر غلو اور مبالغہ کرتے ہیں کہ اس میں دوسرے حضرات انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کی شان میں گستاخی ہو جاتی ہے۔ مثلاً

بر آسمان چہارم مسیح بیمار است
تبسم تو برائے علاج درکار است

اور مثلاً

شب و روز ان کے صاحبزادوں کا گھوارہ جنباں تھا
عجب ڈھب یاد تھا روح الامیں کو بھی خوشامد کا

نصوص قرآنیہ وحدیثیہ میں ان حضرات مقدسین کے تعظیم و ادب کا حکم وارد ہے۔ پس ایسے طریقہ میں ترک متابعت نبویہ ہے اور یہ کہ بعض اوقات خود حضرت حق جل و علیٰ شانہٗ کی حضور میں گستاخی ہو جاتی ہے مثلاً

بے تسکین خاطر صورت پیرہن یوسف
محمد کو جو بھیجا حق نے سایہ رکھ لیا قد کا

اور مثلاً

طواف کعبہ مشتاق زیارت کو بہانہ ہے
کوئی ڈھب چاہیے آخر رقیبوں کی خوشامد کا

نعوذ باللہ منہ اس کو ترک متابعت کی سب سے بری مثال سمجھنے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے اور یہ کہ بعض اوقات خود حضور ﷺ کی شان مبارک میں گستاخی ہو جاتی ہے مثلاً اس مصرعہ سے حضور ﷺ پرنور کو مخاطب بنانا۔

اے نرگس شہلائے تو آور دہ رسم کافری

الٰہی توبہ اس کو ترک متابعت کہہ کر ترک تعظیم کی دلیل بنانے کی کچھ ضرورت نہیں اس کا

ترک تعظیم ہونا خود ظاہر ہے اور یہ کہ روایات موضوعہ فضائل میں بیان کرتے ہیں جس پر حدیث نبوی میں سخت وعید وارد ہے۔ ظاہر ہے کہ حدیث کے خلاف کرنا ترک متابعت ہے اور یہ کہ ان مدائح وفضائل کے بیان میں بہت سے منکرات اعتقادیہ وعملیہ کو منضم کرلیا ہے ایک ممنوع شرعی تو خود ان چیزوں کو ضم کرلینا اور ملالینا ہے پھر ان ناپسند چیزوں کو مستحسن اور پسندیدہ سمجھنا اور ان پر اصرار کرنا دوسری خرابی ہے پھر جو شخص ان منکرات کی اصلاح کرے اس سے عناد وبغض رکھنا یہ تیسری خرابی ہے۔ غرض ان کے یہ طریقے ہمارے اس دعوٰی کی پوری پوری دلیل ہیں کہ ان میں متابعت نہیں ہے۔ یہ شرح تھی مضمون متعلق حضرات مدعیان محبت کی۔ اس کے بعد اس مضمون سابق کے آخیر میں ان لوگوں کی کوتاہی کا بیان ہے۔ جو متابعت ظاہری کا اوروں سے زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔ مگر ان میں تعظیم وادب اور شوق ومحبت کی شان کم ہے۔

اس بیان کی شرح یہ ہے کہ ان میں غلبہ ادب اور غلبہ محبت کی کمی تو ظاہر ہے لیکن نظر غائر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں متابعت ہی کامل نہیں کیونکہ حضور پرنور ﷺ کے ارشادات قولیہ وعادات فعلیہ کو دیکھنے سے بداہتہً بلکہ حساً ثابت ہوتا ہے کہ یہ طرز خاص خشونت تقشف تعسیر وتنفیر کا آپ کو سخت ناپسند (خشونت سختی اور کھردراپن تقشف خشکی اور پوست ہی پوست ہونا کہ مغز ندارد یعنی زاہد خشک تعسیر تنگی اور دشواری کرنا۔ تنفیر نفرت دلانا۔ تبشیر خوشخبری دینا۔ تیسیر۔ نرمی اور آسانی کرنا) جب یہ امور حضور ﷺ کو پسند نہیں اور برخلاف اس کے قرآن وحدیث میں خود حضور ﷺ کی توقیر وادب ومحبت میں اپنی جان پر بھی آپ کی ترجیح اور امت کے ساتھ تبشیر وتیسیر کے احکام وارد ہیں۔ تو ان میں خلل اندازی کرنا متابعت کے ساتھ کیسے جمع ہوسکتا ہے اور اس میں مراتب مختلف ہیں بعض تو حد خسران تک پہنچ گئے ہیں ادب یا محبت کے حقوق واجبہ اعتقادیہ یا عملیہ کو ترک کر بیٹھے ہیں۔ مثلاً معتزلہ جناب رسول خدا ﷺ سے جبریل علیہ السلام کو اور اسی طرح جمیع انبیاء علیہم السلام سے تمام ملائکہ علیہم السلام کو افضل بتلاتے ہیں جس کا جواب کتب کلامیہ میں مفصل ومدلل مذکور ہے یہاں صرف جناب رسول اللہ ﷺ کی افضلیت جبریل علیہ السلام پر مختصر طور پر سمجھ لینا چاہئے۔

رسول مقبول ﷺ کی افضلیت جبریل علیہ السلام پر:

ان لوگوں کو شبہ ہوگیا ہے کہ قرآن مجید سے جبریل علیہ السلام کا آپ کے لئے معلم ہونا منصوص ہے اور ظاہر ہے کہ استاد بحیثیت استاد شاگرد سے افضل ہوتا ہے اور اگر معلم کے ہونے کو تسلیم نہ کیجئے تو جناب رسول اللہ ﷺ کا امت سے باعتبار علم کے افضل ہونا ثابت نہ ہوگا۔ حالانکہ آپ اس حیثیت سے بھی باتفاق افضل ہیں۔

جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ معلم کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ایک محض مبلغ وسفیر ہوتا ہے جس کے متعلق محض بات کا پہنچا دینا ہے۔ اس میں معلم کا افضل ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر بادشاہ اپنے وزیر کے پاس خاص قاصد کے ہاتھ کوئی پیغام بھیجے تو وہ قاصد وزیر سے افضل نہ ہوجائے گا۔ دوسری حیثیت استاد واتالیق ہونا جس کے متعلق متعلم وشاگرد کی تربیت بھی ہے اس میں معلم کا افضل ہونا ضروری ہے سو جبریل علیہ السلام آپ کے معلم بالمعنی الاول ہیں نہ بالمعنی الثانی۔ کیونکہ مربی بمعنی ثانی اتالیق وتربیت دہندہ حسب تصریح حدیث علمنی ربی فاحسن تعلیمی وادبنی ربی فاحسن تادیبی خود حضرت حق جل وعلا شانہٗ بلاواسطہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ امت کے معلم بمعنی ثانی ہیں۔ پس آپ کی اور جبریل کی معلمیت میں بڑا فرق ہے۔ پس معتزلہ کی یہ بہت بڑی گمراہی ہے عقیدہ واجبہ میں۔

اور مثلاً میں نے ایک مقام پر بچشم خود دیکھا ہے کہ ایک صاحب نے ایک حدیث ڈھونڈھنے کے لئے موطا امام مالک کا نسخہ الماری میں سے نکالا اور اس کو کھڑے کھڑے فرش پر زور سے پٹک کر مارا۔ اہل مجلس میں سے ایک شخص نے کہا کہ میاں حدیث کی یہ بے ادبی۔ تو وہ جواب میں فرماتے ہیں۔ میں نے بے ادبی کیا کی ہے اس کی گرد جھاڑی ہے۔ جب قیامت میں ان کی گرد جھڑے گی تب حقیقت معلوم ہوگی سو یہ اس خشک دماغی کا اضلال ہے۔ عمل واجب میں۔ اللّٰھم احفظنا ونعم ما قیل۔

از خدا جوئیم توفیق ادب

(مجھ کو میرے پروردگار نے تعلیم دی۔ پس بہت خوب تعلیم دی اور مجھ کو میرے پروردگار نے ادب سکھایا پس خوب ہی سکھلایا)

بے ادب محروم ماند از فضل رب

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد

بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

ازپئیں ادب پر نور گشت است ایں فلک

ازپئیں ادب معصوم وپاک آمد فلک

بدز گستاخی کسوف آفتاب

(گستاخی مردم مقتضی شد تخویف اوشاں را حکمت کسوف ہمیں تخویف است کہ در حدیث آمدہ رحمۃ اللہ علیہ اصلی الفاظ یہ ہیں۔ انت اکبر ام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکبر وانا اسن)

شد عزازیلے زجرأت ردباب

حدیث میں ایک گستاخ کا قصہ آیا ہے کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھاتا تھا۔ حضور ﷺ نے دائیں ہاتھ سے کھانے کو فرمایا۔ اس نے براہ بے ادبی کہا کہ میں دائیں ہاتھ سے کھا نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ (خدا کرے) تو اس سے کھا ہی نہ سکے۔ پس وہ فوراً شل ہو گیا۔

حضرات صحابہ ﷺ کا آپ کی طرف بیدھڑک ہو کر نہ دیکھنا اور ایک بزرگ کا اس سوال کے جواب میں کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ ﷺ یہ کہنا کہ بڑے تو رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ مگر عمر میری زیادہ ہے۔ کیا قولی ادب کا کافی نمونہ نہیں؟ ایک بزرگ کا اس سننے کے بعد کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کمان ہاتھ میں لی تھی۔ تمام عمر بلا وضو کمان کو مس نہ کرنا قابل التفات و تقلید نہیں ہے۔

اسی طرح حضرات صحابہ ﷺ کی عادت تھی کہ جب بیٹھتے ایک دوسرے سے جناب رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک اور شمائل و طرز عمل پوچھتے۔ چنانچہ شمائل ترمذی کی روائتیں اس میں صریح ہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ خاص آستانۂ مبارک پر سلام پہنچانے کیلئے قاصدوں کی ڈاک کا انتظام کرتے تھے، جمہور امت مدینہ طیبہ کی حاضری کا اہتمام کرتے رہے۔

اکثر سلف درود شریف کی کثرت رکھا کرتے تھے۔ خود حدیث میں ہے کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کی ذکر اور درود شریف نہ ہو وہ مجلس اہل مجلس کے حق میں موجب حسرت ہے اس سے معلوم ہوا کہ گو یہ امور موکد نہ ہوں مگر ان کی ﷺ جب حسرت و حرمان ہے اور جیسے کی سے حرمان ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کے اہتمام و التزام سے گوناگوں برکت و فیضان ہوتا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی پھر دنیا میں دینوی بھی اور اُخروی بھی رسول اللہ ﷺ کا ایک صحابی کو جبکہ انہوں نے کئی بار سوال و جواب کے بعد یہ عرض کیا کہ بس اب میں تمام وظائف کی جگہ درود ہی ٹھہرالوں گا یہ ارشاد فرمانا کہ تو پھر تمہارے سب گناہ معاف ہوتے رہیں گے۔ اور سب فکروں کی کفایت ہوتی رہے گی اس کی کافی دلیل ہے اس وقت ایک عجیب الشان عظیم الارکان فیضان کی حکایت یاد آتی ہے۔ اسی پر اپنے مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں جس سے ثابت ہوگا کہ حضور ﷺ کے ساتھ تعلق بڑھانے سے خود آپ کی عنائتیں کیسی مبذول ہوتی ہیں۔

اس حکایت کو امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ شرف محتم میں سلسلہ وار سند سے لکھا ہے کہ وہ روایت کرتے ہیں (یعنی امام جلال الدین نے اس کو شیخ کمال الدین سے سنا ہے) شیخ کمال الدین سے اور وہ شیخ شمس الدین جزری سے اور شیخ زین الدین مراغی سے اور وہ شیخ عزالدین احمد فاروقی کے واسطے سے اور وہ اپنے والد شیخ ابو اسحٰق ابراہیم سے اور وہ اپنے باپ شیخ عزالدین عمر رحمۃ اللہ علیہ سے کہ میں ۵۵۵ھ میں سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر حج میں تھا جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے اور روضہ شریف پر حاضر ہوئے تو انہوں نے ان الفاظ سے سلام عرض کیا السلام علیکم یا جدی (اے نانا جان آپ پر سلام) وہاں سے جواب

عطا ہوا وعلیك السلام یا ولدی (تم پر سلام اے میرے بیٹے) کہ اس کو تمام اہل مسجد نے سنا حضرت سید احمد رفاعی پر وجد شدید نے غلبہ کیا اور بڑی دیر تک رویا کئے اور شدت شوق میں عرض کیا۔ یا جداہ۔

فی حالة العبد روحی کنت ارسلها
تقبل الارض عنی وهی نائبتی
هذه دولة الاشباح قد حضرت
فامد دیمینك لی تحظی بها شفتی

یعنی اے نانا جان حالت بعد میں اپنی روح کو حضور میں بھیج دیا کرتا تھا وہ نائب بکر زمین بوس ہو جاتی تھی اب جسم کی حاضری کی نوبت آئی ہے سو ذرا اپنا دایاں دست مبارک دیجئے۔ تاکہ میرا لب اس کے بوسے سے مشرف ہو جائے۔

پس فوراً آپ کا دست مبارک چمک اور مہک کے ساتھ قبر شریف سے ظاہر ہوا اور پھر ہزاروں آدمیوں نے زیارت کی اور سید رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا بوسہ لیا۔

اور اس کے بعد بلا سند دوسرا قصہ ان ہی کا لکھا ہے کہ جب سال آئندہ پھر حاضر ہوئے تو نہایت انکسار و مسکنت کے ساتھ عرض کیا۔

ان قیل زرتم بما رجعتم
یا اکرم الرسل ما نقول

یعنی اگر لوگ ہم سے پوچھیں کہ زیارت کر کے آئے تو کیا لے کر آئے تو ہم جواب میں کیا کہیں۔ قبر شریف سے آواز آئی جس کو تمام حاضرین مسجد نے سنا۔

قولوا رجعنا بکل خیر
واجتمع الفروع والاصول

(چونکہ سید رفاعی رحمۃ اللہ علیہ سادات میں سے ہیں البذا یہ فرع ہوئے اور حضور ﷺ اصل)

یعنی تم یوں کہنا کہ ہم ہر طرح کی خیر لے کر آئے اور فروع و اصول جمع ہو گئے کیا یہ فضائل قابل رشک نہیں سو یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ بجز کمال اتباع و کمال محبت و کمال اعظام و اجلال کے اس دولت کا سبب اور بھی کوئی امر ہے۔ وفی ذلك فلیتنافس المتنافسون ولمثل هذا فلیعمل العاملون یہ معاملات تو براہ راست آپ کے ساتھ عمل میں لانے کے ہیں۔ باقی آپ کے اہل تعلق اہل صحبت اہل قرابت اہل ملت (یعنی خواص و عوام امت) کے ساتھ بھی ادب محبت شفقت و رحمت و خدمت کرنا علی حسب تفاوت مراتبہم یہ سب بھی متمم ہیں آپ کے ساتھ

معاملہ رکھتے کے جن میں سے بعض واجب ہیں کہ ان میں خلل اندازی سے خسران ومعصیت ہوتی ہے اور بعض مستحب ہیں جن سے اعراض کرنا مفلسی اور محرومی کا باعث ہے۔

یہ بیان تھا ان لوگوں کا جو شوق میں کمی اور ادب میں خلل کرنے والے ہیں پس محقق وہ ہے کہ سب مراتب حسیہ ومعنویہ واجبہ مستحبہ کا جامع ہو کما قیل۔

برکفے جام شریعت برکف سندان عشق
ہر ہو سنا کے نداند جام دسنداں باختن
گاہ در دل سازو گہ در دیدہ جا
ہر دو جائے تست یا بدر الدجے

مگر مقتضائے آیت لا تغلوا فی دینکم وآیت تلک حدود اللہ فلا تعدوھا یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ ان میں جو لوگ مندوبات (مستحبات) میں کمی کرنے والے ہیں۔ ان پر ملامت یا ان کی تحقیر یا ان پر تشدد یا ان سے نفرت رکھنا یہ خود بوجہ تجاوز عن الشرع النبوی کے احداث فی الدین اور بموجب ناخوشی سرکار نبوی وعلامت ترک اتباع وخلاف ادب ومنافی تعظیم دربار مصطفوی ہے۔ مسند احمد میں ایک حدیث اس باب میں صریح ہے کہ ایک صحابی نوافل کو چھوڑے ہوئے تھے نماز میں بھی روزے میں بھی صدقہ خیرات میں دوسرے صحابی ان سے نفرت رکھتے تھے حضور ﷺ پر نور میں یہ مقدمہ پیش ہوا۔ آپ نے ان نفرت کرنے والے صحابی کے انکار کو ناپسند فرمایا۔ احقر نے اپنے رسالہ حقیقۃ الطریقہ میں یہ حدیث پوری نقل کی ہے۔ ولنعم ماقیل۔

بزھد و ورع کوش و صدق و صفا
ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ

البتہ ایسے لوگوں کو اگر نرمی وترغیب سے تکمیل مراتب مستحبہ کی طرف متوجہ کیا جائے عین خیر خواہی ومطلوب فی الدین ہے اور ایک ضروری امر قابل تنبیہ یہ ہے کہ بعض اوقات شوق ومحبت نبویہ ﷺ کی کمی کا غلط شبہ ہو جاتا ہے اور یہ شبہ توقیر وتوجہ الی الذات کے غلبہ کے محل میں غیر عارف کو ہو جاتا ہے لیکن فی الواقع وہ بھی محبت نبویہ ہی کا ایک لون ہے شرح اس کی رسالہ نشر الطیب میں بضمن حکمت درود شریف کی ہے۔ پس شرح ضروری اس جماعت کی حالت کی ختم ہوئی اور طریق اصلاح سب کا بقدر کافی اصل مضمون میں مذکور ہو چکا ہے اس میں شرح کی حاجت نہ تھی اصل مضمون کو دیکھ کر سب اپنی اصلاح کر سکتے ہیں۔ ان ارید الا الاصلاح ماستطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب وان ربی قریب مجیب۔

از نشر الطیب

پینتسویں فصل:

آپ کے حقوق میں جو امت کے ذمہ ہیں جن میں اہم الحقوق محبت ومتابعت فی الاصول والفروع ہے جاننا چاہئے کہ کسی سے محبت ہونا اور اس محبت کا مقتضا متابعت ہونا تین سبب سے ہوتا ہے ایک کمال محبوب کا جیسے عالم سے محبت ہوتی ہے شجاع سے محبت ہوتی ہے اور دوسرا اجمال جیسے کسی حسین سے محبت ہوتی ہے۔ تیسرا نوال یعنی عطا واحسان جیسے اپنے منعم ومربی سے محبت ہوتی ہے جناب رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدسہ میں تینوں وصف علی سبیل الکمال مجتمع ہیں۔ وصف اول سے یہ تمام رسالہ مشحون ہے۔ دوسرا وصف فصل اکیسویں میں مخزون ہے اور چونتیسویں فصل لانے سے مقصود خاص تیسرے وصف کا مضمون ہے جب تینوں وصف جو علت محبت ہیں آپ میں جمع ہیں تو خود اس کا طبعی مقتضا ہے کہ آپ کے ساتھ امت کو اعلیٰ درجہ کی محبت ہونا چاہئے اگر نص شرعی بھی نہ ہوتی اور جبکہ نصوص شرعیہ بھی اس کے ایجاب میں موجود ہیں تو داعی عقل وطبع کے ساتھ داعی شرع بھی مل کر آپ کے وجوب محبت کو مؤکد کرتا ہے اور درحقیقت اعظم غایت اس رسالہ کی اسی امر کی طرف اہل ایمان کو متوجہ کرنا ہے اور یقینی امر ہے کہ ان اسباب ودواعی کے ہوتے ہوئے محبت کے اتباع کا انفکاک عادۃً محال ہے جس درجہ کی محبت ہوگی اسی درجہ کا اتباع ہوگا اور ظاہر ہے کہ محبت علی سبیل الکمال واجب ہے پس متابعت بھی علی سبیل الکمال واجب ہوگی اور اس میں گو کسی کو بھی کلام نہیں ہو سکتا محض تجدید استحضار کے لئے مختصر طور پر تنبیہ کر دی گئی اور اسی کی تقویت کیلئے چند روایات بھی ذکر کی جاتی ہیں۔

پہلی روایت:

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کا کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اولاد اور تمام آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں روایت کیا اس کو بخاری ومسلم نے کذا فی المشکوٰۃ ف یعنی اگر میری مرضیات میں تزاحم ہو تو جس کو ترجیح دی جائے اسی کے محبوب تر ہونے کی یہ علامت ہوگی۔

دوسری روایت:

امام بخاری نے ایمان ونذور میں عبداللہ بن ہشام سے روایت کیا ہے کہ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ میرے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ بجز میرے نفس کے جو میرے پہلو میں ہے (یعنی وہ تو بہت ہی محبوب ہے) جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک خود اس کے نفس سے بھی زیادہ اس کو میں محبوب نہ ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی کہ آپ میرے نزدیک میرے اس نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں جو میرے پہلو میں ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بس اب بات ٹھیک ہوئی۔ کذا فی المواہب ف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اول محبت بلا سباب کو محبت بالاسباب سے اقویٰ سمجھ کر نفس کو مستثنیٰ کیا پھر آپ کے ارشاد سے کہ اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب رکھنا ضرور ہے یہ سمجھ گئے کہ اقویٰ ہونے کا مدار کوئی ایسا امر ہے کہ اس کے اعتبار سے کوئی چیز نفس سے بھی زیادہ محبوب ہو سکتی ہے مثلاً یہ کہ آپ کی خوشی کو نفس کی خوشی پر طبعاً مقدم و راجح پایا سو اس حقیقت کے انکشاف کے بعد آپ کی احبیت من النفس کا مشاہدہ کیا اور خبر دی اور مواہب کے مقصد سابع میں دوسرے صحابہ کی بھی حکایتیں محبت کی عجیب وغریب ذکر کی ہیں۔

تیسری روایت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی۔ مگر جس نے میرا کہنا قبول نہ کیا۔ عرض کیا گیا کہ قبول کس نے نہیں کیا۔ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے قبول نہیں کیا۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔ کذا فی المشکوٰۃ ف صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس سوال سے معلوم ہوا کہ یہ اباء مخصوص بہ کفر نہیں ہے ورنہ اس میں کون سا خفا تھا۔ پس آپ کے اتباع نہ کرنے کو اباء سے تعبیر فرمایا گیا۔ اس سے متابعت کا وجوب ثابت ہوا۔

چوتھی روایت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا روایت کیا اس کو ترمذی نے کذا فی المشکوٰۃ ف اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علامت آپ کی محبت کی آپ کی سنت کی محبت ہے اور آپ کی محبت کی فضیلت بھی ثابت ہوئی کہ مفتاح جنت ہے اور جنت کے ساتھ حضور ﷺ کی معیت کا بھی موجب ہے۔

پانچویں روایت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کو جناب رسول اللہ ﷺ نے شراب پینے کے جرم میں سزا دی پھر وہ ایک دن حاضر کیا گیا پھر آپ نے حکم سزا کا دیا ایک شخص نے مجمع میں سے کہا کہ اے اللہ اس پر لعنت کر کس قدر کثرت سے اس کو (اس مقدمہ میں) لایا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر لعنت مت کرو واللہ میرے علم میں یہ اللہ و رسول سے محبت رکھتا ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے ف اس حدیث سے چند امور ثابت ہوئے، ایک بشارت مذنبین کو کہ ان سے اللہ و رسول کی محبت کی نفی نہیں کی گئی۔ دوسری تنبیہ مذنبین کو کہ نری محبت سزا سے بچنے میں کام نہ آئی تو کوئی اس ناز میں نہ رہے کہ بس خالی محبت بدون اطاعت کے سزائے جہنم سے بچالے گی، البتہ بعد بعید من الرحمۃ سے بچا سکتی ہے کہ نہی عن اللعنۃ سے معلوم ہوا پس جو سزا آخرت کی اس ملعونیت پر مرتب ہے یعنی خلود اس سے یہ محبت بچالے گی بعد سزا کے مغفرت ہو جائے گی، تیسری فضیلت محبت کی جیسا کہ ظاہر ہے چوتھے تفاوت مراتب محبت کا کہ باوجود ایک عصیاں کے اثبات محبت کا حکم فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ متابعت کامل نہ ہونے سے گو کمال محبت کا حکم نہ ہوگا مگر نفس متابعت سے کہ ادنیٰ درجہ اس کا کفر سے نکلنا ہے کوئی درجہ محبت کا ثابت کیا جائے گا، پانچویں مومن خواہ کتنا ہی گنہگار ہو مگر اس پر لعنت نہ کرنا چاہئے۔ اس سے عظمت ثابت ہوتی ہے اللہ اور رسول کی محبت کی کہ اس کا ایک شمہ بھی گو مقرون بالمعاصی ہو مانع عن اللعنۃ ہے تو اس کا کامل اور خالص درجہ کیسا کچھ موثر ہوگا۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

یاسائر انحوالحمی باللّٰہ فے بانہ
واقرأ طوامیرالجوی منی علی سکانہ

اے جانے والے بجانب گیاہ زار کے اللہ کے لئے اس کے باغ درخت بان میں ذرا ٹھہرنا اور میری طرف سے دفاتر غم اس کے رہنے والوں میں پڑھ کر سنانا۔

ان تسئلوعن حالتی فی السقم منذ فقد تھم
فالقلب فی خفقانہ والراس فی دورانہ

اگر وہ میری حالت بیماری کے بارہ میں دریافت کریں جب سے میں ان سے غائب ہوا ہوں پس قلب اپنے خفقان میں ہے اور سر اپنے دوران میں ہے۔

الفتشوا عن دمع عيني بعد هم قل حاكيا
كالغيث في تهتانه والبحر في هيجانه

اگر وہ میرے اشک چشم کے متعلق اپنے بعد کے زمانہ میں تحقیق کریں تو تو بطور حکایت کے کہتا کہ مثل ابر کے ہے اس کے برسنے میں اور مثل بحر کے ہے اس جوش میں۔

لكنه مع ماجرىٰ مشغوف حب المصطفےٰ
فخياله في قلبه وحديثه بلسانه

لیکن وہ محب باوجود اس تمام تر ماجرا کے فریفتہ ہے عشق مصطفی ﷺ کا پس آپ کا خیال اس کے قلب میں ہے آپ کا تذکرہ اس کی زبان پر ہے۔

ولطا لما يدعو لحا مافي الدعاء مبالغا
ليطوف في بستانه ويشم من ريحانه

اور بہت زمانہ طویل سے دعا کر رہا ہے اور دعا میں الحاح و مبالغہ کر رہا ہے تا کہ وہ آپ کے باغ میں طواف کرے اور آپ کے ریحان سے خوشبو سونگھے۔

يامن تفوق امره فوق الخلائق في العلا
حتى لقد الني عليك الله في قرانه

اے وہ ذات پاک جن کا رتبہ تمام خلائق پر بلندی میں فائق ہو گیا یہاں تک کہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں ثنا فرمائی۔

صلى عليك الله اخردهره متفضلا
مترحما وحيالك الموعود من احسانه

اللہ تعالیٰ آپ پر درود نازل فرمادے زمانہ کے اخیر تک تفضل کرتا ہوا اور ترحم فرماتا ہوا اور اللہ کو اپنے احسانات موعودہ عطا فرمادے۔

بعض حکم درُودشریف

(از فصل ۳۷)

بعد بیان فضیلت کے بمقتضائے وارد قلبی اس کی بعض حکمتیں لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حکمت اول:

جناب رسول ﷺ کے احسانات امت پر بیشار ہیں، کہ صرف تبلیغ ماموربہ ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ان کی اصلاح کے لئے تدبیریں سوچیں ان کے لئے رات رات بھر کھڑے ہو کر دعائیں کیں ان کے احتمال مضرت سے دلگیر ہوئے اور تبلیغ گو ماموربہ تھی لیکن تاہم اس میں واسطہ نعمت تو ہوئے بہر حال آپ محسن بھی ہیں اور واسطہ احسان بھی پس اس حالت میں مقتضا فطرت سلیمہ کا یہ ہوتا ہے کہ ایسی ذات کے واسطے دعائیں نکلتی ہیں خصوصاً جبکہ مکافات بالمثل نہ ہوسکے اور ہمارا عاجز ہونا اس مکافات سے ظاہر ہے کیونکہ ان نعماء کا اضافہ غیر نبی سے نبی پر محالات سے ہے اور دعائے رحمت سے بڑھ کر کوئی دعا نہیں اور اس میں بھی رحمت خاصہ کاملہ کی دعا جو کہ مفہوم ہے درود کا اس لئے شریعت نے اسے فطرت سلیمہ کے مطابق درود شریف کا امر کہیں وجوباً کہیں استحباباً فرمایا و نحوہ فی المواہب۔

حکمت دوم:

چونکہ آپ حق تعالیٰ کے محبوب ہیں اور محبوب کے لئے کسی خیر کی درخواست کرنا گو محبوب کو بوجہ اس کے کہ جس سے درخواست کی جائے وہ خود بوجہ محبت کے وہ خیر اس محبوب کو پہنچائے گا۔ اس خیر کے ملنے میں اس درخواست کی حاجت ہی نہ ہو لیکن ایسی درخواست کرنا خود سبب ہوتا ہے۔ اس درخواست کرنے والے کے تقرب کا۔ پس درود شریف میں چونکہ درخواست رحمت ہے محبوب حق کے لئے اس لئے یہ ذریعہ ہو جائے گا خود اس شخص کو حق تعالیٰ کی رضا و قرب میسر ہونے کا و نحوہ فی المواہب

حکمت سوم:

نیز اس درخواست میں اظہار ہے آپ کے شرف خاص عبدیت کاملہ کا کہ رحمت الٰہی کی آپ کو بھی ضرورت ہے۔ وہذا من سوانح الوقت

حکمت چہارم:

چونکہ آپ بھی بشریت میں مادیت میں عنصریت میں امت کے ساتھ شریک ہیں اور بعض امور زائدہ مثل کثرت مال وغیرہ میں اوروں کے ساتھ ساتھ مساوی بھی نہیں اور یہ اشتراک اور عدم مساوات بسا اوقات منجر ہو جاتا ہے۔ استنکاف کی طرف اعتقاد عظمت واحتیاج ملت سے جیسا امم ضالہ کو پیش آیا کہ بعض نے یوں کہا انؤمن لبشرین مثلنا وقومهما لنا عابدون اور بعض نے کہا ابشر امنا واحدا نتبعه انا اذالفی ضلال وسعر کسی نے کہا لو لا انزل هذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم اس لئے درود شریف میں اس کا پورا علاج ہے۔ کیونکہ اس میں دعا ہے رحمت خاصہ کی تو استحضار ہوا اس کا کہ آپ رحمت خاصہ کے مستحق ہونے میں سب سے ممتاز ہیں تو اس اشتراک کے ساتھ اس امتیاز کو بھی تو دیکھو جس کے سامنے دوسروں کا امتیاز مالی وغیرہ گرد ہے اور نیز اس میں حکمت اول کے لحاظ سے استحضار ہے اس کا کہ ہم لوگ آپ کے ممنون ہیں اور عظمت ومنت کا استحضار رافع ہوتا ہے استنکاف کا بالخصوص جب نام مبارک کے قبل لفظ سیدنا ومولانا وغیرہ بھی بڑھایا جائے اور نام مبارک کے بعد ایسے صفات بڑھائے جائیں جن میں تصریح ہو آپ کے جدوجہد کی اشاعت دین کے لئے جو اعظم احسانات ہے ہم پر اور اس رفع استنکاف سے افتقار وانکسار حادث ہوگا جو کہ اعظم مقامات مقصودہ سے ہے خصوص اس محل میں جس کے معظم ہونے کا نصوص میں اہتمام کیا گیا ہو (یعنی خصوص ایسے بزرگ کے مقابلہ میں افتقار جو کہ نصوص میں معظم کہے گئے ہوں اور خصوص اس لئے کہا کہ افتقار فی نفسہ محمود ہے۔) جیسے مقبولان الٰہی بالخصوص حضرات انبیاء علیہم السلام پھر خصوص سرور انبیاء ﷺ کہ آپ کی طرف افتقار کا استحضار عین مرضی حق اور آپ سے اباء استغنا بغایت نامرضی ہے کما قال اللہ تعالیٰ هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم اٰیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین وقال اللہ تعالیٰ لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیهم رسولا من انفسهم یتلوا علیهم اٰیٰته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔

حکمت پنجم:

بعض طبائع میں غلبہ مذاق توحید کے وسائط کے ساتھ کہ ان وسائط میں انبیاء علیہم السلام بھی ہیں دل زیادہ آویختہ نہیں ہوتا گو بعد حصول قدر واجب اعتقاد وانقیاد رسول اللہ ﷺ کی اس زیادہ کا انتفاء مضر نہیں جیسا کہ مواہب کے مقصد سابع میں امام قشیری سے ابوسعید خراز کی حکایت نقل کی ہے کہ انہوں نے خواب میں جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھ کو معذور رکھئے کہ خدائے تعالیٰ کی محبت مجھ کو آپ کی محبت میں مشغول نہیں ہونے دیتی۔ آپ نے فرمایا اے مبارک جو شخص حق تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ مجھی سے محبت کرتا ہے (کیونکہ یہ تو وہ جانتا ہی ہے کہ میرے توسط سے تو یہ بات نصیب ہوئی اور اس جاننے کے بعد ممکن نہیں کہ واسطہ سے محبت نہ ہو گو التفات نہ ہو۔ سو امر ضروری محبت ہے نہ کہ التفات دائم) اور بعض نے کہا ہے کہ یہ واقعہ ایک انصاری عورت کو سرکار نبوی ﷺ کے ساتھ جاگتے میں پیش آیا تھا۔ لیکن کمال حال یہ ہے کہ جس واسطہ کی طرف اسی واحد حقیقی نے التفات کرنے کو اپنی رضا کا ذریعہ فرمایا ہے اس کی طرف التفات کرنے کو دوقا بھی شاغل عن التوحید نہ سمجھے بلکہ مکمل توحید جانے جیسا کوئی اپنے معشوق کے پاس جانا چاہے اور وہ معشوق اپنا ایک مقرب خاص اس کے پاس بھیج دے کہ اس کو اپنے ہمراہ لے آئے تو مقتضاء عقل یہ ہے کہ جس قدر اپنے محبوب کی مقصودیہ حقیقیہ اس کے دل میں بسی ہوگی، اسی قدر ہر قدم پر اس موصل الی المقصود کے قدم وزبان پر اس کی توجہ ہوگی کیونکہ اس میں کمی ہونے سے خود وصول الی المقصود ہی مشکوک ہو جائے گا۔ جس کو یہ ناگوار اور محبوب بالذات کی مقصودیہ حقیقیہ کے خلاف سمجھے گا اسی طرح جب اس عاشق کو معلوم ہوگا کہ میں جس قدر اس کا اکرام ومدارات وخدمت کروں گا میرا محبوب اسی قدر زیادہ خوش ہوگا تو وہ اور بھی اس میں مشغول رہے گا اور یہ شغل مانع عن اشتغال بالمحبوب نہ ہوگا بلکہ اس اشتغال میں اور زیادہ معین ہوگا پس جس طرح اس مثال میں جس درجہ کی مقصودیت محبوب بالذات کی اس محب کی نظر میں ہوگی اس درجہ کا التفات موصل کی حرکت وسکون پر ہوگا اسی طرح حضور ﷺ کی طرف جس قدر التفات ہو وہ عین علامت ہوگی واحد تعالیٰ کے مطلوب وملتفت الیہ ہونے کی۔ پس دونوں التفاتوں میں تزاحم نہ ہوا بلکہ تلازم ہوا پس اس ذوقی نقص کے رفع کرنے کے لئے درود شریف مشروع ہوا، گویا صلوا علیه وسلموا تسلیما میں حکم ہوا کہ اس واسطہ کی طرف توجہ بالاحترام کرنے سے ہم خوش ہوتے ہیں۔

پس اگر کوئی ہمارا اور ہماری رضا کا طالب ہے تو اس واسطہ کی طرف توجہ بالاحترام کرے اور اس کو اشتغال بالغیر نہ سمجھے کیونکہ اشتغال بالغیر بالمعنی الاعم منافی توحید نہیں بلکہ اشتغال بالغیر بایں معنی کہ وہ غیر حاجب ہو مقصود سے منافی توحید ہے اور جو غیر کہ خود موصل ہو اس کی طرف

توجہ کرنا تو لوازم توحید سے ہے کہ بدون اس کے توحید ہی تک وصول نہیں ہوتا۔ وھاتان الحکمتان من سوانح سالف الوقت۔

لبعض العشاق

صل یا رب علی راس فریق الناس
منه للخلق امان بزمان الباس
رحمت بھیج اے پروردگار آدمیوں کے گروہ کے سردار پر جن سے خلقت کو امن ہے زمانہ شدت میں۔

صل یا رب علی من هو فی حرغد
کل من یظماء یسقیه رحیق الکاس
رحمت بھیج اے پروردگار اس ذات پر قیامت کی گرمی میں جو پیاسا ہوگا وہ اس کو شراب (طہور) پیالہ کی پلادیں گے۔

صل یا رب علی من برجاء الکرم
خصّ من جاء الیه لعموم الناس
رحمت بھیج اے پروردگار اس ذات پر جنہوں نے امید کرم کے ساتھ خاص فرمایا ہر شخص کو جو آپ کے پاس حاضر ہوا عام لوگوں کے لئے۔

صل یا رب علی مونس کل البشر
مبدل الوحشة فی القبر باستیناس
رحمت بھیج اے پروردگار تمام لوگوں کے مونس پر جو وحشت کو قبر میں مبدل بہ انس کرنے والے ہیں۔

صل یارب علی روح رئیس الرسل
نقتدی نحن علی ارجله بالراس
رحمت بھیج اے پروردگار رئیس الرسل کی روح پر جن کے قدموں پر ہم چلتے ہیں سر کے بل۔

ضمیمہ الشذور

یعنی

مکتوب محبوب القلوب

بعد الحمد والصلوٰۃ الشذور کے صفحہ ۲۰۴ کے آخر میں یہ عبارت واقع ہے۔ بعض میں محبت کے ظاہری آثار بھی پائے جاتے ہیں الی قولہ اول تو ان اعمال مذکورہ میں بھی (جن میں اوپر کی عبارت میں آپ کے ذکر مبارک کی مجالس منعقد کرنا بھی مذکور ہے) بسا اوقات حدود شرعیہ کو محفوظ نہیں رکھتے اور صفحہ ۲۰۵ کے شروع کے قریب (خشک مزاج لوگوں کی شکایت میں) یہ عبارت ہے نہ کبھی ذکر مبارک سن کر گداختہ ہوتے ہیں اور صفحہ ۲۱۵ کے شروع کے قریب یہ عبارت ہے۔ اسی طرح حضرات صحابہ کی عادت تھی کہ جب بیٹھتے ایک دوسرے سے جناب رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک وشمائل وطرز عمل پوچھتے ان عبارات میں حضور ﷺ کے مبارک ذکر کے متعلق افراط یا تفریط کرنے والوں کی شکایت مجملاً مذکور ہے چونکہ صاحب رسالہ الشذور کی ایک تحریر مسمی بہ ''مکتوب محبوب القلوب'' میں اس مجمل مضمون کی قدر ضروری تفصیل مذکور ہے اور مذکور بھی ایسے بے نظیر عنوان سے کہ اگر طبیعت میں ذرا بھی سلامتی ہو تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ افراط وتفریط کا نام ونشان تک نہ رہے چنانچہ بڑے بڑے اختلافات اس مضمون کی برکت سے بفضلہ تعالیٰ رفع ہوگئے خصوص جن بزرگ کی خدمت میں یہ خط ان کے بعض شبہات پیش کرنے پر جبکہ ان میں اور ان کے ایک عالم فرزند میں اس مسئلہ کے متعلق سخت اختلاف واقع ہو رہا تھا جس کی نوبت قطع تعلقات تک پہنچ گئی تھی لکھا گیا تھا وہاں تو اس قدر عظیم فوری نفع ہوا جس سے سب متحیر رہ گئے اور باپ بیٹے میں کوئی کشیدگی باقی نہ رہی اس سے مستحسن معلوم ہوا کہ اس مضمون کو رسالہ الشذور کا ضمیمہ بنادیا جائے۔

وھو ھٰذا

کتبہ

خادم دربار اشرفی محمد فضل اللہ عفا اللہ عنہ

مکتوب محبوب القلوب

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

از اشرف علی عفی عنہ بگرامی خدمت مخدومی معظمی دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ
وبرکاتہ کل الطاف نامہ نے معزز فرمایا برابر جواب کے لئے تیار رہا مگر ہجوم آئندگان وروندگان سے
اس وقت تک اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا اس وقت بیٹھا ہوں مگر ڈاک کے وقت تک امید
نہیں کہ فراغت کر سکوں کل ہی کی ڈاک میں غالبا جائے گا۔ جناب والا کو ہر طرح اللہ تعالیٰ نے
بزرگی عطا فرمائی ہے زیادہ عرض معروض کرنا خلاف ادب سمجھتا ہوں مگر معاملہ ایسا آ پڑا ہے جس میں
مصلحت کے علاوہ مسئلہ کا بھی شمول ہے اس لئے محبت وخیر خواہی جو آپ ہی کے عنایات کا اس
عاجز پر عکس ہے مجبور کرتی ہے کہ کچھ عرض کروں اور ایسے معروضات میں بدون اس کے کہ دل کھول
کر کہے جائیں علی وجہ الکمال ظاہر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے قبل عرض مقصود اس قدر اس استدعا کرتا
ہوں کہ میری قلم درازی معاف فرمائی جائے اور چونکہ معاملہ تحقیق دین کا ہے اس لئے بے تکلف جو
خیال مبارک میں آئے ارشاد فرمایا جائے اور مجھ کو بھی عرض کی اجازت دی جائے انشاء اللہ تعالیٰ
تمام پیچیدگیاں رفع ہو جائیں گی اصول شرعیہ میں سے اور نیز قواعد عقلیہ میں سے یہ امر مسلم ہے
کہ جو فعل نہ مامور بہ ہو نہ منہی عنہ، یعنی نصوص شرعیہ میں نہ آسکے کرنے کی ترغیب ہو اور نہ اس کے
کرنے کی ممانعت ایسا امر مباح ہوتا ہے اور ہر چند کہ مباح اپنی ذات میں نہ طاعت ہے نہ
معصیت مگر عوارض خارجیہ کے اعتبار سے ممکن ہے کہ کبھی وہ طاعت بن جائے کبھی معصیت بن
جائے۔ مثلا چلنا کہ ایک فعل مباح ہے نہ اس پر ثواب نہ عقاب مگر ممکن ہے کہ اس میں کوئی ایسی
مصلحت ومنفعت ہو جس سے یہ عبادت ہو جائے مثلا مسجد یا مجلس وعظ کی طرف چلنا یا کسی کی
عیادت یا تعزیت کے لئے چلنا اور ممکن ہے کہ اس میں کوئی ایسی مضرت مفسدہ ہو جس سے یہ
معصیت ہو جائے مثلا ناچ دیکھنے کو چلنا یا شراب خوری کے لئے چلنا اور یہ بھی جاننے کی بات ہے
کہ مضرت ومفسدہ دو قسم کا ہے لازمی ومتعدی لازمی وہ جس سے خود فاعل کو ضرر پہنچے متعدی وہ جس
سے دوسروں کو ضرر پہنچے سو جس طرح فعل مباح بوجہ لزوم ضرر لازمی کے واجب المنع ہو جاتا ہے اسی
طرح بوجہ ترتب ضرر متعدی کے بھی ممنوع ہوتا ہے مثلا کوئی ایسا مریض جس کا مرض محسوس نہیں اور
طبیب نے اس کو افطار صوم کی اجازت دے دی گو اس کو کھانا پینا علی الاعلان فی نفسہ جائز ہے مگر
جس مقام پر یہ احتمال ہو کہ کوئی دوسرا شخص یہ حالت دیکھ کر روزہ کی بے وقعتی کر کے اپنا روزہ تباہ
کرے گا اس مقام پر یہ امر جائز بھی ناجائز بن جائے گا بلکہ اس کا اخفا ضروری ہوگا اور ایسا امر بہت

ہی ظاہر ہے اب دوسرا قاعدہ سمجھنے کے قابل ہے کہ بعض افعال مباحہ تو ایسے ہوتے ہیں جن میں سرتا
سر مصلحت ہی مصلحت ہے اس کے تو مستحسن ہونے میں سب کا اتفاق ہوتا ہے بعض ایسے ہوتے
ہیں کہ ان میں سرتاپا مفسدہ ہی مفسدہ ہے اس لئے ممنوع ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہوتا بعض ایسے
افعال ہیں جن میں کچھ مصلحت اور کچھ مفسدہ ہوتا ہے کسی کی نظر مصلحت پر ہوتی ہے اور مفسدہ کی
طرف یا تو التفات نہیں ہوتا یا اس کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے یا اس میں کچھ تاویل کی گنجائش سمجھ لیتے
ہیں ایسا شخص اس کو جائز بلکہ مستحسن کہتا ہے اور کسی کی نظر مفسدہ پر بھی ہوتی ہے خواہ مفسدہ لازم ہو یا
متعدی ایسا شخص اس کو ممنوع ٹھہراتا ہے خواہ مصلحت پر نظر ہی نہ ہو یا اس پر بھی نظر ہو کیونکہ قاعدہ
مقررہ ہے کہ جب علت وحرمت کے اسباب کسی شے میں جمع ہو جاتے ہیں تو وہاں حرمت ہی کو
ترجیح ہوتی ہے ایسے امور ہمیشہ محل کلام واختلاف رہا کرتے ہیں مگر اس میں اختلافات رفع کرتے
ہیں مگر اس میں اختلافات رفع کرنا اگر اہل اختلاف میں قدرے طلب حق وانصاف ہو بہت ہی
سہل ہوتا ہے اس لئے کہ صرف یہ بات دیکھ لینے کی ہوتی ہے کہ اس میں کوئی مفسدہ تو نہیں اگر کوئی
مفسدہ نہ نکلے تو مانعین اپنے فتوی ممانعت کو چھوڑ دیں اور اگر مفسدہ نکل آئے تو مجوزین اپنے جواز
سے رجوع کریں گو اس میں مصلحتیں بھی ہوں اس لئے کہ اوپر مذکور ہو چکا کہ تعارض کے وقت منع
کو ترجیح ہوتی ہے البتہ اگر کسی مامور بہ میں کوئی مفسدہ ہو تو وہاں مفسدہ کی اصلاح کر دیجاتی ہے مگر
مباح میں جب صلاح دشوار ہو نفس فعل کو ترک کر دینا لازم ہوتا ہے بلکہ مباح تو کیا چیز ہے اگر سنت
زائدہ میں ایسے مفاسد کا احتمال قوی ہو اس کا ترک مطلوب ہو جاتا ہے یہ سب قواعد کتب شرعیہ
اصولیہ وفرعیہ میں موجود مذکور ہیں اب خیال فرمانا چاہئے کہ عمل مولد شریف بہیئت وقیود مخصوصہ
ظاہر ہے کہ نہ کسی دلیل شرعی سے مامور بہ ہے اور نہ کسی دلیل سے ممنوع ہے تو فی حد ذات مباح
ٹھہرا اب اسی قاعدہ اولی کے موافق ضرور ہوگا کہ اگر اس میں کوئی مفسدہ اعتقادی یا عملی مرتب نہ
ہو نہ لازمی نہ متعدی تو اس کے جواز یا استحسان میں کوئی کلام نہیں کر سکتا اور اگر اس میں کوئی مفسدہ
مرتب ہوتا ہو خواہ لازمی خواہ متعدی تو اس کے روکنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہو سکتا اس پر تو سب کا
اتفاق ہے اب اتنی سی بات میں اختلاف رہ گیا کہ آیا اس میں کوئی مفسدہ ہے یا نہیں اور اسی بات
میں اختلاف ہونے سے اس کے جواز ناجواز میں اختلاف طویل وعریض ہو گیا سو مفسدہ کا ہونا نہ
ہونا یہ کوئی دقیق بات نہیں جس میں بہت غور ونظر ومباحثہ کی حاجت ہو مشاہدہ وتجربہ وتتبع حالت
عاملین سے بسہولت معلوم ہو سکتا ہے سو جہاں تک ان مجالس میں شرکت کا اتفاق ہوا اکثر عاملین
کے عقائد یا اعمال میں غلو وافراط پایا گیا جس کی تفصیل محتاج بیان نہیں سو بنا بر قاعدہ مذکورہ سابق
ان عاملین کے حق میں تو اس عمل کو ممنوع کہنے میں کسی قسم کا شبہ ہی نہیں البتہ یہ شبہ شائد ہو سکے کہ
جس کو غلو ہو اس کو روکنا چاہئے اور محتاط خوش عقیدے کو کیوں روکا جائے تو اس کا جواب اوپر کی تقریر

سے معلوم ہو چکا ہے کہ جس طرح ضرر لازمی سے بچنا واجب ہے اسی طرح ضرر متعدی سے بھی جس حالت میں کسی شخص نے گو احتیاط کے ساتھ یہ عمل کیا مگر دوسرے دیکھنے والے اس سے سند پکڑ کر بے احتیاطی کرتے رہے تو ضرر متعدی ظاہر ہے۔

اب اس قاعدے وحکم کی تائید کے لئے ایک آدھ نظیر پیش کرتا ہوں کسی نعمت جدیدہ کی خبر سنکر سجدہ شکر کرنا حدیث صحیح سے ثابت ہے اور پھر بھی ہمارے امام ہمام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اس کو مکروہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ کتب فقہ میں مذکور ہے اس کی وجہ بقول علامہ شامی صرف یہی ہے کہ اس میں احتمال ہے کہ عوام اس کو سنت مقصودہ نہ سمجھ جائیں۔ اب ملاحظہ فرمایئے کہ عوام کے غلط اعتقادی کے احتمال پر خواص کے لئے بھی وہ فعل مکروہ قرار دیا گیا حالانکہ جواز اس کا نص سے ثابت ہے اور مسنون ہونا بھی اس کا مسلم ہے مگر سنت زائدہ ہے سنت مقصودہ نہیں۔ جب عقیدے میں اتنے فرق سے حکم کراہت کا کردیا جاتا ہے تو جو چیز سنت بھی نہ ہے صرف مباح یا مستحسن ہو اور اباحت واستحسان بھی اس کا محض قیاسی ہو منصوص نہ ہو اور افراط بھی عقیدے میں اس درجہ عوام نے کرلیا ہو کہ فرض واجب سے زیادہ متوکد قرار دے دیا ہو تو اس حالت میں خواص کے لئے بھی حکم بالکراہت کیوں نہ کیا جائے گا۔

دوسری نظیر یہ ہے کہ درمیان اذان واقامت مغرب کے دو رکعت نفل پڑھنا حدیث سے ثابت اور امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اس کو مکروہ فرماتے ہیں۔ اس کی وجہ بھی یہی احتمال اعتقاد وسنیت مقصودہ ہے۔ اس احتمال کا موجب کراہت ہونا خود حدیث سے ثابت ہے چنانچہ اسی حدیث متعلق بین الاذان والاقامت میں حضور اقدس ﷺ نے تیسری بار میں ارشاد فرمایا لمن شاء اس کی وجہ راوی فرماتے ہیں کرھة ان یتخذھا الناس سنة۔

تیسری نظیر یہ ہے کہ صلوۃ جنازہ میں فاتحہ پڑھنا احادیث سے ثابت اور امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اس کو منع فرماتے ہیں یہاں بھی یہی وجہ ہے کہ نماز جنازہ اصل میں دعا ہے اور حضور سے فاتحہ جو ثابت ہے وہ بھی بطریق دعا ہے سو اگر کوئی علی وجہ التلاوت پڑھے مکروہ ہے صرف اتنا تفاوت ہے کہ جو چیز علی وجہ الدعا پڑھی جائے اس کو علی وجہ التلاوت کسی نے پڑھ دیا تو کراہت آجاتی ہے۔ پھر صرف اسی شخص کو منع نہیں کیا بلکہ مطلقاً منع کردیا تاکہ یہ عادت شائع نہ ہو اور بھی بے شمار اس کے نظائر فقہیہ موجود ہیں۔ ان سب نظائر سے یہ امر کالشمس فی نصف النہار واضح ہوگیا کہ جس طرح اپنے عقیدہ ودین کی حفاظت ضرور ہے۔ عوام کے عقیدہ ودین کی حفاظت بھی ضرور ہے اب ممکن ہے کہ بعض کرنے والے احتیاط کرلیں مگر عوام جو ان کے معتقد ومقلد ہیں ان کو نہ ان خرابیوں پر نظر ہے نہ ان سے بچنے کی احتیاط۔ نہ ان کو یہ خبر کہ ہمارے بزرگوں کے اور ہمارے عمل میں کیا فرق ہے صرف انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ ہمارے فلاں بزرگ یہ عمل کرتے ہیں۔ پس خود بھی

جس طرح چاہا کرنے لگے اس کی احتیاط اہل طریقت نے یہاں تک فرمائی ہے کہ جس شخص کو سماع بشرائط جائز اور مباح ہو وہ ایسے شخص کے روبرو بھی نہ سنے کہ جس کو مباح نہیں تاکہ وہ تقلید بے بصیرت کرکے خراب نہ ہو۔

اب خیال مبارک میں آگیا ہوگا کہ جو لوگ ان اعمال کو منع کرتے ہیں ان کی غرض اور علت کیا ہے یعنی وہ ان اعمال کو فی حد ذاتہا مکروہ وممنوع نہیں سمجھتے بلکہ ان کو مباح باباحۃ اصلیہ ومستحسن بحسن عقیدت ونیت جانتے ہیں۔ مگر ان عوارض خارجیہ کی وجہ سے کراہت کا حکم کرتے ہیں۔ مرتکب عوارض کے لئے تو بوجہ ضرر لازم کے اور محتاط کے لئے بوجہ ضرر متعدی کے اس طور پر منع کرنے والوں پر کسی قسم کی ملامت نہیں ہو سکتی بلکہ بوجہ اہتمام حفظ نظام دین کے مستحق اجر ہوتے ہیں۔ ہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ بعض مانعین تو اس تفصیل کے ساتھ منع نہیں کرتے اور نہ کوئی قید لگاتے ہیں علی الاطلاق کہہ دیتے ہیں کہ مجلس مولد شریف ممنوع وبدعت ہے سو بات یہ ہے کہ مانعین میں بعض تو متشدد ہیں ان کے قول کی تو تاویل ضروری نہیں اور بہت سے بندگان الٰہی منصف ومحقق ہیں ان کا اطلاق حکم بالکراہت محض لفظ میں ہے مراد ان کی عمل مفید ومتعارف ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی مفتی محقق کہے کہ رہن رکھنا حرام ہے ہر چند کہ لفظ رہن اس کے کلام میں مطلق ہے جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ غضب ہے، کہ اللہ تعالیٰ رہن کو حلال فرمادیں اور یہ حرام کہتا ہے مگر ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ مراد اس کی مطلق رہن نہیں ہے بلکہ وہی رہن جس میں حقیقتاً یا حکماً انتفاع مشروط ہوتا ہے اور اس زمانہ میں عارف ہے اسی کو حرام کہتا ہے۔ سو وہ یقیناً حرام ہے۔ اسی طرح مانع مولد گو صرف مولد کو منع کر رہا ہے مگر مراد اس کی وہی مولد ہے جس میں افراط وتفریط ہو اور افراط وتفریط سے خالی ہو گو خود ممنوع نہیں مگر اس وجہ سے کہ دوسرے لوگوں کے لئے ذریعہ افراط وتفریط کا ہے۔ دائرہ منع میں اس کو داخل کردیا ہے۔ اس اطلاق لفظی وتقیید مرادی کی نظیر حدیث میں آئی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مسافر روزہ دار کو ملاحظہ فرمایا کہ غلبہ حرارت وتشنگی سے بیہوش ہوگیا ارشاد فرمایا لیس من البر الصیام فی السفر یعنی سفر میں روزہ رکھنا اچھا نہیں یہ ظاہر ہے کہ روزہ رکھنا سفر میں جائز ہے پھر بھی آپ نے مطلق لفظ سے ممانعت فرمائی وجہ اس کی یہی ہے کہ گو لفظ مطلق ہے مگر مراد اس کی یہی ہے کہ ایسی حالت میں روزہ رکھنا اچھا نہیں۔

خلاصہ یہ کہ لفظ کا مقید ہونا کبھی لفظ سے ہوتا ہے اور کبھی قرینہ سے اس تفصیل سے یہ شبہ بھی رفع ہوگیا کہ ان اعمال کو ہزاروں بزرگ کرتے چلے آئے ہیں اب کیوں منع کرتے ہیں۔ وجہ رفع ہونے کی یہ ہے کہ وہ بزرگ خلوص احتیاط وصحت عقیدہ کے ساتھ کرتے تھے اور ان کے زمانہ میں عوام نے یا تو غلو نہ کیا ہوگا یا غلو کی ان کو اطلاع نہ ہوئی ہوگی یا یہ گمان نہ ہوگا کہ کوئی شخص ہمارا اقتداء کرے گا یا یوں سمجھے ہوں گے اگر کسی نے اقتداء کیا تو وہ بھی اقتداء کریگا تو وہ بھی احتیاط

کرے گا۔ اس وجہ سے ان بزرگوں پر نہ اعتراض کرنا ممکن ہے اور نہ سند پکڑنا صحیح ہے کیونکہ ان کی اور ہماری حالتوں میں یا زمانوں میں بہت فرق ہے اور نہ مانعین پر شبہ ہوسکتا ہے اس لئے وہ اصل فعل کو منع نہیں کرتے۔ بلکہ ان مفاسد کا انسداد کرنا چاہتے ہیں اور خود اس لئے شریک نہیں ہوتے کہ عوام ہمارے سند نہ پکڑیں خلاصہ یہ ہے کہ جنہوں نے یہ فعل کیا تھا ان کی نیت بھی اچھی تھی اور اس وقت مفاسد نہ تھے یا وہ متعدی نہ ہوتے تھے اور جو نہیں کرتے اور احتیاط رکھتے ہیں ان کی نیت بھی درست ہے۔ البتہ جو شخص یوں کہے کہ خود یہ عمل ہی اپنی ذات میں ممنوع ہے خواہ کوئی ضرر لازم یا متعدی ہو یا نہ ہو وہ متشدد ہے یا جس شخص کو اطلاع ہو جائے کہ واقعی عوام کی حالت عقیدہ اور عمل کی اچھی نہیں اور یہ بھی سمجھ گیا ہو کہ واقعی خواص کے عمل کا اثر عوام پر پڑتا ہے اور عوام سند پکڑ کے بے احتیاطیوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور یہ بھی اس کو تجربہ ہو گیا ہو کہ اب عوام کے افراط تفریط کی اصلاح بدوں اس کے نہایت دشوار ہے کہ اصل عمل ہی کو احتیاطاً و انتظاماً ترک کردیں ان سب امور پر مطلع ہو کر پھر بھی اس کو معمول رکھے۔ وہ مداہن و متہاون فی الدین ہے۔

امید ہے کہ تقریر تفصیل ہذا سے تمام تر پیچیدگیاں حل ہوگئی ہوں گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب فقط (حضرت من تحقیق مسئلہ سے اپنی فہم ناقص کے موافق فارغ ہوا۔ میری دلی خوشی یہ ہے کہ جو مجھ سے غلطی ہوگئی ہو بے تکلف اس پر متنبہ فرمادیں انشاء اللہ تعالیٰ اعتراف و تسلیم کرلوں گا۔ زیادہ بجز اشتیاق ملازمت واستدعائے دعائے خاتمہ بالخیر کیا عرض کروں۔ والسلام فقط۔

تمام شد مکتوب محبوب القلوب

دوسرا حصہ

(الف)

یہ ان بعض خطوط کے جواب ہیں جو بعض سائلین نے بعض شبہات کے حل کیلئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہ کو لکھے ہیں۔

سوال:

بخدمت ذوالمجد والکرم مولانا و مقتدانا مولوی اشرف علی صاحب مدظلہم۔ پس از سلام مسنون معروض آنکہ۔ اگرچہ میں ایک شخص اجنبی ہوں لیکن بعض اعتبارات سے اپنے آپ کو زمرۂ خدام میں تصور کرتا ہوں اور اس بنا پر بے تکلفانہ ایک تکلیف خاص دینے کی جرأت کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مجھ کو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہ العزیز کے ساتھ بعض وجوہات سے ہمیشہ سے ایک عقیدۂ قلبی ہے اور جو حضرات حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ واسطہ و ارادت رکھنے والے ہیں ان کے ساتھ بھی دلی اخلاص ہے اور بالخصوص حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی مدظلہم العالی کے ساتھ جن کے محامد خود حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض تالیفات میں بالتخصیص ارقام فرمائے ہیں اور اپنے معتقدین کو ان کی جانب رجوع لانے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ایک خاص ارادت ہے۔ لیکن بعض اوقات بعض مخالفین اور مبتدعین کے بعض اعتراضات اور شبہات کی وجہ سے جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سلمہٗ اللہ تعالیٰ کے بعض معمولات اور معتقدات کے مختلف فیہ ہونے کے بارے میں کئے جاتے ہیں اور جن کا جواب معقول اپنے آپ سے بن نہیں پڑتا طبیعت کو ایک خلجان پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ ان شبہات کا دفعیہ مخالفین کے جواب اور نیز اپنی تشفی قلب کے واسطے آپ کے ذریعہ سے کروں۔ کیونکہ اول تو مخالفین کو ایسے شبہات پیدا کرنے کے لئے جو زیادہ جرأت اور قوت ہوگئی ہے وہ رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ کی اشاعت ہے اور یہ رسالہ آپ ہی کا شائع کیا ہوا ہے۔ اگرچہ آپ نے اس کے ساتھ ایک مضمون بطور ضمیمہ کے بھی اضافہ فرمایا ہے جو صرف ہم جیسے معتقدین کے لئے فی الجملہ باعث طمانیت ہوسکتا ہے۔ لیکن تاہم وہ مضمون اس اصلی تحریر کے مطلب پر کوئی کافی ووافی اثر پیدا نہیں کرسکتا اور مخالفین اس کو نظر تام سے دیکھتے اور قابل قبول قرار

نہیں دیتے۔ بلکہ اس تقریظ کے مضمون سے جو رسالہ درمنظم مؤلفہ شاہ عبدالحق صاحب مہاجر کی پر جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارقام فرمائی ہے۔ اس اصلی مضمون رسالہ فیصلہ کی تائید ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ جناب کی تحریرات جس قدر اس وقت تک میرے مطالعہ سے گزری ہیں ان کو تعصب وتشدد ونفسانیت سے مبرا اور انصاف اور حقانیت اور معقولیت سے مملو پایا۔ جو مخالف کو موافق اور حق ناشناس کو حق پسند بنانے کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے۔ تیسرے یہ کہ غالباً آپ کو ان فتاویٰ کا حال بھی معلوم ہوگا۔ جو اہل ہند نے کسی مسئلہ مختلف فیہ کی نسبت مکہ معظمہ سے طلب کئے تھے اور اس کا جواب بعض مخالفین کے حسب منشا ملا اور جن پر مخالفین حضرت حاجی صاحب کی مہر اور دستخط ہونا بھی بیان کرتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ جہاں تک مجھ کو تحقیق ہوا ہے آپ اسی کارخیر کے متعلق عرائض کا جواب دینے اور اپنے اوقات عزیز کے صرف کرنے میں بخیال اصلاح حال وقال مومنین وحقوق المسلمین دریغ بھی نہیں فرماتے ہیں۔ لہٰذا وہ شبہات ذیل میں گذارش کر کے امیدوار ہوں کہ بمقتضائے شفقت وہمدردی اسلامی تفصیل جواب ان کا مرحمت ہوتا کہ آئندہ کے لئے اس قسم کے خلجان سے جو وسواس شیطانی کہے جانے کے لائق ہیں۔ طبیعت محفوظ رہے۔ اور مخالفین کو جواب معقول دے کر ساکت کرنے کا موقع ملے۔

شبہ اول:

یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض معتقدات ومعمولات جو ان کے رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ سے یا تقریظ مندرج رسالہ درمنظم سے یا بعض دیگر فتوی ہم مضمون رسالہ مذکور پر دستخط اور مہر ہونے سے یا ان معتقدات اور معمولات کی نسبت بعض اشخاص معتقد کی چشم دید اور گوش زد احوال واقوال بیان کرنے سے ثابت ہوتے ہیں۔ آیا واقعی تھے یا یہ اقوال وافعال بخلاف اپنے ذاتی عقیدہ کے کسی مصلحت پر مبنی تھے در رعایت شریف واہالیان مکہ معظمہ وغیرہ حضرت سے سرزد ہوتے تھے۔ اگر بخلاف عقیدہ واقعی کے تھے تو یہ صورت تقیہ کی اور شعار روافض ہے۔ جو حضرت کے کمالات ظاہری وباطنی کے بالکل منافی ہے اور اگر موافق عقیدہ واقعی تھے تو ان حضرات کے جو حضرات سے واسطے ارادت اور خلافت رکھتے ہیں ان معتقدات اور معمولات کو بدعت اور ضلالت کہنے کا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اوپر کیا اثر ہوا اور ان حضرات کے حق میں کیا نتیجہ پیدا ہوا۔

دوسرا شبہ:

یہ ہے کہ آیا مرید اور خلیفہ کو من کل الوجوہ اتباع شیخ کی ضرورت ہے۔ یا نہیں۔ اور اگر

نہیں ہے۔ اور صرف اوراد واشغال متعلقہ طریقت میں اتباع کافی ہے اور دیگر مسائل شرعیہ میں اپنے علم اور اجتہاد سے کام لینے کا مجاز حاصل ہے تو اس صورت میں احکام شرعیہ میں شیخ کے عمل بالخلاف سے مرید کے قلب میں عظمت شیخ جیسا کہ چاہئے تاہم نہیں رہ سکتی۔ بلکہ جب شیخ کے عقائد اور اعمال بزعم مرید خلاف شرع اور سنت ہوں گے تو شیخ کے ساتھ ارادت بھی کسی طرح باقی نہیں رہ سکتی۔ اور ایسی حالت میں خود شیخ لائق مشیخت متصور نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ جب شیخ کو قطع نظر علم ظاہری کے اپنے کشف باطنی اور نور عرفاں سے بالخصوص ایسے مسائل میں جو ان کے اور ان کے مریدوں کے فیما بین مابہ الاختلاف ہوں حق وباطل اباحت وضلالت میں تمیز نہ ہوسکے تو وہ بھی ترقی مدارج وطے منازل الی اللہ کا ذریعہ کیونکر بن سکتا ہے یا کیونکر بنایا جاسکتا ہے اور وہ کامل مکمل کیونکہ متصور ہوسکتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ ایسے مسائل فرعیہ کا اختلاف قدیمی بات ہے اور اس سے معاملات طریقت میں کچھ حرج متصور نہیں ہے تو اول تو یہ اختلاف ایسا ادنیٰ درجہ کا نہیں ہے۔ دوسرے اس کے تسلیم کرنے میں طالبان حق کو کسی عالم وکامل متبع سنت شیخ کی تلاش کرنے کی جو ایک ضروری بات قرار دی گئی ہے ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بلکہ ہر صوفی مشرب ان اشغال معینہ ومعمولات کی تعلیم اور بذریعہ بیعت داخل سلسلہ کرنے کے لئے کافی ہوسکتا ہے اور اگر مرید اور خلیفہ کو اتباع کامل کی ضرورت ہے اور مرشد کے ساتھ ہم خیال وہم عقیدہ وہم عمل ہونا ضروری ہے تو بوجہ اختلاف مسائل معلومہ متذکرہ شبہ اول ان حضرات کے اندر ان کا فقدان ظاہر ہے۔ پس ایسی حالت میں ان حضرات کی خلافت خلافت راشدہ کیونکر تسلیم ہو اور اگر نہ تسلیم ہو تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہ فرمان جو باتخصیص حضرت مولانا رشید احمد صاحب کے حق میں نافذ ہوئے ہیں کیا معنی رکھتے ہیں۔ اور کس بنا پر ہیں اور اگر ہر دو حضرات کی معتقدات اور معمولات یکساں قرار دے جائیں تو تطبیق کس طریقہ سے کی جائے۔ اور قطع نظر دیگر مضامین کے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ کے لئے ایک شرح پر از تاویلات کثیرہ مطلوب ہوگی۔

تیسرا شبہ:

یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب کے خلفاء میں باعتبار اختلاف بعض معتقدات ومعمولات معلومہ کے دو فریق ہیں اور ہر فریق علماء کا ہے۔ جن میں ایک فریق مولوی احمد حسن صاحب کانپوری اور شاہ عبدالحق صاحب مہاجر مکی۔ مولوی عبدالسمیع صاحب میرٹھی وغیرہ کا ہے جن کے معتقدات ومعمولات مثل حضرت حاجی صاحب ودیگر متقدمین صوفیہ کرام پیشوایان سلسلہ چشتیہ صابریہ قدوسیہ کے ہیں اور دوسرا فریق مولوی رشید احمد صاحب ومولوی اشرف علی صاحب

و مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم وغیرہ کا ہے۔ جو ان معتقدات و معمولات کو بدعت و ضلالت بلکہ اس سے بھی زیادہ بدتر کہتے ہیں۔ کہ نوبت بہ شرک و کفر پہنچاتے ہیں۔ پس ان ہر دو فریق میں سے خلافت راشدہ کس فریق کی متصور ہو سکتی ہے اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایسے دو مختلف العقیدہ والعمل اشخاص کو خلافت عطا فرمانا کیسا عمل ہے۔ پس یہ ہیں وہ اعتراضات و شبہات جن کے جوابات معقول دینے میں اور مخالفین نامعقول کو معقول کر دینے میں مجھ جیسے بعض کم علم محبان خانوادہ امدادیہ کو دشواری ہوتی ہے۔ پس اگر والا جناب توجہ فرما دیں اور ان امور کا جواب مفصل تحریر فرما دیں تو قطع نظر اس کے کہ مخالفین کے جواب دینے میں سہولت ہو جائے بمصداق کیطمئن قلبی کے موافقین کے انشراح خاطر کے لئے بھی بے غایت بکار آمد اور مفید ہو۔ زیادہ بجز نیاز کیا عرض کیا جائے۔ فقط والسلام

الجواب:

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ و برکاتہٗ بعض امور فی نفسہٖ مباح و جائز ہوتے ہیں۔ مگر مفاسد عارضہ سے قبیح ہو جاتے ہیں۔ جیسے اعمال متنازع فیہا فی زمانا مثل مجلس مولد شریف اور فاتحہ و گیارہویں و نحوہا ان میں دو طرح کا اختلاف ہو سکتا ہے۔ اول یہ کہ ان مفاسد کو قبیح نہ سمجھے یہ اختلاف ضلالت معصیت ہے۔ دوم یہ کہ ان مفاسد کو قبیح سمجھے اور ان مفاسد کے ساتھ ان اعمال کی بھی اجازت نہ دے۔ مگر بوجہ حسن ظن اور عوام الناس کے حالات تفتیش نہ کرنے سے یہ سمجھ کر کہ لوگ ان مفاسد سے بچتے ہوں گے۔ یا بچ جائیں گے اجازت دے دی۔ سو یہ اختلاف فی الواقع مسئلہ میں اختلاف نہ ہوا۔ بلکہ ایک واقعہ کی تحقیق کی غلطی جو علم و فضل یا ولایت بلکہ نبوت کے ساتھ بھی جمع ہو سکتی ہے اور اس سے عظمت یا شان یا کمال اور قرب الٰہی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ انتم اعلم بامور دنیاکم خود حدیث میں ہے۔ حضرت عمر ؓ کا مشورہ در باب بشارت یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا باوجود صدور حکم نبوی در باب اجراء حد زنا ایک جاریہ کے زچہ ہونے کی وجہ سے تعمیل حکم میں التواء کرنا اور حضور کا اس کو پسند فرمانا خود احادیث صحیحہ میں آیا ہے۔ امید ہے کہ میرے اس مختصر مضمون سے شبہات حل ہو گئے ہوں گے مگر احتیاطاً کسی قدر مفصل بھی عرض کرتا ہوں۔

شبہ اول کا جواب:

شبہ اول کا جواب یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہی عقائد ہیں جو اہل حق کے ہیں اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ان اعمال میں شریک ہونا یا تحریراً و تقریراً اذن فرمانا نعوذ باللہ مبنی فساد عقیدہ پر نہیں ہے نہ تقیہ پر ہے بلکہ چونکہ یہ اعمال فی نفسہا جائز ہیں ان کو جائز سمجھ کر

کرتے تھے اور کہتے تھے اور گمان یہ تھا کہ فاعلین کا مخاطبین یا حاضرین مجلس بھی ان مفاسد سے مبرا ہوں گے تو بعض جگہ یہ گمان صحیح تھا اور بعض جگہ حسن ظن کا غلبہ تھا اور یہی صورت اکثر تھی اور جو لوگ بدعت و ضلالت کہتے ہیں نفس افعال کو نہیں کہتے کہ حضرت پر اثر پہنچے بلکہ مفاسد کو کہتے ہیں جس سے حضرت خود بری ہیں پس حضرت کے قول و فعل کا خلاصہ یہ نکلا کہ یہ افعال بلا مفاسد جائز ہیں اور فتویٰ علماء کا حاصل یہ ہوا کہ یہ افعال مع المفاسد ناجائز ہیں سو اس میں کچھ اختلاف نہ ہوا البتہ یہ امر کہ آیا اکثر مواقع میں یہ مفاسد موجود ہیں یا نہیں اس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور علماء کا اختلاف رہا۔ سو یہ ایک واقع میں اختلاف ہے جیسے زید کے کھڑے ہونے میں۔ اس میں اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو صحیح خبر تحقیق نہ ہوتو حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر الزام و ملامت نہیں اور نہ اختلاف کرنے والوں کو اس کے خلاف سے کوئی ضرر۔

دوسرا شبہ کا جواب:

دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ جو امر یقیناً خلاف ہو اس میں شیخ کا اتباع مرید کو ضرور نہیں اور جو امر ایسا ہو کہ شیخ کا عقیدہ اس میں صحیح ہے اور کسی واقعہ کی صحیح خبر نہ پہنچنے سے عمل خلاف مصلحت ہو گیا۔ چونکہ فی نفسہٖ وہ امر خلاف شرع نہیں۔ حسن عقیدہ و نیت سے شیخ نے کیا ہے وہ خلاف شرع نہیں ہے۔ اس لئے شیخ کی عظمت مرید کے قلب سے ذرہ برابر نہیں گھٹ سکتی۔ مثلاً اگر کسی شخص نے ہمارے پیغمبر ﷺ کو کھانے میں زہر ملا کر کھلا دیا اور آپ کو اس وقت خبر نہ ہوئی تو صحابہ کے قلب سے یہ سمجھ کر کہ حضور نے زہر نوش فرمایا ہرگز عظمت کم نہیں ہو سکتی بلکہ یہی کیا جائے گا کہ آپ نے کھانا حلال نوش فرمایا ہے مگر زہر کی اطلاع حضور ﷺ کو نہ ہوئی۔ ورنہ ہرگز نوش نہ فرماتے اور اس بنا پر مرید افعال شیخ کو خلاف شرع نہ سمجھے گا۔ جو عظمت کم ہو اور کشف باطن اور نور عرفاں سے حق و باطل کا انکشاف کسی درجہ میں مسلم سہی۔ مگر یہاں تو حق و باطل میں شیخ کو التباس ہی نہیں جو کشاف کی حاجت ہو۔ اس کا انکشاف تو حاصل ہے کہ فلاں طور پر حق ہے۔ اور فلاں طور پر باطل ہے۔ صرف ایک واقعہ جزئیہ اس کی نظر سے مخفی ہے۔ جس کا مخفی ہونا انبیاء علیہم السلام سے بھی مستبعد نہیں۔ خود حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں بشر ہوں شاید کوئی شخص اپنے دعویٰ پر حجت شرعیہ قائم کر کے مقدمہ جیت لے۔ اور اس کا حق نہ ہو اور میں اسے دلا دوں تو وہ دوزخ سے حصہ لے رہا ہے۔ ظاہری حجت پر حضور ﷺ حکم فرما دیتے تھے اور بعض اوقات احتمال ہوتا تھا کہ شاید دوسرے کا حق ہو۔ حضور ﷺ پر ہرگز کوئی طعن نہیں ہو سکتا۔ آپ نے تو حق ہی فیصلہ فرمایا مگر چونکہ واقع کی تحقیق صحیح نہ ملی اس لئے صاحب حجت کو غالب فرما دیا۔ ایسی حالت میں کامل مکمل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ بخلاف اس شیخ کے جس کے عقائد یا مسلک میں غلطی یقینی ہو۔ وہ البتہ

قابل شیخ ہونے کے نہیں اور اوپر معروض ہو چکا ہے کہ حضرت کے عقائد یا مسلک میں خلاف نہیں۔ صرف ایک واقع کی تحقیق صحیح نہیں پہنچی۔ پس نہ حضرت پر کوئی شبہ رہا نہ خلفاء کی خلافت راشدہ میں کوئی قدح رہا۔ سلطان نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے خلیفہ کا سماع سے منکر ہونا شیخ کے روبرو مشہور و معروف ہے اور فہیم آدمی کے لئے خود فیصلہ ہفت مسئلہ کی عبارت میں جا بجا تقیید کو مرتبہ ضرورت میں رکھنے کی مذمت شرح کافی ہے اور مخاصم کے حق میں دفاتر اور دساتیر بھی کافی نہیں۔

تیسرے شبہ کا جواب:

تیسرے شبہ کی نسبت عرض ہے کہ حضرت کے عام خدام کی خوش اعتقادی کا دعویٰ ہم نہیں کر سکتے۔ یقیناً بعض اہل علم کو بعض امور میں لغزش واقع ہوئی ہے۔ بعض کو تو مسائل میں غلطی ہو گئی ہے۔ جس سے حضرت بالکل مبرا و منزہ ہیں۔ اگر وہ حضرت کے قول کی سند لا دیں تو بہت یقین کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت کے ارشاد کو نہیں سمجھا۔ یا حضرت نے غلبہ حال میں کوئی امر فرمایا جو تاویل کے قابل ہوتا ہے اور ان صاحبوں نے اس کو ظاہر پر محمول فرما لیا۔ چنانچہ اس ناکارہ کے روبرو غلبہ حال میں بعض امور غامضہ فرمائے اور حضرت کی حالت سے معلوم ہو گیا کہ اس وقت غلبہ ہے ممکن ہے کہ کسی کو اس کی طرف توجہ نہ ہوئی کہ اس کو غلبہ سمجھا ہو۔ اور جن امور میں غلطی بھی نہیں ہوئی مگر عوام اس سے برباد ہوئے۔ چونکہ ان صاحبوں کو غلبہ حال ہی نہیں اور عوام کے حال سے بھی علما کو بوجہ اختلاط عوام کے اطلاع زیادہ ہوتی ہے اس لئے ان صاحبوں کی غلطی تحقیق واقعہ میں یا غلبہ حال کے ارشادات نقل کر دینے میں قابل معذوری نہیں اور مشائخ میں یہ دونوں عذر صحیح ہیں اور مسئلہ کی یقینی غلطی تو کسی کے لئے بھی عذر نہیں۔ مگر حضرت رحمتہ اللہ علیہ اس سے بالکل بری ہیں۔ اور حضرت کا خلافت عطا فرما دینا کسی مبتلائے غلطی کو بنا بر عدم اطلاع اس شخص کی غلطی کے ہے۔ جس کا خلاف شان نہ ہونا اوپر ظاہر ہو چکا ہے۔ اگر اس کے بعد کوئی شبہ ہو بے تکلف اظہار فرما دیا جائے۔ میں ایک ضرورت سے دوسری جگہ آیا ہوں۔ شاید دو چار روز اور رہنا ہو فقط والسلام۔ راقم اشرف علی عفی عنہ۔

مستفتی کا دوسرا خط جس میں اس نے پہلے خط کے جواب پر کچھ شبہات کیے ہیں:

بخدمت فیض درجت جامع کمالات صوری و معنوی مولانا مولوی اشرف علی صاحب دامت فیوضہم۔ پس از سلام مسنون عقیدت مشحون معروض آنکہ افتخار نامہ بجواب عریضہ صادر ہو کر

کاشف اسرار ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ جناب نے بطریق تمہید جواب جو کچھ اجمالاً تحریر فرمایا ہے۔ وہ ہی مخلصین کے اطمینان قلب کے لئے کافی و وافی ہے۔ لیکن منکرین کے لئے ہنوز گنجائش کلام باقی ہے۔ جس کو جناب کے اس ارشاد کی تعمیل میں کہ (اگر اس کے بعد کوئی شبہ ہو تو بے تکلف اظہار کر دیا جائے) ذیل میں گزارش کرتا ہوں اور امید ہے کہ اس مرتبہ کافی اور مفصل جواب کے بعد اس معاملہ میں ضرورت تعدیہ باقی نہ رہے گی۔ ہر دو روایات مشورۂ کتمان بشارت اور التوائے اجراء حدزنا کو تفصیل کے ساتھ ارقام فرما دیجئے۔ اور خلیفہ حضرت مولانا نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرہ العزیز کی مخالفت بمعاملہ سماع کا قصہ بھی مفصل مع حوالہ کسی کتاب کے اور نیز اسی قسم کی دیگر روایات اگر مستند کتابوں سے بہم پہنچ سکیں۔ رقم فرمایئے۔ اس لئے کہ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بمقابلہ دلائل و براہین عقلی و نقلی کے گزشتہ واقعات کی تمثیل متصوفین زمانہ حال میں زیادہ اثر پیدا کرتی ہے۔ بنظر علم شبہات جوابات سابقہ عریضہ سابقہ مع سامی نامہ امر شتہ عریضہ ہذا مرسل ہے۔ تاکہ تحریر جواب میں سہولت ہو۔ ایک امر محض بنظر اطلاع پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس عرصہ میں میری نظر سے ایک تحریر مولوی احمد حسن صاحب کانپوری کی گزری ہے۔ جس میں رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ کی بابت یہ الفاظ تحریر تھے (ہفت مسئلہ میں جو ضمیمہ لگایا گیا ہے اس کی عدم رضا حضرت کی طرف سے ثابت ہے۔

مولوی شفیع الدین صاحب سے بتاکید آپ نے فرمایا ہے کہ اشتہار دو۔ اس امر کا کہ ضمیمہ ہمارے خلاف ہے۔ اب اصل مطلب عرض کیا جاتا ہے اور بطریق مدعیانہ شبہ اول کا جواب میں آپ نے ارقام فرمایا ہے کہ چونکہ یہ اعمال فی نفسہا جائز ہیں۔ ان کو جائز سمجھ کر کرتے تھے اور کہتے تھے اور گمان یہ تھا کہ فاعلین و مخاطبین و حاضرین مجلس ان مفاسد سے مبرا ہوں گے۔ اس موقع پر اس کی تحقیق مطلوب ہوئی کہ وہ مفاسد کیا ہیں جن سے حضرت مبرا تھے اور دوسروں کا مبرا ہونا اپنے حسن ظن سے خیال فرماتے تھے۔ جہاں تک خیال کیا جاتا ہے مفاسد وہی امور قرار دئے گئے ہیں جن کو حضرت حاجی صاحب نے مصالح پر مبنی نہ ہونا ارشاد فرمایا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ امور فی نفسہ جائز ہیں اور تبدیل نیت اور عقیدے سے ناجائز ہو جاتے ہیں اس کے بارہ میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ اول تو نیت و عقیدہ کا حال کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ دوسرے باستثناء جہال و عوام عموماً تعلیم یافتہ اور خواص نیک نیتی اور خوش عقیدتی کے ساتھ محض ان مصالح پر نظر کر کے جو سلف سے منظور نظر ہیں اس قسم کے اعمال کرتے ہیں اور ان اعمال کے ترک کو بھی صرف بخیال فوت ہو جائے ان مصلحتوں کے یا ترک اقتدائے بزرگان پیشین کے مذموم تصور کرتے ہیں۔ پھر ایسی حالت میں عام طور پر بلا کسی استثناء کے ان علماء کی ممانعت حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ارشاد کے خلاف کیوں نہ سمجھی جائے۔ کیا حضرت حاجی صاحب کے یہاں جو محفل میلاد شریف

ہوتی تھی یا جن محافل کے اندر ہندوستان میں یا مکہ معظمہ وغیرہ میں حضرت حاجی صاحب کو شرکت کا اتفاق ہوا ہوگا ان محافل میں تداعی اور کثرت روشنی اور استعمال خوشبو واہتمام فروش وجائے نشست ذاکر کو بلند وممتاز قائم کرنا اور قیام بالتخصیص عند ذکر الولادت اور اجتماع ہر خاص وعام کا نہ ہوتا تھا کہیں ضرور ہوتا تھا۔ پس وہ کونسے مفاسد تھے جن سے حضرت کو عدم واقفیت والاعلمی تھی اور کون سے واقعات تھے کہ جن سے حضرت بے خبر تھے کہ جس کی بنیاد پر واقعہ کی تحقیق میں غلطی ہونا تسلیم کیا جاسکے۔

شبہ دوم:

چونکہ شبہ اول پر مبنی ہے اس لئے اس کے جواب کا بھی وہی انداز قائم کیا گیا۔ کہ کسی واقعہ کی صحیح خبر نہ پہنچنے سے کوئی عمل خلاف مصلحت مرشد سے سرزد ہوجائے تو اس سے عظمت شیخ کی بابت کوئی ناقص خیال پیدا نہیں ہوسکتا۔ اول تو حسب اقوال واعمال متصوفین سابقین شیخ کے حق میں یہ کلام وگمان بھی کہ عمل خلاف مصلحت ہوا۔ سوء ادبی ہے۔ کیونکہ باوجود علم واحتمال ایسے اختلافات عظیم کے ایسے شیخ سے عمل اختلاف مصلحت ہوجانا اس کی شان میں فرق ڈالنے والی بات ہے۔ دوسرے یہ امر دریافت طلب ہوا کہ وہ کونسے ایسے واقعات تھے جن کی خبر صحیح حضرت کو نہ پہنچی تھی۔ جہاں تک خیال کیا جاتا ہے اس امر کا ثابت کرنا سخت متعذر معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے خلاف شہادتیں تحریری وتقریری ہندوستان میں اکثر موجود ہیں۔

شبہ سوم:

شبہ سوم کا جواب بھی بطرز سابق یہ ارقام ہوا ہے کہ حضرت کا خلافت عطا فرمادینا کسی مبتلائے غلطی کی بناپر عدم اطلاع اس شخص کی غلطی کے ہے جس کا خلاف شان نہ ہونا اوپر ظاہر ہو چکا۔ اس معاملہ میں اول تو اس بات کا مان لینا کہ حضرت کو ان اشخاص کے احوال واقوال وعقائد واعمال کی اطلاع نہ ہو سخت دشوار بلکہ بداہت کا انکار ہے۔ اور کسی طرح قرین عقل نہیں کہ جو لوگ مدتوں خدمت وصحبت میں حاضر رہے ہوں اور نزدیک ودور سے فیضان باطنی سے مستفیض ہوتے رہے ہوں ان کے معتقدات اور معمولات سے حضرت بے خبر رہیں اور اگر عیاذاً باللہ بتمثیل منافقان اوائل زمانہ رسالت بے خبری تسلیم بھی کی جائے۔ تو حضرت پر بڑا الزام یہ عائد ہوگا کہ بلا اطمینان صحیح حال واعمال خلافت کیوں عطا فرمادی۔ اس لئے یہ امر خلافت تو کوئی دنیا کا کام نہ تھا۔ یا کوئی عبادات یا معاملات کا مسئلہ یا استفتاء نہ تھا کہ جس کی بابت یہ حجت کی جاسکے کہ واقعات وحالات سے بے خبر رہنے کی وجہ سے حکم یا عمل خلاف واقعہ یا مصلحت صادر ہوگیا۔ بلکہ یہ معاملہ تو

بالکل نور باطن وتصفیہ قلب وعرفان سے تعلق رکھتا ہے پھر کیوں ان ذریعوں سے مثل بزرگان سلف مریدین کے حالات کو دریافت نہیں کیا تاکہ وہ غلطیاں جن میں بعض خلفاء مبتلا تھے آئندہ سلسلہ میں سنت پیر یا عمل شیخ قرار پاکر شائع نہ ہونے پائیں۔ کیوں مرآۃ قلب حضرت میں ان خلفاء کے بعض عقائد واعمال فاسدہ کا عکس جیسا کہ اکثر بزرگواروں کے حالات میں مذکور ہوتا ہے منعکس نہیں ہوا۔ اب ان امور کا جواب بعد ملاحظہ وتوجہ تحریر اول کے ارشاد فرمایا جائے اور پہلے پتہ کے موافق ارسال فرمایا جائے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اس فضول کام میں جناب کے اوقات عزیز کا صرف کرنا نہایت بے موقعہ تصدیعہ دہی ہے مگر بمقتضائے ضرورت نظر باشفاق عمیم جناب والا مجبوراً تکلیف دی گئی۔ فقط زیادہ نیاز۔

الجواب:

از خاکسار اشرف علی عفی عنہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ میں ہنوز چرتھاول ہوں۔ اس لئے آپ کا خط دیر میں ملا۔ آپ نے جو تحریر فرمایا ہے۔ کہ منکرین کے لئے ہنوز گنجائش کلام باقی ہے۔ سو احقر نے پہلے بھی منصفین کے لئے لکھا تھا۔ اور اب بھی اسی غرض سے لکھتا ہوں۔ منکرین کے لئے پہلے ہی خط میں لکھ چکا ہوں کہ دفاتر بھی کافی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ تحقیق حق مقصود ہے۔ مناظرہ مقصود نہیں۔ نہ آج کل اس سے کوئی نفع لہٰذا تمام تر تحریرات میں اسکات منکرین سے قطع نظر کر لیجئے۔ اپنے شبہات کو البتہ رفع کر لیجئے۔ دوسروں سے اگر گفتگو ہو تو اگر وہ منصف ہوں تو ان کو علماء کا حوالہ دیجئے خود وہ اپنے شبہات رفع کر لیں۔ آپ کیوں فکر فرماتے ہیں اور اگر وہ معاند ہوں جانے دیجئے۔ ان کے ساکت کر دینے کا کوئی شرعاً مکلف نہیں۔ پھر تعصب برداشت کرنا ایک فضول امر کے لئے کس کو ضرورت پڑی ہے۔

مشورہ کتمان بشارت مشکوٰۃ کی کتاب الایمان میں موجود ہے۔ القواء حد زنا کا قصہ مسلم وابوداؤد وترمذی میں موجود ہے۔ ہکذا فی التیسیر فی کتاب الحدود اور مسلم میں ایک اور قصہ مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک شخص کی گردن مارنے کا حکم فرمایا۔ چونکہ وہ شخص کسی ام ولد کے ساتھ متہم کیا گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو مجبوب پاکر چھوڑ دیا اور آپ نے تحسین فرمائی۔ معاملہ خلیفہ سلطان جی کا غالباً انوار العارفین میں مذکور ہے۔ دیگر روایات کی تلاش کی چونکہ ضرورت نہیں اس لئے اس کا قصد نہیں کیا گیا جبکہ ایک دلیل بھی کافی ہے۔ اگر یہ امر قابل اطلاع تسلیم بھی کرلیا جائے تو مضر نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ حضرت کی خدمت میں ضمیمہ اس طرح اور ایسے عنوان سے پیش کیا گیا ہو کہ حضرت کو مظنہ انکار نفس اعمال یا منع التقیید والمباحہ بلا لزوم المفاسد ہوگیا ہو اس بنا پر اظہار مخالفت مانعین کو مضر نہیں ہے جو مفاسد آپ نے دریافت فرمائے ہیں اگر آپ

اصلاح الرسوم کی مفصل بحث میلاد شریف یا رسالہ طریقہ مولد شریف از تالیف احقر ملاحظہ فرماویں تو ان مفاسد کا بخوبی انکشاف ہو جائے۔ مگر یہاں بھی ان کا خلاصہ واصل الاصول عرض کئے دیتا ہوں۔ وہ مفسدہ یہی تبدیل نیت وعقیدہ ہے۔ اور اس پر جو شبہ لکھا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عقیدہ ونیت کا حال بلا اظہار البتہ معلوم نہیں ہو سکتا۔ مگر جب اہل عقیدہ اپنے قول سے یا فعل سے اس کا اظہار کر دیں تو معلوم ہو جائے گا۔ چنانچہ ان صاحبوں کی مجموعی حالت سے اعتقاد کا حال صاف صاف ظاہر ہوتا ہے۔ مختصر امتحان یہ ہے کہ اگر یوں مشورہ دیا جائے کہ جو قیود فی نفسہا مباح اور جائز الفعل والترک ہیں۔ ان کو دس بار کرتے ہیں۔ تو دس بار ترک بھی کر دو تا کہ قولاً وفعلاً اباحت ظاہر ہو جائے۔ تو اس قدر شاق ہوگا کہ فوراً مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اگر سچ مچ ان امور کو ضروری نہیں سمجھتے۔ تو اس شاق گزرنے کی کیا وجہ اکثر عوام کا تو یہی حال ہے۔ اگر کسی تعلیم یافتہ فہیم کا یہ عقیدہ نہ بھی ہو تو غایت مافی الباب اس کے لئے علت ممانعت یہ نہ ہوگی۔ مگر یہ لازم نہیں آتا کہ کسی دوسری علت سے بھی منع نہ کیا جائے۔ اگر کوئی دوسری علت منع کی پائی جائے تو ان کو بھی روکیں گے۔ وہ علت ایہام جاہل ہے۔ یعنی خواص کے کسی فعل مباح سے اکثر عوام کے عقائد میں فساد آنے کا اندیشہ غالب ہو تو خواص بھی مامور بترک مباح ہوں گے شامی محشی درمختار نے بحث کی کراہت تعیین سورت میں یہ قاعدہ لکھا ہے کہ جہاں تغیر شروع ہو یا ایہام جاہل ہو وہاں کراہت ہوگی۔

پس عوام الناس تغیر شروع کی وجہ سے روکے جاتے ہیں اور خواص ایہام جاہل کی وجہ سے یہی وہ مفسدہ ہے۔ جس کا مخفی رہ جانا اور ملتفت الیہ نہ ہونا بعید نہیں۔ اکثر مفاسد نیات وعقائد عوام کے بزرگان واکابر سے مخفی رہتے ہوئے روز وشب مشاہدہ میں آتے ہیں۔ شبہ دوم کا جواب بھی اس تقریر سے نکل آیا۔ سوء ادب کا شبہ اہل فہم سے نہایت بعید ہے۔ جب انبیاء علیہم السلام سے زلت کے صدور کے معتقد وقائل ہونے میں سوء ادب لازم نہیں آیا۔ تو اولیاء کرام کے حق میں کونسی بات سوء ادب کی ہے۔ ہاں سوء ادب ایک طرح ہے بھی کہ بلاضرورت ان زلات کو گاتا پھرے اور جو شخص مقام تحقیق احکام شرعیہ میں ان زلات کا ذکر کرے در باب احکام کے ان کا حجت نہ ہونا بیان کرے۔ یہ ہرگز بے ادبی نہیں بلکہ عین ادائے مامور بہ ہے اور یہ امر دریافت طلب کہ وہ کون سے واقعات تھے۔ اس کی تحقیق اوپر ہو چکی ہے اور وہاں یہ بھی ثابت کر دیا گیا ہے کہ ایسے مفاسد دقیقہ عوام کا خواص سے مخفی رہنا شب وروز مشاہدہ میں آ رہا ہے اور ایک شہادت تحریری یا تقریری بھی اس کے خلاف پر قائم نہیں۔ البتہ اس کی موافقت میں بیشمار شہادتیں ہیں۔

شبہ سوم:

شبہ سوم کا جواب بھی مضامین مذکورہ بالا میں نظر کرنے سے صاف ظاہر ہے۔ یعنی اوپر

ظاہر ہو چکا ہے کہ مفسدہ دو ہیں۔ تغیر مشروع اور ایہام جاہل۔ سو ایک عالم کے عقائد میں ایسا فساد کہ تغیر مشروع کی نوبت آئے اگر مستبعد بھی ہو۔ مگر ایہام جاہل یعنی ان کے عمل سے عوام مبتلائے فساد ہو جائیں ہرگز مستبعد نہیں اور چونکہ حضرت کی خدمت میں حاضر رہنے تک نہ ان صاحبوں کو ان اعمال کا مستقل اہتمام کا موقع ملا نہ وہاں کی حاضری میں مقتدا ہونے کا خاص موقع ملا۔ البتہ ہندوستان میں پہنچ کر شان پیشوائی ظاہر ہوئی۔ ان اعمال کا اہتمام بھی کیا۔ معتقدین کا ہجوم بھی ہوا۔ ایہام کی نوبت بھی آئی تو اس ایہام کا زمانہ حاضری میں مشاہدہ کب ہو سکتا تھا۔ پھر مخفی رہنے میں کوئی استبعاد نہیں۔ اب شبہ تمثیل منافقاں وعطائے خلافت بلاتحقیق سب زائل ہو گیا۔ اور یہ سوال کہ نور باطن سے حضرت کو کیوں نہ معلوم ہو گیا۔ یا کیوں نہ معلوم کر لیا۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ آپ کو کشف کیوں نہ ہوا۔ یا آپ نے قوت کشفیہ کو کیوں نہ استعمال کیا۔ سو جو لوگ اس فن سے واقف ہیں ان کے نزدیک اس کا جواب بدیہی ہے کہ کشف امر اختیاری نہیں نہ امر دائمی ہے اس لئے یہ سوال ضعیف ہے۔ اس پر جو تفریعات کی ہیں وہ بھی سب اسی طرح مدفوع ہیں۔

اب آخر میں یہ عرض ہے کہ اگر کوئی نیا شبہ ہو تو تحریر اُٹھے فرمانے کا مضایقہ نہیں اور اگر مثل خط دوم کے پہلے ہی شبہات کا اعادہ اور ان کے جوابوں کی توضیح کا لکھنا مدنظر ہو تو اس تطویل سے بہتر ہوگا۔ کہ خود تشریف لا کر فیصلہ فرمالیں۔ کیونکہ تحریر میں بہت سے امور مفصل وشرح ہو جانے سے رہ جاتے ہیں اور غیر ضروری امر میں وقت صرف کرنا درنج وشاق معلوم ہوتا ہے۔

فقط والسلام

(از فتاویٰ امدادیہ جلد چہارم صفحہ ۶۰۔۷۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی ۱۳۲۹ھ)

(ب)

محفل میلاد کی تحقیق اور اس کا بیان کہ جناب نبوی کے ساتھ دُنیا کے بادشاہوں کا سا برتاؤ بے ادبی ہے۔

(یہ مضمون مفصل مدلل وعظ ''السرور'' میں آچکا ہے۔ مگر نفاست عنوان وعمدگی پیرایہ بیان کی وجہ سے نیز عام فہم ہونے کی وجہ سے یہاں الرفیق فی سواء الطریق ۲۴۲ سے دوبارہ نقل کیا گیا ہے)

آج کل ہمارے چند اخوان زماں نے ایک عظیم الشان مفسدہ کی بنیاد ہندوستان میں ڈالی ہے۔ یعنی یوم ولادت جناب نبی کریم ﷺ کو یوم عید بنانے کی تجویز کی ہے اور یہ خیال ان کے

ذہن میں دوسری اقوام کے طرزِ عمل کو جواپنے اکابر دین کے ساتھ کرتے ہیں۔ دیکھ کر پیدا ہوا ہے۔ لیکن اس قاعدہ مذکورہ کی بنا پر لوگوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ یوم ولادت کی خوشی دنیوی خوشی نہیں ہے۔ یہ مذہبی خوشی ہے۔ پس اس کے تعیین طریق کے لئے وحی کی اجازت ضروری ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہم بطور سالگرہ کے دنیوی طرز پر کرتے ہیں تو میں کہوں گا۔ کہ ایسا کرنے والے سخت بے ادبی اور گستاخی جناب نبوی میں کر رہے ہیں۔ صاحبو کیا حضور ﷺ کو اس جلال وعظمت میں دنیا کے بادشاہوں پر جن کو حضور ﷺ سے کچھ بھی نسبت نہیں ہے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس فرحت کے لئے بس ایک دنیوی رذیل سامان اس طرح کا کرتے ہو جیسا ان سلاطین کے لئے کیا کرتے ہو۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

مجھے اس موقعہ پر ایک بزرگ کی حکایت یاد آگئی کہ وہ جنگل میں رہتے تھے۔ ایک کتیا پال رکھی تھی۔ اتفاق سے ایک مرتبہ کتیا نے بچے دیے تو آپ نے تمام شہر کے معززین کو مدعو کیا۔ لیکن ایک بزرگ شہر میں رہتے تھے۔ ان کو نہیں بلایا۔ ان بزرگ نے از راہ بے تکلفی دوستانہ شکایت کی تو ان بزرگ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ حضرت میرے یہاں کتیا نے بچے دیے تھے اس کی خوشی میں سگان دنیا کی دعوت کر دی۔ سخت گستاخی تھی کہ میں ان دنیا کے کتوں کے ساتھ آپ کو مدعو کرتا جس روز میرے اولاد ہوگی اور مجھ کو خوشی ہوگی اس دن آپ کو مدعو کروں گا اور ان کتوں میں سے ایک کو بھی نہ پوچھوں گا۔ جب اولیاء کے ساتھ دنیاداروں کا سا برتاؤ بے ادبی ہے تو سید الانبیاء کے ساتھ دنیاداروں کا سا برتاؤ کیسے بے ادبی نہ ہوگی۔

اب اس کی دلیل سنئے کہ یوم ولادت مذہبی خوشی ہے دنیوی خوشی نہیں ہے یہ تو سب کو معلوم ہے کہ دنیا کا اطلاق اس خطۂ زمین پر زیادہ سے زیادہ چند فرسخ اس کے متصل ہوا پر ہوتا ہے۔ پس اگر کوئی دنیوی خوشی ہوگی تو اس کا اثر اسی خطۂ زمین تک محدود رہے گا۔ اس سے متجاوز نہ ہوگا۔ اور ولادت حضور ﷺ پرنور کے دن نہ صرف زمین کے موجودات بلکہ ملائکہ عرش وکرسی اور باشندگان عالم بالا سب کے سب مسرور اور شادمان تھے۔ وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ کی ولادت شریف کفر وضلالت کے ماحی اور توحید حق کے حامی تھی۔ جس کی بدولت عالم کا قیام ہے۔ کیونکہ قیامت قائم ہوگی جب ایک شخص بھی دنیا میں خدا کا نام لینے والا نہ رہے گا اور قیامت قائم ہونے سے فرشتے بھی اکثر فنا ہو جائیں گے۔ پس آپ کے ظہور چونکہ سبب تھا۔ تمام عالم کے بقا کا اس لئے تمام عالم میں یہ خوشی ہوئی۔ جب اس کا اثر دنیا سے متجاوز ہو گیا تو اس خوشی کو دنیاوی خوشی نہیں کہہ سکتے۔ جب معلوم ہوا کہ یہ دنیوی خوشی نہیں بلکہ مذہبی خوشی ہے تو اس میں ضرور ہر طرح سے وحی کی احتیاج ہوگی۔ یعنی اس کے وجود میں بھی اور اس کی کیفیت میں بھی اب مجوزین ہم کو دکھلائیں۔ کہ کس وحی سے یوم ولادت کے یوم العید بنانے کا حکم معلوم ہوتا ہے اور کیا صورت اس کی بتلائی گئی

ہے۔ اگر کوئی قل بفضل اللہ سے استدلال کرے تو میں کہوں گا کہ صحابہ کرام جو کہ حضور ﷺ کی صحبت اٹھائے ہوئے تھے اور تمام عالم سے زیادہ کلام مجید کو سمجھتے تھے۔ ان کی سمجھ میں یہ مسئلہ کیوں نہیں آیا بالخصوص جبکہ حضور ﷺ پرنور کی محبت تھی ان کے رگ وپے میں سرایت کی ہوئی تھی علی ہذا تابعین رحمہم اللہ جن میں بڑے بڑے مجتہد ہوئے ہیں۔ ان کی نظر یہاں تک کیوں نہیں پہنچی۔ ہاں جن امور کے متعلق حضور ﷺ سے اجازت ہے اس کو ضرور کرنا چاہئے۔ مثلاً آپ نے اپنی ولادت کے دن روزہ رکھا اور فرمایا ذلک الیوم الذی ولدت فیہ اس لئے ہم کو بھی اس دن روزہ رکھنا مستحب ہوسکتا ہے۔ دوسرے پیر کے دن نامۂ اعمال حق تعالیٰ کے روبرو پیش ہوتے ہیں۔ پس یہ مجموعہ وجہ ہوگی۔ اس حکم کی اور اگر منفردا بھی مانا جائے تب بھی صحیح ہے۔ لیکن صرف اسی قدر کی اجازت ہوگی جتنا کہ ثابت ہے۔

(ج)

یہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مختصر اور جامع تحریر ہے جو رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ کے متعلق بعض اغلاط کے رفع کے لئے لکھی گئی ہے:

رسالہ ہفت مسئلہ امکان کذب وامکان نظیر میں تو کوئی ایسا امر نہیں لکھا ہے کہ کسی کے خلاف ہو بلکہ اس کے امکان کا اقرار اور اس کے بحث سے احتراز لکھا ہے تو اس میں کسی اہل حق کی مخالفت نہیں اور مسئلہ تکرار جماعت میں بسبب اختلاف روایات فقہ کے فریقین کو نزاع سے منع کیا کہ اس مسئلہ مختلفہ میں مخالفت کرنا مناسب نہیں اور مسئلہ ندا وغیرہ میں صاف صاف حق لکھا ہے۔ کہ نداء غیر اگر حاضر وعالم الغیب جان کر کرے گا مشرک ہوگا اور جو بے اس کے شوق میں کہتا ہے تو گنہگار نہیں اور جو بدون عقیدۂ شرکیہ کے اور بدون شوق کے یہ سمجھ کر کہے کہ شاید ان کو حق تعالیٰ خبر کر دے تو خلاف محل نص میں خطا وگناہ ہے۔ مگر شرک نہیں۔ اور جو نص سے ثبوت ہو جیسا صلوۃ سلام بخدمت فخر عالم علیہ الصلوۃ والسلام ملائکہ کا پہنچانا۔ تو وہ خود ثابت ہے یہ سب حق ہے اس میں کوئی اہل حق مخالف اس کے نہیں کہتا۔ اب رہے تین مسئلے قیود مجلس مولد وقیود ایصال ثواب اور عرس بزرگان تو اس میں وہ خود لکھتے ہیں کہ دراصل مباح ہیں اگر ان کو سنت وضروری جانے تو بدعت وتعدی حدود اللہ تعالیٰ وگناہ ہے۔ اور اس کے بدون کرنے میں اباحت لکھتے ہیں اور ہم لوگ جو منع

کرتے ہیں تو وجہ یہ ہے کہ ان کو رسوم اہل زمانہ سے خبر نہیں۔ کہ یہ لوگ ان قیود کو ضروری جانتے ہیں۔ لہذا باعتبار اصل کے مباح لکھتے ہیں۔ اور ہم لوگوں کو عادت عوام سے محقق ہو گیا ہے کہ یہ لوگ ضروری اور سنت جانتے ہیں۔ لہذا ہم بدعت کہتے ہیں۔

پس فی الحقیقت مخالفت اصل مسائل میں نہیں ہوئی۔ بلکہ بسبب عدم علم اہل زمانہ کے یہ امر واقع ہوا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے امام صاحب نے صابی کو ایک حکم دیا اور صاحبین نے دوسرا حکم اور یہ بسبب اختلاف حال کے ہوا ہے کہ امام صاحب کے وقت ان کا حال اہل کتاب جیسا تھا اور صاحبین کے وقت میں مجوس جیسا پس اختلاف اصل مسئلہ کا نہیں ہے بلکہ بوجہ حال اہل زمانہ کے۔ ایسا ہی دیگر مسائل میں ہے۔ ورنہ حضرت سلمہٗ کے عقاید ہرگز بدعت کے نہیں ہیں۔ کہ اہل فہم و دانش خود عبارت رسالہ سے سمجھ سکتا ہے۔ تنبیہات وصیت ۱۶،۱۵

مراسلہ

پہلا مراسلہ از طرف حضرت مولانا تھانوی مدظلہ العالی

بسم الله الرحمٰن الرحیم. الحمد لله تعالیٰ والسلام علی رسوله الافضل الاعلیٰ. امابعد من العبد الذلیل الی المخدوم المطاع الجلیل. السلام علیکم ورحمة الله. والیکم یشتاق قلبی الاواه. وبعد فقد اجتمعت فی هذاالایام بالمولوی منور علی فقال ان حضرت مولانا ساخطون علیك لاختیارك طریق بعض اقاربك الذی یغائر طریقهم فعلیك ان تعتذر الیهم وترضیهم فتوجعت بهذا لخبر توجعا قطیعا وتالمت تالما وجیعاً لکن مالمت الانفسی ومارایت شیعاً غیر الصدق ینجی فیا مولیٰنا والله انی کنت فی ذالك الزمان غریقانی بحارا لیحرة والطلب واتطلع الی من تخلصنی من ذاك الوصب والنصب. اذنادی منادی من قریب من غیر ارادتی وقصدی بات یدك بیدی انجیك من هذالبحر اللجی وان الغریق یتشبث بکل حشیش. لماهو فیه من التهویش والتشویش وقد کنت من وراء البحار من جیبی ومغیثی وطبیبی ومعهذا ماترکت بحمد الله یوما العمل بقول الاکابر. خذما صفاء دع ماکدر. ثم لما ساعد فی الجدبلثم تراب نعلیه. جددت الارادة. لیکون لماعسی ان یکون اعاده. فلما رجعت اذدرت ظماء واکاد احسب السراب مار. ورانیتنی لاازداد الاحیرة ووحشه وضیقاً ودهشه. کتبت الی جیبی ماوقع من الحال. ونادیت بالبلبا ل۔

یا مرشدی یا موئلی یا مفزعی
یاملجائی فی مبدئی ومعادی
ارحم علّی یا غیاث فلیس لی
کهفی سوی حبکم من زاد
فاز الانام بکم وانی هائم
فانظر الّی برحمته یا هاد

یاسید الله شیئاً اله
انتم لی المجدی وانی جادی

فعذرنی ونصرنی وقال حبا وکرامه. واقامنی علی ساحلی السلامه فترنمت شوقاً وتبینت ذوقا ۔

دوش وقت سحر ازغصه نجاتم دادند
واندراں ظلمة شب آب حیاتم دادند
کیمیا ئیست عجب بندگی پیر مغاں
خاك او گشتم وچندیں درجاتم دادند

ـــہ

قد لسعت حیة الهوی کبدی
فلا طبیب لها ولا راقی
الا الجیب الذی شغفت به
فعنده رقیتی وتریاق

وانی واللّٰه قد رضیت باللّٰه رباو بالاسلام دنیا وبحمد بنیاد بشیخی امداد اللّٰه للعالمین مرشد اولیا وبکم یا مولٰینا ها دیا مهدیا فهذ الذی ذکر کان من خبری وحقیقت امری فیا اللّٰه هو عین الصدق. ومحض الحق ماکان فیه من کذب ولا شعر. ولا خداع ولا سحر فیا سیدی للّٰه ان تقبلوا عذری تخلقکم العظیم. ولا تصغوا الی کل هماز لماز مشاء بنمیم. ولا تخرجو فی من الجماعه. فانی ارجوان اکرن معکم یوم تاتی الساعة لکن لا تطیق همتی ان اتابد بالمخالفة مع الاعلان. عسی ان یکون من اللّٰه تعالیٰ بمکان. فایذاؤه یوجب الهوان والخسران فانی احبه من فرقة اهل الملامه ولکن لیس بمنصب الامامة. نعم التزمت علی نفسی انکار طریق یخاف السنته والکتاب. علی راس المنبر وبطن المحراب وان من مصلحتی ان یکتم هذا السر. سلا تلحقنی الضر والشر. وهو المامول من جنابکم ومن قاری کتابکم. ولعل اللّٰه یحدث بعد ذلك امرا. ویکون هذاالسر جهر ا. وها انا قد اشتد الانتظار منی. ان تشبرونی برضاکم عنی. رضی اللّٰه عناد عنکم وعن جمیع المسلمین بحق سیدنا محمد ﷺ ابد الآبدین. ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۱۴ ہجری

جواب مراسلہ از طرف حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

امابعد حمد الله علی نواله. والصلوٰة علی رسوله محمد وآله. فقد وصلت صحیفتکم الی. وقرات رقیمتکم علی. حتیٰ تبینت معذرتکم لدی. فحبالکم ان اجبتم طریق السنته ولا شقاق بنینا. بعد ذلك ولا ظنه غیرانی اسمع منکم ترتکبون اموراً هی عندی بدعته. ولعلکم لم تظنو ها داخلة فی تلك الشرعه. لکن هذا من شلکم بعید. ولیس المعرض عن سبل الاسلاف برشید. واما باورة البیعة ثم التدارك عنها بالرجعة. فما احمد هذا العود واحسن لو لا انتم تبتم سرا داثیم الزنب بالعن . مع ان التوبته علی حسب الجوبته. کیف وانتم ممن یقتدی به فی دیارة حتی ان بیعتکم هذه زادته بهجة فی امصاره. وقد قال النبیا. من سن سنته حسنته فله اجرهاوا جرمن عمل بها الی یوم القیامت ومن سن سنته سنیته فعلیه وزرها ووزر من عمل بها الی یوم القیمته وقال ومن وقر صاحب بدعة فقدا عان علے هدم الدین فاخاف ان یول الیکم وزر هذا التصلیل. هذا وانتم اعلی بکم والله علی مانقول ولیل.

۵۔ ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ

دوسرا مراسلہ از طرف حضرت مولانا تھانوی مدظلہ العالیٰ

بحضور لامع النور مخدوم ومطاع نیاز منداں دامت فیوضہم وبرکاتہم۔ بعد تسلیم خادمانہ عرض ہے والا نامہ ۸۔ ذی الحجہ کو شرف صدور لایا۔ معزز وممتاز فرمایا قلب حزیں کو تسلی ہوئی اب تک اس سوچ میں کہ کیا عرض کروں۔ جواب میں تاخیر ہوئی۔ مگر چونکہ اظہار مرض میں شرم کرنے سے معالجہ بگڑتا ہے۔ اس لئے کچھ عرض کرنا ضروری معلوم ہوا۔ جن دو امروں کی نسبت حضور نے ارشاد فرمایا وہ بہت صحیح اور بجا ہے فی الواقع مجھ کو ان میں ابتلا ہوا۔ اب حضور کے الطاف واخلاق کے وثوق پر دونوں امر کی نسبت بے تکلف اپنے خیالات ظاہر کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ اس میں غور فرما کر جو حکم میری حالت کے مناسب ہو صادر فرمایا جائے۔ خدا کی قسم میں جو کچھ لکھتا ہوں محض استفسارہ واسترشاداً لکھتا ہوں۔ نعوذ باللہ طالبعلمانہ قیل وقال مقصود نہیں اور میں سچے دل سے پکا وعدہ کرتا ہوں کہ بعد حصول شفاء قلب جس طرح حکم ہوگا اس میں ہرگز حیلہ وعذر نہ ہوگا۔ امید ہے کہ میری بے تکلفی کو معاف فرمایا جائے کیونکہ بدون اظہار اپنے فمیع مافی الضمیر کے جواب شافی نہیں ہوتا۔

چند انکه گفتیم غم باطبیباں
درماں نه کردند مسکین غریباں
ماحال دل رابا یار گفتیم
نتواں نهفتن درد از طبیباں

امر اول شرکت بعض مجالس کی الحمدللہ مجھ کو نہ غلو و افراط ہے نہ اس کو موجب قربت سمجھتا ہوں مگر توسع کسی قدر ضرور ہے اور منشا اس توسع کا حضرت قبلہ وکعبہ کا قول وفعل ہے مگر اسکو حجۃ شرعیہ نہیں سمجھتا بلکہ بعد ارشاد اعلیٰ حضرت کے خود بھی میں نے جہاں تک غور کیا اپنے فہم ناقص کے موافق یوں سمجھ میں آیا کہ اصل عمل تو محل کلام نہیں ہے۔ البتہ تقییدات وتخصیصات بلاشبہ محدث میں سو اس کی نسبت یوں خیال میں آیا کہ ان تخصیصات کو اگر قربت وعبادت مقصودہ سمجھ لیا جائے تو بلاشک بدعت ہیں اور اگر محض امور عادیہ مبنی بر مصالح سمجھا جائے تو بدعت نہیں بلکہ مباح ہیں گو مباح بھی بوجہ واسطہ عبادت بن جانے کے لغیرہ عبادت سمجھ لیا جائے چنانچہ بہت سے مباحات کی یہی شان ہے اور میرے فہم ناقص میں تخصیصات ترک اذکار واشغال اسی قبیل سے معلوم ہوئیں جو کہ اہل حق میں بلانکیر جاری ہیں کوئی معتد بہ فرق تامل سے بھی نہ معلوم ہوا ہاں ان تخصیصات کو کوئی مقصود بالذات سمجھنے لگے تو ان کے بدعت ہونے میں کلام نہ ہوگا اس کے ساتھ ایک اور بھی خیال آیا کہ گویا اس صورت میں یہ بدعت اعتقادی نہ ہوگا مگر اس کا اہتمام والتزام بدعت عملی تو ہوگا لیکن خصوصیات طرق ذکر اس میں بھی ہم پلہ معلوم ہوئے۔ تیسرا اور خیال ہوا کہ گو ایسے فہیم آدمی کے حق میں بدعت نہ ہوگا۔ مگر چونکہ عوام کو اس سے شبہ اس کی ضرورت یا قربت کا ہوتا ہے ان کے حفظ عقیدہ کے لئے یہ واجب الاجتناب ہوگا مگر اس کے ساتھ ہی یہ احتمال ان تخصیصات اذکار میں بھی نظر آیا کہ اکثر عوام اس طریق کی خصوصیات کو بہت ضروری سمجھتے ہیں اور علما وعملا ان کا پورا التزام کرتے ہیں مگر ان کا خیال خواص کے فعل میں مؤثر نہیں سمجھا جاتا۔ چوتھا خیال ایک اور پیدا ہوا کہ سب کچھ سہی مگر یہ خصوصیات بعض قواعد اصول فقہ حنفی کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ مگر یہی امر ان خصوصیات اعمال واشغال میں بھی معلوم ہوا بلکہ ذکر جہر وغیرہ تو امام صاحب کے قول کے صریح خلاف ہے۔ مگر باوجود ان سب قصوں کے جب خصوصیات طرق سلوک شائع وذائع ہیں تو اس سے یوں سمجھ میں آیا کہ تخصیص وہی بدعت ہوگی جو عقیدۃً ہو اور التزام بھی وہ بھی ممنوع ہوگا۔ جس کے ترک پر شرعی حیثیت سے ملامت ہو اور عوام کا شبہ خواص کے حق میں اس عمل کو بدعت نہ بنائے گا اور بعض اصول حنفیہ کی مخالفت شرع کی مخالفت نہ سمجھی جائے گی۔ ان خیالات کے ذہن نشین ہونے سے ان خصوصیات کے انکار میں کمی پیدا ہوئی۔ اس کا مرتبہ فروع ومسائل اختلافیہ کا سا آنے لگا۔ مگر اس کے ساتھ ہی نہ کسی دن ان اعمال کی وقعت ذہن میں آئی نہ خود رغبت ہوئی۔ نہ

اوروں کو ترغیب دی۔ بلکہ اگر کبھی اس قسم کا تذکرہ آیا تو یہی کہا گیا کہ اولی یہی ہے کہ خلافیات سے بالکل اجتناب کیا جائے مگر جس جگہ میرا قیام ہے وہاں ان مجالس کی کثرت تھی اور بیشک ان لوگوں کو غلو بھی تھا۔ چنانچہ ابتدائی حالت میں اس انکار پر میرے ساتھ بھی لوگوں نے مخالفت کی مگر میں نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ تین چار ماہ گزرے تھے کہ حجاز کا اول سفر ہوا تو حضرت قبلہ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ اس قدر تشدد انکار مناسب نہیں ہے۔ جہاں نہ ہوتا ہو انکار نہ کرو۔ جہاں نہ ہوتا ہو ایجاد نہ کرو۔ اور اس کے بعد جب میں ہند کو واپس آیا تو طلب کرنے پر شریک ہونے لگا اور یہ عزم رکھا کہ ان لوگوں کے عقائد کی اصلاح کی جائے۔ چنانچہ مختلف مواقع ومجالس میں ہمیشہ اس کے متعلق گفتگو کرتا رہا اور جتنے امور اصل سے زائد تھے سب کا غیر ضروری ہونا اور ان کی ضرورت کے اعتقاد کا بدعت ہونا صاف صاف بیان کرتا رہا۔ حتی کہ اس وقت میری رائے میں ان کا عقیدہ بعض کا عین توسط پر بعض کا قریب توسط کے آپہنچا۔ مگر بوجہ قدامت عادت کے عمل کے ارتفاع کی امید نہیں ہے۔ عدم شرکت میں اس اصلاح کی ہرگز توقع نہ تھی۔ ایک غرض تو شرکت سے میری یہ تھی دوسرے میں نے وہاں دیکھا کہ وعظ میں لوگ کم آتے ہیں اور ان مجالس میں زیادہ اور ہر مذاق اور ہر جنس کے چنانچہ ان مجالس میں مواقع ان کے پند ونصائح اور اصلاح عقائد واعمال کا بخوبی ملا۔ اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں آدمی اپنے عقائد فاسدہ واعمال سیئہ سے تائب وصالح ہوگئے۔ بہت روافض سنی ہوگئے۔ بہت سے سود خوار وشرابی وبے نماز وغیرہم درست ہوگئے۔ غرض اکثر حصہ وعظ ہوتا تھا۔ دوسرا بیان برائے نام۔ تیسرے میں نے دیکھا وہاں بدون شرکت ان مجالس کے کسی طرح قیام ممکن نہیں۔ ذرا انکار کرنے سے وہابی کہہ دیا۔ در پے تذلیل وتوہین زبانی وجسمانی کے ہوگئے اور حیلہ وبہانہ ہر وقت ممکن نہیں۔ یہ تو ممکن ہے اور کرتا بھی ہوں کہ فیصدی نوے موقع پر عذر کر دیا اور دس جگہ شرکت کر لی اور شرکت بھی اس سے کہ ان لوگوں کو ہدایت ہوگی اور یوں خیال ہوتا ہے کہ اگر خود ایک مکروہ کے ارتکاب سے دوسرے مسلمانوں کے فرائض وواجبات کی حفاظت ہو تو اللہ تعالیٰ سے امید تسامح ہے۔ بہرحال وہاں بدون شرکت قیام کرنا قریب بمحال دیکھا اور منظور تھا وہاں رہنا۔ کیونکہ دنیوی منفعت بھی ہے کہ مدرسہ سے تنخواہ ملتی ہے اور بفضلہ تعالیٰ وعظ وغیرہ کے بعد تو لینے کی عادت نہیں ہے۔ باوجود اصرار کے صاف انکار کر دیتا ہوں۔ مگر تنخواہ ضرور لیتا ہوں اور دینی منفعت بھی میرے زعم میں تھی اور اب بھی ہے۔ بلکہ روز افزوں ہے کیونکہ تعلیم وتدریس ووعظ وغیرہ کا سلسلہ جاری ہے۔ ان منافع کی تحصیل کی غرض سے منظور تھا کہ قیام کروں اور بدون شرکت قیام دشوار تھا۔ اس ضرورت سے بھی شرکت اختیار کی۔ لیکن ان سب اسباب وضرورت کے ساتھ بھی اگر کسی دلیل صحیح وصریح سے مجھ کو ثابت ہو جاتا کہ اس کی شرکت موجب ناراضی اللہ ورسول کی ہے تو لاکھ ضرورتیں بھی ہوتیں سب پر خاک ڈالتا۔ بفضلہ تعالیٰ بہت سے منافع مالیہ کو

اسی وجہ سے خیر باد کہہ چکا ہوں۔ تو سیع رائے کے اسباب اوپر معروض ہو چکے ہیں۔ بہر حال میرے خیال میں یہ امور خلاف اولی ضرور ہیں مگر بمصالح دینیہ ان کے فعل میں گنجائش نظر آتی ہے اور عوام کی اصلاح بھی ساتھ ساتھ واجب سمجھتا ہوں اور اپنی وسعت کے موافق کرتا بھی رہتا ہوں اور اس کے ساتھ ایک خیال اور بھی ہوا۔ اور وہ بہت نازک بات ہے۔ وہ یہ کہ اگر یہ شرکت بالکل اللہ اور رسول کی رضاء کے خلاف ہے تو حضرت قبلہ کے صریح ارشاد کی کیا تاویل کی جائے بلکہ اہل علم کے اعتقاد و تعظیم و تعلق وارادت سے عوام کا ایہام ہے۔ اس سے ہنوز پھر کر یہی اطمینان ہوتا ہے کہ شرعاً گنجائش ضرور ہے یہ خلاصہ میرے خیالات وحالات کا تھا اب حضور جیسا ارشاد فرمادیں اگر اس میں بالکل نہیں ہے تو میں آج ہی تعلق ملازمت کو قطع کروں گا۔ رازق حقیقی حق سبحانہٗ تعالیٰ ہے قیامت میں کوئی کام نہ آئے گا مگر اس صورت میں حضرت قبلہ وکعبہ کے ساتھ شرعاً کیا تعلق رکھنا چاہئے اور حضرت کے قول وفعل کو کیا سمجھنا چاہئے اور اگر تھوڑی بہت گنجائش ہو خواہ عموماً یا خاص میری حالت جزی کی مصلحت سے تو اس گنجائش سے تجاوز نہ کیا جائے گا اور اگر اس کے کتمان کا حکم ہوگا تو انشاء اللہ تعالیٰ عمر بھر اس کا انتساب حضور حضرت کی طرف میری زبان وقلم سے نکلے گا غرض جس طرح حضور کا ارشاد ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ بسر وچشم منظور ہوگا اور شاید کچھ شبہ پیدا ہو تو بے تکلف اس کے مکرر پیش کردینے کی اجازت کا خواہاں ہوں۔

امر دوم:

میرے تعلق سے عوام کا معتقد ہو جانا مجھ کو چند بار اس امر میں اندیشہ سخت ہوا مگر جہاں تک میں نے سوچا شاید بمشکل دو تین آدمی ایسے نکلیں گے جن کو اس وجہ سے اعتقاد ہوا اور نہ خود اپنی رائے سے بعض عوام معتقد ہو گئے۔ قبل میرے تعلق کے جن لوگوں کو مجھ سے حسن ظن تھا انہوں نے اس روایت ہی کی تکذیب کی اور جن کو کچھ احتمال سا ہوا بھی سو وہ مجھ سے بدگمان ہوئے۔ ان سے نیک گمان نہیں ہوئے اور زیادہ وہی لوگ معتقد ہیں جن کو عمر بھر بھی مجھ سے کچھ تعلق عمومی یا خصوصی نہیں ہوا۔ اب جہاں تک غور کرتا ہوں بالتعیین عدم قابلیت کے اعلان میں بہت سے مفاسد نظر آتے ہیں۔ اولاً اکثر لوگ اس تعلق کی تکذیب کرتے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے نہ اس کا مشاہدہ کیا نہ معتبر ناقل سے ان کو یہ خبر پہنچی۔ ایک آدھ غیر معتبر آدمی اس کے ناقل ہیں۔ جن کی اکثر لوگ تکذیب کرتے ہیں اور میں نے ہمیشہ اس کا کتمان کیا۔ اگر اعلان رجوع کا کیا جائے تو مرجوع عنی کا اقرار لازم آتا ہے۔ دوسرے چونکہ ان اعلان میں صورۃً ان کی اہانت ہے اس لئے اندیشہ ہے کہ اس میں زیادہ شور وشر پھیل جائے۔ جس کا اثر معلوم نہیں احباب واقارب میں کہاں تک پہنچے اس لئے یوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک خط تو بے تعلقی کی اطلاع کا ان کو لکھ دیا جائے وہ خود اگر اس کا

اظہار کردیں۔ تو اس میں کوئی فتنہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر اظہار کیا جائے گا۔ تو اس عنوان میں میری اہانت کی جائے گی اور فتنہ کا احتمال ان کی اہانت میں ہے اور دوسرے لوگوں کے اطلاع کا یہ طریق ہو کہ تعیین بلا اعلان ہو جائے اور اعلان بلا تعیین خفیۃً اطلاع کردی جائے اور عام مجمع میں بطور قاعدہ کلیہ کے شرائط اہلیت بیعت کے بیان کردیئے جائیں کہ جس شخص میں فلاں فلاں امور پائے جائیں وہ قابل بیعت ہے ورنہ نہیں۔ چنانچہ بندہ نے دونوں امر کا اہتمام کیا ہے اور بھی زیادہ کرنے کا ارادہ ہے۔ چنانچہ گذشتہ جمعہ میں یہ مضمون بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور شرائط بیعت کو بتلا کر تمثیلاً حضور والا کا اسم گرامی بھی بتلادیا کہ جس شیخ کی ایسی شان ہو اس کا غلام بننا چاہئے۔ ورنہ اجتناب چاہئے۔ اس مضمون کو مکرر بھی بیان کرنے کا ارادہ ہے اور خاص طور پر بالتعیین بعض سے کہا جاتا ہے بعض سے کہنا باقی ہے۔ بلکہ یہ فکر ہے کہ جو لوگ اپنی رائے سے بھی معتقد ہو گئے ہیں ان کو بھی جہاں تک قدرت ہو سمجھا دیا جائے۔ چنانچہ بعض مواقع پر کامیابی ہوئی بلکہ یوں خیال ہے کہ خود صاحب تعلق کو بھی بذریعہ خط امور حقہ پہنچائے جائیں اور دعا بھی کی جائے۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح یہ تعلق ستر اہوا ہے قطع تعلق بھی ستر اہو جائے۔ اور جس قدر اس میں جہر و اعلان ہوا ہے قطع تعلق میں بھی جہر و اعلان ہو جائے بلکہ طریق مذکور میں جہر و اعلان کسی قدر زیادہ ہی ہے اس صورت میں مقصود بھی حاصل ہو جائے گا اور فتنہ بھی نہ ہوگا۔ ورنہ بہت سے خلجانات معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر شرعاً یہ طریق کافی نہ ہو اور مشاق ومتاعب کا برداشت کرنا ضروری ہو تو بفضلہ تعالیٰ اللہ ورسول کی تحصیل رضا میں مجھ کو یہ سب کچھ گوارا ہے اگر اللہ ورسول ناراض رہے تو جان ومال وآبرو کو کیا چولھے میں ڈالوں گا۔

احقر نے بلا تکلف اپنا مافی الضمیر پورا پورا حضور میں عرض کردیا۔ اب حضور ان مضامین میں اور میرے مصالح دینیہ واخرویہ میں خوب غور فرما کر ارشاد فرمادیں۔ میں ہندوستان میں بجز حضور والا کے کسی عالم یا درویش پر اطمینان کامل نہیں رکھتا۔ نہ کسی کو اپنا خیر خواہ سمجھتا ہوں۔ نہ کسی سے اس قدر عقیدت ومحبت وعظمت ہے۔ حضور کی تحقیق کو اوروں کے لطف پر ترجیح دیتا ہوں۔ گو ان امور کا عرض کرنا گستاخی سے خالی نہیں مگر اللہ جانے ولولہ قلبی اس عرض کا باعث ہے۔ آج کل بحصول رخصت وطن میں ہوں۔ بوجہ حجاب اور نیز بایں خیال کہ مشافہۃً اس قدر انبساط ممکن نہ تھا حاضری سے قاصر رہا۔ ۲۲۔ کو اپنے مدرسہ چلا جانے کا ارادہ ہے۔ اگر ۱۹۔ کو بھی جواب تحریر فرمایا جائے تو یہاں مل سکتا ہے ورنہ مدرسہ میں۔ اب آخر عرض ہے کہ اگر کوئی مضمون خلاف مزاج والا ہوا ہو تو معاف فرمایا جائے۔ دوسرے توقف جواب سے شاید حضور کو انتظار کی تکلیف ہوئی اس کو عفو فرمایا جائے۔

زیادہ آداب والسلام خیر ختام فقط ۱۳۔ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

جواب مراسلہ دوم از حضرت مولانا گنگوہیؒ

از بندہ رشید احمد گنگوہی عفا عنہ۔ بعنایت فرمائے بندہ مولوی محمد اشرف علی صاحب دام مجدہم بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند۔ آپ کا عنایت نامہ بجواب نیاز نامہ بندہ کے پہنچا۔ اس وقت میرے پاس کوئی سنانے والا نہ تھا اور ہر کسی کو اس کا دکھانا مناسب نہ جانا۔ بعد مدت کے مولوی محمد صدیق گنگوہی گڑھی سے یہاں آئے اس خط کے سرنامہ کو دیکھ کر انہوں نے اس کے دیکھنے کی خواہش کی چونکہ وہ بھی محرم راز تھے ان سے بندہ نے پڑھوا کر سنا مگر موقع جواب کا اس وقت نہ ملا۔ بانتظاری مولوی محمد یحییٰ صاحب کے کہ وہ اس وقت اپنے گھر گئے ہوئے تھے اس خط کو اٹھا رکھا۔ جب وہ گنگوہ آئے تو آج دوسری محرم کو اس کا جواب لکھواتا ہوں۔

مکرما امر اول کے باب میں آپ کو جو کچھ اشتباہ واقع ہوا ہے وہ دو امر ہیں۔ امر اول اشغال طرق مشائخ علیہم الرضوان۔ امر ثانی اشارہ جناب مرشد ظال بقاءہ و لہٰذا ہر دو امر کے باب میں بندہ کچھ لکھتا ہے سو آپ بغور ملاحظہ کریں کہ اشغال مشائخ کی قیود و تخصیصات جو کچھ ہیں وہ اصل سے بدعت ہی نہیں۔ اس کو مقیس علیہ ٹھہرانا سخت حیرانی کا موجب ہے خاص کر تم جیسے فہمیدہ آدمی سے۔ کیونکہ تحصیل نسبت اور توجہ الی اللہ مامور من اللہ تعالیٰ ہے۔ اگرچہ یہ کلی مشکک ہے کہ ادنیٰ اس کا فرض اور اعلیٰ اس کا مندوب اور صدہا آیات و احادیث سے مامور ہونا اس کا ثابت ہے اور طرح طرح کے طرق و اوضاع سے اس کو رسول اللہ ﷺ نے بلکہ خاص حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ گویا ساری شریعت اجمالاً وہ ہی ہے کہ جس کا بسط بوجہ طول ناممکن ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ہر آیت و ہر حدیث سے وہ ہی ثابت ہوتا ہے۔

پس جس چیز کا مامور بہ ہونا اس درجہ کو ثابت ہے۔ اس کی تحصیل کے واسطے جو طریقہ مشخص کیا جاوے گا وہ بھی مامور بہ ہوگا اور ہر زمانہ و ہر وقت میں بعض موکد ہو جائے گا اور بعض غیر موکد۔ لہٰذا ایک زمانہ میں صوم و صلوٰۃ و قرآن و اذکار، مذکورۃ احادیث اس مامور بہ کی تحصیل کے واسطے کافی و وافی تھے۔ اس زمانہ میں یہ اشغال بایں قیود اگرچہ جائز تھے مگر ان کی حاجت نہ تھی۔ بعد چند طبقات کے جو رنگ نسبت کا دوسری طرح پر بدلا اور طبائع اس اہل طبقہ کے سبب بعد زمانہ خیریت نشان کے دوسرے ڈھنگ پر آ گئیں تو یہ اوراد اس زمانہ کے اگرچہ تحصیل مقصود کر سکتے تھے مگر بدقت و دشواری لہٰذا اطبیان باطن نے کچھ اس میں قیود بڑھائیں اور کمی و زیادتی اذکار کی کی۔ گویا کہ حصول مقصود ان قیود پر موقوف ہو گیا تھا۔ لہٰذا ایجاد بدعت نہ ہوا بلکہ اگر کوئی ضروری کہہ دے تو بجا ہے۔ کیونکہ حصول مقصود بغیر اس کے دشوار ہوا اور وہ مقصود مامور بہ تھا۔ اس کا حاصل کرنا بمرتبہ خود ضروری تھا۔ پس گویا قیود مامور بہ ہوئیں۔ نہ بدعت بعد اس کے دوسرے طبقہ میں اسی

طرح دوسرا رنگ بدلا اور وہاں بھی دوبارہ تجدید کی حاجت ہوئی۔ ثم و ثم۔ جیسا کہ طبیب موسم سرما میں ایک علاج کرتا ہے کہ وہ علاج موسم گرما میں مفید نہیں ہوتا۔ بلکہ حصول صحت کو بعض اوقات مضر ہو جاتا ہے اور باعتبار اختلاف زمانہ کے تدبیر علاج اول دوسرے وقت میں بدل جاتی ہے۔ جو معالجات کہ سو برس پہلے ہمارے ملک کے تھے اور جو مطب کہ کتب سابقین میں لکھے ہوئے ہیں اب ہرگز وہ کافی نہیں۔ انکا بدل ڈالنا کتب طب کے اصل قواعد کے موافق ہے۔ اگرچہ علاج جزوی کے مخالف ہو۔ پس اس کو فی الحقیقت ایجاد نہ کہا جائے گا۔ بلکہ تعمیل اصل اصول کی قرار دی جائے گی۔

دوسری نظیر اعلاء کلمۃ اللہ ہے جس کو جہاد کہتے ہیں۔ بتامل دیکھو کہ طبقہ اولیٰ میں تیر اور نیزہ اور سیف بلکہ پتھر بھی کافی تھا۔ ملاحظہ احادیث سے آپ کو معلوم ہے اور اس زمانہ میں استعمال ان آلات کا سراسر مضر اور ایجاد توپ اور بندوق اور تارپیڈو کا واجب ہو گیا۔ کیونکہ تحصیل اعلاء کلمۃ اللہ بدوں اس کے محال۔ اب ان ایجادات کو نہ کوئی بدعت کہہ سکے اور نہ تشبہ بکفار کہہ کر حرام بتا سکے۔ بلکہ اس کو فرض اور واجب اور مامور بہ کہنا ہوگا کیونکہ تحصیل مقصود اس پر موقوف سی ہو گئی ہے۔ پس یہ بھی مامور بہ ہو گیا۔ علیٰ ہذا القیاس اشغال کا حال ہے۔ میں تعجب کرتا ہوں کہ آپ نے اشغال کو کیسے مقیس علیہ بنا لیا۔ اس واسطے کہ مقیس علیہ ضروری اور مامور بہ اور مقیس نہایت سے نہایت مباح اور کسی وجہ سے موقوف علیہ کسی ہر مندوب کا بھی نہیں بلکہ بعض امور اس میں حرام اور مکروہ پھر اس کو اس پر قیاس کرنا آپ جیسے آدمی سے کس طرح موجب حیرانی نہ ہو۔ لہٰذا اس آپ کے قیاس کو اس پر حمل کیا جائے کہ آپ نے بدعت کے مفہوم کو ہنوز سمجھا ہی نہیں۔ کاش ایضاح الحق الصریح آپ دیکھ لیتے یا براہین قاطعہ کو ملاحظہ فرماتے پایہ کہ تسویل نفس و شیطان ہوئی اس پر آپ بدوں غور عامل ہو گئے۔ اب امید کرتا ہوں کہ اگر آپ غور فرمائیں گے تو اپنی غلطی پر مطلع و متنبہ ہو جائیں گے۔

اور امر ثانی کے باب میں اگرچہ سر دست آپ کو بوجہ فرط عقیدت و محبت کے ناگوار گزرے اور اس بندہ کو گستاخ و بے ادب تصور کرو مگر حق کہہ دینے سے مجھے یہ امر مانع نہیں وہ یہ ہے کہ بندہ جو حضرت شیخ سے بیعت ہوا ہے اور جتنے اہل علم ذی فہم قدیم سے بیعت ہوتے رہتے تھے اور ہوتے رہے ہیں تو باوجود علم غیر عالم سے جو بیعت ہوئے تو اس خیال سے بیعت ہوئے اور ہوتے ہیں کہ جو کچھ استادوں سے کتب دینیہ میں انہوں نے پڑھا اور علم حاصل کیا کسی شیخ عارف سے اس علم کو علم الیقین بنا لیں تاکہ عمل کرنا نفس کو اس علم پر سہل ہو جائے اور معلوم و مشہود بن جائے۔ علیٰ حسب استعداد اس واسطے کوئی بیعت نہیں ہوا اور ہوتا کہ جو کچھ ہم نے پڑھا ہے اس کے صحت و سقم کو کسی شیخ غیر عالم سے پڑتال لیں اور احکام مختلفہ قرآن و حدیث کو اس کے قول سے

مطابق کرلیں۔ کہ جس کو وہ غلط فرمادیں اس کو آپ غلط مان لیں اور جس کو صحیح کہیں اس کو صحیح رکھیں۔ کہ یہ خیال سراسر باطل ہے۔ پس اگر کسی کا شیخ کوئی امر خلاف امر شرع کے فرمادے گا تو اس کا تسلیم کرنا جائز نہ ہوگا۔ بلکہ خود شیخ کو ہدایت کرنا مرید پر واجب ہوگا۔ کیونکہ ہر دو کا حق ہر دو پر ہے۔ اور شیوخ معصوم نہیں ہوتے اور جب تک شیخ کسی مسئلہ کو جو بظاہر خلاف شروع ہو بدلائل شرعیہ قطعیہ ذہن نشین نہ کردے مرید کو اس کا قبول کرنا ہرگز روا نہیں۔ اس کی نظیریں احادیث سے بکثرت ملتی ہیں۔ ایک نظیر بیان کرتا ہوں اس پر غور کیجئے۔

جب واقعہ مسیلمہ میں قراء بہت شہید ہوگئے اور حضرت عمر ؓ کو اندیشہ ذہاب کثیر من القرآن کا ہوا انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے بعد مباحثہ بسیار قول حضرت عمر ؓ کو قبول فرمایا اور اس کا استحسان ان کے ذہن نشین ہوگیا اور دونوں کی رائے متفق ہوگئی اور سنیت بلکہ وجوب مقرر ہوگیا اور پھر زید بن ثابت ؓ کو اس امر کے واسطے فرمایا تو باوجود اس بات کے کہ شیخین ؓ زید بن ثابت ؓ سے علم وفضل میں بہت زیادہ تھے اور صحبت ان کی بہ نسبت زید کے طویل تھی اور ان کے باب میں حکم عام شارع ﷺ سے ہو چکا تھا کہ اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر رواہ البخاری۔ معہذا زید نے چونکہ اس امر کو محدث سمجھا تو یہی فرمایا کیف تفعلون شیئا لم یفعلہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے کہنے کو ہرگز تسلیم نہ کیا۔ کیونکہ ایجاد بدعت ان کے نزدیک سخت معیوب تھا اور شیخین کو معصوم نہ جانتے تھے۔ لہٰذا مناظرہ شروع کردیا۔ مگر جس وقت شیخین نے ان کو سمجھا دیا اور سنیت اس فعل کی زید کو ثابت ہوگئی تو اس وقت بدل وجان قبول کر کر اس کی تعمیل میں مصروف ہوگئے۔ بخاری کو تم نے خود پڑھا پڑھایا اور دیکھا ہے زیادہ کیا لکھوں۔

پس ایسا بدست شیخ ہو جانا کہ مامور ومنہی کی کچھ تمیز نہ رہے یہ اہل علم کا کام نہیں۔ لا طاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق یہ امر بھی عام ہے، اس سے کوئی مخصوص نہیں اور اگر کسی عالم نے اس کے خلاف کیا ہے تو بسبب فرط محبت کے اور جنون عشقیہ کے کیا ہے۔ سو وہ قابل اعتبار کے نہیں۔ اور ہم لوگ اپنے آپ کو اس درجہ کا نہیں سمجھتے۔

بمی سجادہ رنگین کن اگر پیر مغاں گوید

انہیں لوگوں کی شان میں ہے اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ کہ مجلس سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ سے مجتنب رہتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ فعل مشائخ سنت نباشد آپ نے سنا ہوگا اور حضرت سلطان المشائخ کا اس پر فرمانا کہ نصیر الدین درست کہتا ہے تصدیق تحریر بندہ کی کرتا ہے وہ امر بہت باریک جو آپ نے لکھا ہے اس کے جواب میں اسی قدر کافی ہے اسی واسطے مشائخ اپنے مریدین علماء سے مسائل دین کی تحقیق کرتے رہتے تھے اور کرتے

رہے ہیں اور اپنی معلومات مخالفہ سے تائب ہو جاتے تھے چنانچہ حضرت نے غذائے روح میں قصہ اس عارف کا جو غار میں رہتا تھا اور تکیہ موم کی آنکھ میں اور بتی نجاست کی ناک میں رکھتا تھا لکھا ہے کہ انہوں نے مرید کے اس کہنے سے کہ اس صورت میں نماز نہیں ہوتی اپنی نمازوں کا اعادہ کیا اور اس مسئلہ کو قبول کیا اور خود بندہ کو یہ واقعات پیش آئے ہیں کہ جناب حضرات جناب حاجی صاحب وجناب حافظ صاحب جو پہلے سے مولوی شیخ محمد صاحب سے مسائل دریافت کر کر ان پر عامل تھے بندہ کے کہنے سے کتنے مسائل کے تارک ہوگئے اور واللہ کہ حافظ صاحب نے یہ کلمہ میرے سامنے فرمایا کہ ہم کو بہت سے مسائل میں ہمیشہ دھوکا رہا۔

پس چونکہ ابتدائے صحبت سے خود کردہ ایسی عادات کا ہے اور فرط محبت وعقیدت سے عاری حضرت کے ارشاد کو جو بسبب تصدیق کرنے قول بعض مریدین بدفہم یا کم فہم کے اور مریدین خود غرض بدنام کنندہ پیران کے بحسن ظن خود صحیح سمجھ گئے ہیں سردست قبول نہیں کرتا بلکہ حضرت کو معذور جان کر خطاب سے بری سمجھتا ہوں قال علیہ الصلوٰۃ والسلام من افتی بغیر علم فاثمہ علی من افتاہ لہٰذا حضرت کو معذور بری جان کر ان خود غرضوں کو آثم اور ضال ومضل ومکتسب اشد دنیو بیدر پردہ دین یقین کرتا ہوں اور واللہ باللہ کہ تم پر خاصۃً ہرگز مجھے یہ گمان نہیں ہے جبکہ تم کو جو کچھ پیش آیا ہے بفرط عقیدہ واقع ہوا ہے میں تم کو بھی اس امر میں معذور سمجھتا ہوں اور تمہارے واسطے دعائے خیر کرتا ہوں اگرچہ میں تمہارا شاکی بھی ہوں مگر یہ شکوہ میرا بوجہ محبت کے ہے کیونکہ شکوہ اپنوں کا ہی ہوتا ہے غیروں سے کسی کو شکوہ نہیں ہوتا۔ امر اول کا جواب تمام ہو چکا۔

امر ثانی کے باب میں جو کچھ آپ نے تدبیریں لکھیں ہیں اس میں بندہ کچھ دخل نہیں دیتا جس طرح مناسب جانو اور مصلحت سمجھو اس کی تدبیر کرو غرض خلق خدا کو مبتدع کے پنجہ سے چھڑانا منظور ہے، جس طرح حاصل ہو اور جو تشدد کہ موجب فساد ہو اس سے بچنا مناسب ہے۔

اس مرتبہ کے مواعظ وبیانات آپ کے جو تھانہ بھون ہوئے ان کو سن سن کر بندہ بہت خوش ہوا اور تمہارے واسطے دعا خیر کرتا ہوں۔ فقط۔

اس تحریر میں اگر کوئی آپ کو شبہ ہو تو اس کے اظہار کی اجازت ہے ہرگز شرم نہ کریں۔ بندہ ہرگز ناخوش نہ ہوگا۔ اگر مجھ سے کوئی خطا ہوئی گی تو بشرط فہم اس کے قبول کرنے میں دریغ نہ ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ۵۔ محرم الحرام

تیسرا مراسلہ از مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ العالی

از کمترین خدام محمد اشرف علی۔ بعالی خدمت سراپا برکت دستگیر درماندگاں رہنمائے راہ گم گشتگان حضرت مولانا الحاج الحافظ المولوی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم۔ بعد تسلیم نیاز

خادمانہ التماس ہے والا نامہ عین انتظار میں شرف صدور لایا۔ حضور نے جو اس نادان ناکارہ کی دستگیری فرمائی اگر ہر بن مو سے اس کا شکر ادا کروں تو محال ہے۔ پس بجز اس کے کیا عرض کروں ؎

شکر نعمہائے تو چند انکہ نعمہائے تو

بالخصوص کلمات محبت و شفقت آمیز سے جو کچھ مسرت و طمانیت ہوئی شاید عمر بھر بھی کبھی مجھ کو میسر نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ حضور کی ذات اقدس کو بایں افادہ ہم نیاز مندوں کے سر پر سلامت رکھے۔ چونکہ حضور کے دربار سے مکرر استفسار کی اجازت ہوئی اس لئے بہت ادب سے پھر اپنے بعض خیالات بغرض استفادہ عرض کرتا ہوں۔ امر اول میں ارشاد عالی اچھی طرح سمجھ میں آ گیا۔ مگر ابھی اسقدر شبہ باقی ہے کہ مقیس کو اگر ذریعہ حصول ایک امر مامور بہ کہا جائے تو ممکن ہے۔ یعنی رسول خدا ﷺ کا ذکر شریف کرنا اور آپ کی محبت و عظمت کا دل میں جگہ دینا ضرور مامور بہ ہے زمان سابق میں بوجہ شدت ولہ وولع خود جا بجا چرچا بھی رہتا تھا اور عظمت و محبت سے قلوب بھی لبریز تھے۔ بعد چندے لوگوں کو ذہول ہوا محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاق و شمائل و معجزات و فضائل جداگانہ مدون کیے تا کہ اس کے مطالعہ سے وہ غرض حاصل ہو۔ پھر یہی مضامین ہیئت اجتماعیہ منابر پر بیان کیے جانے لگے۔ پھر اہل ذوق نے اور کچھ قیود و تخصیصات جن میں بعض سے سہولت عمل مقصود تھی۔ بعض سے ترغیب سامعین بعض سے اظہار فرح و سرور بعض سے توقیر و تعظیم اس ذکر و صاحب ذکر کی منظور تھی، بڑھائی۔ مگر مطمح نظر وہی حصول حب و تعظیم نبوی ﷺ رہا۔ گو کہ حصول حب و عظمت کا توقف اس ہیئت خاصہ پر بمعنی لولاہ لامتنع عقلاً ثابت نہیں۔ مگر یہ توقف مقیس علیہ میں بھی نہیں۔ وہاں بھی توقف بمعنی ترتب ہے یا لولاہ لامتنع عادۃً سو اس کی گنجائش مقیس میں بھی ہے کیونکہ ترتب تو ظاہر ہے اور عند التامل امتناع عادی ہی ہے۔ گو اس قدر فرق بھی ہے کہ یہ امتناع مقیس علیہ میں باعتبار اکثر طبائع کے ہے اور مقیس میں باعتبار بعض طبائع کے۔ چنانچہ دیار و امصار شرقیہ میں بوجہ غلبہ الحاد و دہریت یا کثرت جہل و غفلت یہ حال ہے۔ کہ وعظ کے نام سے کوسوں بھاگتے ہیں اور ان محافل میں یا بوجاہت میزبان یا اور کسی وجہ سے آ کر فضائل و شمائل نبویہ اور اس ضمن میں عقاید و مسائل شرعیہ سن لیتے ہیں۔ اس ذریعہ سے میرے مشاہدہ میں بہت لوگ راہ حق پر آ گئے۔ ورنہ شاید عمر گزر جاتی کہ کبھی اسلام کے اصول و فروع ان کے کان میں بھی نہ پڑتے۔ اور اگر توقف سے قطع نظر کیا جائے تب بھی ترتب یقیناً ثابت ہے۔ سو جواز کے لئے یہ بھی کافی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور کا ارشاد ہے کہ اس زمانہ میں یہ اشغال بایں قیود اگرچہ جائز تھے مگر ان کی حاجت نہ تھی۔ انتہیٰ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز ذریعہ تحصیل مامور بہ کا ہو خواہ وہ محتاج الیہ ہو یا نہ ہو جائز ہے۔ سو ذریعہ ہونا اس کا تو بہت ظاہر ہے۔ سامعین کے قلوب اس وقت آپ کے احترام و عظمت و شوق و عشق و ادب و توقیر سے مملو مشحون ضرور نظر آتے ہیں۔ البتہ اس میں

جو امور مکروہ و حرام مخلوط ہو گئے ہیں وہ واجب الترک ہیں۔ چنانچہ احقر ہمیشہ سے اس میں ساعی ہے اور رہا۔ بعض اصلاحیں جو کئی ماہ وعظ میں تفصیلاً بیان کی گئی تھیں بعض لوگوں نے اختصار کے ساتھ اسے چھاپ کر شائع بھی کر دیا تھا ملاحظہ کے لئے مرسل ہیں۔

بفضلہ تعالیٰ سب نے اس کو تسلیم کیا اور اکثروں نے عمل بھی کیا سو ایسے امور مکروہہ مقیس علیہ میں بھی بہت سے شامل ہو گئے ہیں۔ جن کی اصلاح واجب ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کے متعلق بھی ایک رسالہ عنقریب لکھ کر حضور ملاحظہ میں بنظر اصلاح پیش کروں گا۔ دعا کا امیدوار ہوں۔ کیونکہ جہلاء صوفیہ کے سبب زندقہ کی بہت ترقی ہو رہی ہے۔ سو اب تک مقیس و مقیس علیہ میں اچھی طرح سے فرق سمجھ میں نہیں آیا۔ براہین میں بدعت کی تعریف دیکھ لی وہ ماشاء اللہ تعالیٰ بالکل مقبول و صحیح ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ تمام معروضات میں وہ پیش نظر رہا کرے گا۔

دوسرا امر جو متعلق اتباع شیوخ کے ارشاد ہوا ہے الحمد للہ کہ میرا اعتقاد کبھی اس کے برخلاف نہیں ہوا۔ امر ناجائز شیخ کے فرمانے سے بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق پر ایمان و ایقان ہے۔ مگر اتنا ضرور میرے خیال میں ہے کہ اگر مختلف فیہ مسئلہ میں شیخ کامل کسی شق کا حکم کریں اس کا اتباع اقل درجہ جائز ہے۔ تین شرط سے اول یہ کہ اس مسئلہ میں دلائل و قواعد شرعیہ سے اختلاف کی گنجائش ہو۔ دوسرے یہ کہ شیخ گو عالم اصطلاحی نہ ہو مگر نورانیت قلب و شرح صدر و سلامت فہم رکھتا ہو۔ جس سے یہ توقع ہو کہ اس میں ایک شق کے ترجیح دینے کی قابلیت ہے بالخصوص جبکہ شیخ پر مسئلہ کے متعلق دونوں حکم متعارض پیش کیے جائیں۔ اور دلائل جانبین کے بھی ذکر کر دیے جائیں اور پھر وہ ایک شق کو ترجیح دیں۔ تیسرے یہ کہ مرید کو بھی خواہ دلیل سے یا تصرف شیخ سے شرح صدر ہو جائے سو احقر کے نزدیک مسئلہ متکلم فیہا میں یہ سب امور موجود ہیں۔ یعنی بوجہ اس کے کہ ایک جم غفیر اس کے جواز کی طرف گئے ہیں۔ مختلف فیہ و مجتہد فیہ معلوم ہوتا ہے اور حضرت شیخ مدظلہ کے فہم میں اس قدر قوت ضرور سمجھ رہا ہوں۔ کہ قولین متعارضین کے پیش ہونے کے بعد ایک جانب کو ترجیح دے سکیں اور مجوزین سے حضرت صاحب مدظلہ کو گو حسن ظن ہے مگر میں تو خود مشاہدہ کر آیا ہوں کہ ان میں سے کوئی بھی حضرت شیخ کی نظر میں خدام والا کی برابر مقبول و منظور و مبصر و محقق نہیں۔ بارہا اس قسم کے تذکرے آئے حضرت صاحب خدام والا کی نسبت "نعمت عظمیٰ و غنیمت کبریٰ اور ہندوستان میں عدیم النظیر وغیرہ وغیرہ الفاظ ارشاد فرماتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ خدام والا کے جمیع احکام و فتاویٰ محض للّٰہیت پر مبنی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کو خود اس مسئلہ میں شرح صدر ہے اور اس کو باصرار فرماتے ہیں اور دوسرے قول پر انکار بھی نہیں فرماتے ہیں اور مخاطب کو حضرت کے ارشاد سے اطمینان بھی ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اتباع کو اب تک جائز سمجھا ہوا ہوں۔ یہ اظہار تھا مافی الضمیر کا۔ احقر نے بہت کوشش کی ہے کہ تمام

عریضہ میں مناظرہ کا رنگ نہ آنے پائے محض استفادہ واستشارہ مقصود ہے۔ شاید بلا قصد کہیں ایسا ہوگیا ہو تو حضور کے مکارم اخلاق اور مراحم اشفاق سے امید ہے کہ انما الاعمال بالنیات، (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) پر نظر فرما کر معاف فرمایا جائے۔ حضور نے جو محبت کے ساتھ شکوہ فرمایا ہے اس پر اسی قدر مسرور ہوں جیسے کہ بنی سلمہ و بنی حارثہ آیۃ واذھمت طائفتان منکم ان تفشلا واللہ ولیھما کے نزول پر۔ اللہ تعالیٰ حضور کی برکت سے ہم بے راہوں کو راہ پر لگا دے۔ انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے باب میں خصوصاً وعموماً سعی کی جائے گی۔ دعا سے مدد فرمائیے۔ مواعظ پر حضور نے اپنی خوشنودی کا مژدہ ارشاد فرمایا میں سچ عرض کرتا ہوں کہ حضور کی رضاء کو دلیل قبول وسیلہ نجات سمجھتا ہوں۔ خدا کرے صدور خطا پر بھی حضور ہم خدام سے کبھی ناخوش نہ ہوں۔ بلکہ تنبیہ فرمادیں۔ بخدمت جناب کاتب صاحب کہ غالباً مولوی محمد یحییٰ صاحب ہیں سلام شوق قبول ہو۔ اگر کوئی اور صاحب ہوں تو اسم گرامی سے مطلع فرمائیں۔ میں خط نہیں پہچان سکا۔ باقی خیریت ہے۔ والسلام مع الاکرام۔ از کانپور محرم الحرام یوم الخمیس ۱۳۱۵ ہجری۔

جواب مراسلہ سوم از طرف حضرت مولانا گنگوہی مدظلہ العالی:

از بندہ رشید احمد عفی عنہ۔ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند۔ آپ کا خط آیا آپ نے جو شبہ مساواۃ مقیس ومقیس علیہ میں لکھا ہے موجب تعجب ہے مگر بمقتضائے حبک الشیٔ یعمی ویصم ایسے شبہات کا درود عجب نہیں۔ بغور دیکھو کہ مقیس علیہ خود ذکر ہے۔ کہ مطلق ذکر مامور بہ کا فرد ہے اور اس کے ملاحظہ وہیات یا ذکر ہیں یا وہ امور ہیں کہ نص سے ان کی اصل ثابت ہے۔ پس وہ ملحق بالسنہ ہیں اور بضرورت موقوف علیہ مقصود کے تخصیص اور تعیین ان کی کی گئی اور عوام تو کیا خواص میں بھی صدہا میں معدود شخص عامل ہیں۔ لہٰذا عوام کے ضرور سمجھ جانے کا وہاں محل نہیں اور مقیس میں جو قیود مجلس ہیں۔ بعض موہم شرک ہیں اور بعض امور در اصل مباح مگر بسبب اشاعت ہر خاص وعام کے ملوث بہ بدعت ہو کر ممنوع ہوگئے کہ عوام ان کو ضروری بلکہ واجب جانتے ہیں اور مجالس مولود میں جس قدر عوام کو دخل ہے خواص کو نہیں اور یہ قیود مذکورہ غیر مشروعہ موقوف علیہ محبت کے ہرگز نہیں آپ خود معترف ہیں۔

پس اس کو مقیس علیہ کے ساتھ کیا مناسبت اور داعی عوام کو سماع ذکر کی طرف ہونا اس وقت تک جائز ہے کہ کوئی منع شرعی اس کے ساتھ لاحق نہ ہو۔ ورنہ رقص وسرود زیادہ تر داعی ہیں اور روایات موضوعہ زیادہ تر موجب محبت وگمان کی جاتی ہیں۔ پس کون ذی فہم بعلت دعوت عوام ان کا مجوز ہو جائے گا۔ یہ جواب آپ کی تقریر کا ہے کہ سماع ذکر ولادت بحیثیت کذائیہ کو آپ موجب ازدیاد محبت تصور کر رہے ہیں اور بذریعہ غیر مشروع کے تحصیل محبت کی اجازت دیتے ہیں۔ ورنہ فی

الحقیقت جو امر خیر کہ بذریعہ نامشروعہ حاصل ہو وہ خود ناجائز ہے۔ اور جو کچھ بندہ کا مشاہدہ ہے وہ یہ ہے کہ مولود کے سننے والے اور مشغوف مجالس مولود صدہا ہوتے ہیں۔ کہ ان میں ایک بھی سنت کا متبع اور محب نہیں ہوتا اور عمر بھر مولود سننے سے محبت رسول اللہ ﷺ و محبت سنت ذرہ بھر بھی ان کے دل میں پیدا نہیں ہوتی بلکہ بے اعتنائی عبادات اور سنن سے بعد ان کے جی میں آجاتی ہے اور اگر تسلیم کیا جائے کہ آپ کی محفل میلاد خالی ہے۔ جملہ منکرات سے اور کوئی امر نامشروع اس میں نہیں ہے تو دیگر مجالس تمام عالم کی تو سراسر منکر ہیں اور یہ فعل آپ کا ان کے لئے مؤید ہے۔ پس یہ فعل مندوب آپ کا جب مغوی خلق ہوا تو اس کے جواز کا کیسے حکم کیا جائیگا اگر حق تعالیٰ نے نظر انصاف بخشی تو سب واضح ہے ورنہ تاویل وشبہات کو بہت گنجائش ہے۔ مذاہب باطلہ کی اہل حق نے بہت کچھ تردید کی مگر قیامت تک بھی ان کے شبہات تمام نہ ہوں گے۔ فقط

امر ثانی میں سنئے کہ حضرت اعلیٰ کا ارشاد پانچ چھ سال پہلے یہی تھا کہ "نفس ذکر جائز اور قیود بدعت"۔ چنانچہ اس قسم کی تحریرات اب بھی موجود ہیں۔ مگر بعد حضور مجوزین کے جو تحقیق ہوئی ہے۔ خلاصہ اس کا فقط مسئلہ میں آپ نے خود لکھا ہے۔ کہ جناب حضرت مدظلہ مجوزین ومانعین ہر دو کی تصویب فرما رہے ہیں۔ حالانکہ ایک مسئلہ جزئیہ عملیہ جو مجتہدین میں مختلف فیہ ہے عند اللہ حق اس میں ایک ہی ہے اور دوسرا خطا تو کشف سے اگر صاحب کشف حق ایک جانب کو حق جان لیوے تو دوسری جانب کو حق نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ کشفاً ایک ہی حق ہوتا ہے۔ پس دونوں کی تصویب اور ایک کے ترجیح کے کیا معنی۔ سوائے اس کے کہ دونوں جانب علماء تصور فرما کر اس مسئلہ کو مختلف فیہ خیال فرمایا اور اس کو مسئلہ فرعیہ تصور فرمایا۔ حالانکہ یہ مسئلہ اعتقادیہ ہے۔ اگرچہ بادی النظر میں مسئلہ فرعیہ خیال کیا جاتا ہے اور مسئلہ اعتقادیہ میں حق ایک ہی ہوتا ہے۔ ظاہر میں بھی مثل باطن کے اسی واسطے اہل ہوا اگرچہ صدہا علماء ہیں ان کی کثرت پر نظر نہیں ہوتی اور مسئلہ مختلف فیہا نہیں کیا جاتا اور حضرت اعلیٰ وجہ ترجیح کو خود ہی تحریر فرماتے ہیں۔ آپ نے اپنے قلم سے لکھا ہے کہ ان قیود کو بدعت ہی نہیں سمجھا کیونکہ فرماتے ہیں کہ "بدعت وہ ہے کہ غیر دین کو دین میں داخل کیا جائے" اور اس پر حدیث من احدث فی امرنا ہذا الخ کو دلیل لائے ہیں۔ اس سے صاف واضح ہے کہ یہ ترجیح کشفی نہیں ہے۔ باقی یہ بات کہ ترجیح اعلیٰ حضرت کی صحیح نہیں اس کو میں نہیں لکھتا اگرچہ یہ اصل ان کی صحیح ہے۔ مگر اندراج اس جزئیہ کا اس اصل میں صحیح نہیں ہے۔ آپ تامل کریں گے تو واضح ہو جائے گا اور اس مسئلہ کو مختلف فیہا سمجھنا تم سے تعجب ہے کیونکہ وہ مسئلہ مختلف فیہا بظاہر دونوں طرف صواب ہوتا ہے کہ مجتہد مطلق یا مقیدہ یا علماء راسخین ملحق بہم میں مختلف فیہ ہوا اور عوام علماء کا اختلاف مسئلہ کو مجتہد فیہ نہیں بناتا، بلکہ اس میں ایک ہی جانب حق ہوتی ہے کہ جو موافق قانون شریعت کے ہو اور دوسری رائے باطل ہوتی ہے۔ فقط

اور یہ جو کچھ بندہ نے لکھا ہے اگر میں بھی یہ کہنے لگوں کہ میں نے بھی کشفاً اس کو معلوم کر لیا ہے تو بجا ہے مگر میرا منہ اس کلمہ کے کہنے کا نہیں ہے اور چونکہ آپ کو بحسن عقیدہ اس کے خلاف شرح صدر ہوگیا ہے تو امید ہے کہ کسی کا لکھنا یا کہنا آپ کو مفید نہ ہوگا۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ ہم نے اہل مولود میں سے آج تک کسی کو متبع سنت نہیں دیکھا۔ فقط والسلام مؤرخہ ۱۲۔ محرم ۱۳۱۵ھ

چوتھا مراسلہ از مولانا الحافظ الحاج المولوی اشرف علی

صاحب مدت فیوضہٗ:

از احقر خلق محمد اشرف علی عفی عنہٗ۔ بخدمت سراپا برکت حضرت مولانا مقتدانا سیدنا الحافظ الحاج المولوی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم۔ پس از تسلیمات مقرون بالآف التکریم واصناف التعظیم معروض آنکہ والا نامہ موجب اعزاز و افتخار ہوا۔ اپنی کج فہمی پر حضور کے اشفاق کو کہ برابر تفہیم فرماتے ہیں دیکھ کر نہایت شرماتا ہوں اور شرم سے دوبارہ عرض کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ مگر حضور ﷺ کی اجازت پر اس سے پہلے عریضہ میں اپنے شبہات کو پیش کیا تھا۔ لیکن اس والا نامہ کا یہ مضمون (اور چونکہ آپ کو بحسن عقیدہ اس کے خلاف شرح صدر ہوگیا ہے۔ تو امید ہے کہ کسی کی تحریر آپ کو کافی نہ ہوگی) کسی قدر موہم تکدر خاطر خدام والا ہوا اعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسول اللہ وغضب ورثہ۔ رسول اللہ ﷺ اور اسی وجہ سے کچھ عرض کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی کئی روز اسی شش و پنج میں گزر گئے مگر آخر میں یہ رائے ہوئی کہ انما شفاء العی السوال بے عرض کیے ہوئے کیسے دل صاف ہوگا اور یہ خیال ہوا کہ اب تک اس شرم ہی شرم میں شبہات پیدا ہوگئے اگر پہلے سے تھوڑی جرأت کی جاتی تو یہ نوبت کاہے کو آتی۔ اس وجہ سے پھر عرض کرنے کی ہمت ہوئی لیکن اس کے ساتھ ہی یہ التماس ہے کہ اگر میرا عرض کرنا خدام والا کو ذرہ بھر بھی موجب تکدر ہو تو بے تکلف صراحۃً فرما دیا جائے۔ میں انشاء اللہ بلا حجۃ اتباع کروں گا۔ کیونکہ احقر اپنی نسبت حضور سے ایسی سمجھتا ہے کہ جیسے مقلد کی نسبت مجتہد سے اور اگر اجازت ہوگی تو عرض کرسکوں گا احقر قسم کہتا ہے کہ میرے قلب میں تو نہ اس عمل کی محبت ہے نہ اس کے ساتھ شغف بلکہ میں خود اس کے ترک کو افضل و اولیٰ سمجھتا ہوں۔ چنانچہ اسی قسم کے امور کی بناء پر جلسہائے دستار بندی کا اہتمام ترک کر دیا گیا اور اس مضمون کو چھاپ کر شائع بھی کر دیا۔ مگر یہاں کے مجموعی حالات کے مقتضی ایسے ہیں کہ مخالف کرنا سخت دشوار و موجب فتنہ ہے اور اس موقعہ پر ہر قسم کے لوگ مواعظ بھی سن لیتے ہیں۔ منکرات کی اصلاح بھی اس طرح سہل ہے۔ شریک ہو جاتا تھا۔ مگر جب ہی تک کہ اس کو جائز سمجھا جائے اسی واسطے جو شبہات دل میں آئے معروض ہوئے اور ان سے مقصود محض حصول شفا ہے۔ کہ

جس سے مجھ کو بفضلہ تعالیٰ جلدی امید کامیابی کی ہے اور متعصبین کو تو دل سے طلب حق مقصود نہیں ہوتی اس لیے ان کو عمر بھر حق کا پتہ نہیں لگتا۔ میں تو ہر نماز کے بعد دل سے دعا مانگتا ہوں۔ اہدنا الصراط المستقیم الخ ربنا لاتزغ قلوبنا الخ اللہم ارنا الحق حقا الخ تنہائی میں بیٹھ کر سوچا کرتا ہوں کہ حق کیا ہے۔ میرے اختیار میں بجز طلب و توجہ الی اللہ وسوال علماء محققین اور کیا ہے۔ آئندہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے اور تو بہ توبہ میں کیا میرا شرح صدر کیا اور حضور کے جن کمالات کا مجھے اعتقاد ہے ان کے روبرو کشف کیا چیز ہے۔ جس کی تصدیق میں مجھ کو تردد ہو آپ کے ارشاد کو بدل و جان تصدیق کرتا ہوں مگر بمقتضائے حدیث انما شفاء العی السوال" اس وقت پھر کچھ عرض کرتا ہوں۔

امر ثانی میں تو مجھ کو اجمالاً یوں اطمینان و شفاء کامل ہوگئی کہ اعلیٰ حضرت مدظلہم کی معرفت جس قدر حضور کو ہے ہم لوگوں کو قیامت تک بھی نصیب نہ ہوگی۔ اس میں کلام طویل کرنا خدام والا کو پریشان کرنا ہے۔ اب صرف امر اول رہ گیا سو مقیس و مقیس علیہ میں واقعی یہ فرق تو ہے کہ مقیس علیہ کے عامل خواص میں بھی کم ہیں اگرچہ اس وقت مدعیون نے عوام جہلاء میں بھی یہ قصہ پھیلا دیا ہے اور وہ بھی برے عقیدوں کے ساتھ مگر پھر بھی مقیس کی برابر شیوع نہیں اور یہ بات بھی ہے کہ عاملان مقیس میں متبعان سنت کم ہیں۔ اگرچہ اس کی وجہ سو تعلیم بیان کرنے والوں کی ہو مگر خیر کچھ بھی قلت ضرور ہے اور یہ امر بھی یقینی ہے کہ جو امر خیر بذریعہ غیر مشروع حاصل ہو وہ امر خیر نہیں ہے اور جب قیود کا غیر مشروع ہونا ثابت ہو جائے تو اس کا ثمرہ کچھ ہی ہو جائز الحصول نہ ہوگا اور یہ امر بھی ظاہر ہے کہ مجالس منکرہ بکثرت ہوتی ہیں اور منکر کی تائید اگر غیر منکر سے ہو تو وہ بھی سزاوار ترک ہے جبکہ عند الشرع فی نفسہٖ ضروری نہ ہو اب اس وقت دو امر قابل عرض ہیں کہ تقلید مطلق کی آیا مطلقاً ممنوع ہے یا جبکہ اس قید کو مرتبہ مطلق میں سمجھ جائے یعنی اگر مطلق واجب تھا تو قید کو بھی واجب سمجھا جائے اور اگر وہ مندوب و موجب قرب تھا تو قید کو بھی مندوب اور موجب قرب سمجھا جائے در صورت اولیٰ تقییدات عادیہ میں شبہ ہوگا اور صورت ثانیہ میں جب مطلق کو عبادت سمجھا اور قید کو بناءً علی مصلحۃ یا عادت سمجھا جائے تو فی نفسہٖ اس میں قبح نہ ہوگا۔ ہاں اگر مودی بہ فساد عقیدہ عوام ہو تو اس میں قبح لغیرہ ہوگا۔ لیکن اگر اس کا فاعل زبان سے اصلاح عقیدہ عوام کی بالاعلان کرتا رہے اس وقت بھی یہ قبح رہے گا یا نہیں اگر نہ رہے گا فبہا اور اگر رہیگا تو اس صورت میں بعض اعمال ہیں جو عوام میں شائع ہو رہے ہیں اور ظاہراً ان کی عقیدت میں ان کی نسبت غلو و افراط بھی ہے اور خواص کے فعل بلکہ حکم سے اور قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور اس کا وجوب شرعی بھی کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوا اور عوام بلکہ بعض خواص میں اس پر مفاسد بھی مرتب ہو رہے ہیں۔ ایسے اعمال میں شبہ واقع ہوگا مثلاً تقلید شخصی کو عوام میں شائع ہو رہی ہے اور وہ اس کو علماً اور عملاً اس قدر ضروری سمجھتے ہیں کہ تارک تقلید سے گو کہ اس کے تمام عقائد موافق کتاب و سنت کے ہوں اس قدر

بغض ونفرت رکھتے ہیں کہ تارکین صلوٰۃ فساق وفجار سے بھی نہیں رکھتے اور خواص کا عمل وفتویٰ وجوب اس کا مؤید ہے گو خود ان کو علیٰ سبیل الفرض اتنا غلو نہ ہو اور دلیل ثبوت اس کی یہ مشہور ہے کہ ترک تقلید سے مخاصمت ومنازعت ہوتی ہے۔ جو کہ ممنوع ہے سو موری الی الممنوع ممنوع ہوگا۔ پس اس کی ضد واجب ہوگی۔ مگر دیکھا جاتا ہے کہ بوجہ اختلاف آراء علماء وکثرت روایات مذہب واحد معین کے مقلدین میں بھی عوام کیا خواص میں مخاصمت ومنازعت واقع ہے اور غیر مقلدین میں بھی اتفاق واتحاد پایا جاتا ہے۔ غرض اتفاق واختلاف دونوں جگہ ہے اور مفاسد کا ترتب یہ کہ اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں۔ کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے ان کے قلب میں انشراح وانبساط نہیں رہتا۔ بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرت مذہب کے لئے تاویل ضروری سمجھتے ہیں۔ دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کر لیں بعض سنن مختلف فیہا مثلاً آمین بالجہر وغیرہ پر حرب وضرب کی نوبت آجاتی ہے اور قرون ثلثہ میں اس کا شیوع بھی نہ ہوا تھا۔ بلکہ کیفما اتفق جس سے چاہا مسئلہ دریافت کر لیا۔ اگرچہ اس امر پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر مذہب خامس مستحدث کرنا جائز نہیں۔ یعنی جو مسئلہ چاروں مذہبوں کے خلاف ہو اس پر عمل جائز نہیں کہ حق دائرہ ومنحصران چار میں ہے۔ مگر اس پر بھی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اہل ظاہر ہر زمانہ میں رہے اور یہ بھی نہیں کہ سب اہل ہوٰی ہوں وہ اس اتفاق سے علیحدہ رہے دوسرے اگر اجماع ثابت بھی ہو جائے مگر تقلید شخص پر تو کبھی اجماع بھی نہیں ہوا۔ البتہ ایک واقعہ میں تلفیق کرنے کو منع لکھا ہے تا کہ اجماع مرکب کے خلاف نہ ہو جائے۔ باوجود ان سب امور کے تقلید شخصی کا استحسان دوجوب مشہور ومعمول ہے سو اس کا قبح کس طرح مرفوع ہوگا۔ دوسرا امر یہ کہ مسئلہ متکلم فیہا کے اعتقادی ہونے کی کیا صورت ہے۔ بادی النظر میں تو فرعی عملی معلوم ہوتا ہے۔

تتمیم فائدہ کے لئے دو امر کی تحقیق اور منظور ہے کہ تشبہ منہی عنہ کی حد جامع ومانع کیا ہے بعض طرق ریاضت کے مثل حبس دم وغیرہ کے اہل ہند کے اعمال سے ہیں اکثر کھانا اہل ہند کے لباس سے ہے رجعت قہقری کعبہ سے وداع کے وقت اس میں تخصیص بھی ہے اور نسواں اہل ہند اپنے معابد کے ساتھ کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ التزام مالا یلزم اعتقاد وجوب سے ممنوع ہوتا ہے یا بلا ناغہ اس کے استمرار سے بھی تو کسی قدر صلابت واہتمام کے ساتھ التزام ممنوع ہو جاتا ہے۔ صحابی ملتزم قرأت قل ہو اللہ احد" سے "ماحملک علیٰ لزوم ہذہ السورۃ" دریافت فرما کر نہی نہ فرمانا دلیل تقریری جواز لزوم عمل کی معلوم ہوتی ہے ان شبہات کے صاف ہونے کے بعد امید ہے کہ انشاء

اللہ تعالیٰ حضور کو تکلیف دینے کی نوبت نہ آئے گی۔ میں بہت ادب سے اس جرأت کی معافی چاہتا ہوں مگر کیا کروں خدا جانے سب جگہ سے ناامید ہو کر خدام والا سے رجوع کیا ہے اگر حضور بھی ناامید کر دیں گے تو پھر کہاں جاؤں گا پھر شیطان بہکا دے گا کہ اجتہاد کر پھر خرابی ہوگی اللہ تعالیٰ آپ کو بایں فیوض وبرکات سلامت باکرامت رکھے۔ آمین

تازہ خبر حسرت اثر یہ ہے کہ کل مکہ معظمہ سے میرے ایک ملاقاتی کا خط ایک حاجی صاحب لائے ہیں۔ لکھا ہے کہ حافظ حاجی احمد حسین صاحب امین الحجاج ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ کو رحلت فرمائے عالم بقا ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون اللھم ارحمھم رحمۃ واسعۃ۔ نہایت رنج ہے کئی طرح سے اول خود ان کے انتقال کا رنج، دوسرے ان سے حجاج کو کس قدر نفع تھا تیسرے حضرت صاحب کی تنہائی وتشویش کا چوتھے چھوٹے چھوٹے بچوں کا خیال پانچویں خدا کرے رد ودافع میں کوئی قصہ نہ ہو اور اعلیٰ حضرت بفضلہ تعالیٰ خیریت سے ہیں۔ مد اللہ تعالیٰ ظلال فیوضھم زیادہ حد ادب۔ بخدمت مولوی محمد یحییٰ صاحب کاتب خطوط ومولوی صادق الیقین صاحب اگر حاضر ہو گئے ہوں۔ سلام مسنون۔ از کانپور ۱۸ المحرم ۱۳۱۵ھ

جواب مراسلہ چہارم از حضرت گنگوہیؒ:

از بندہ رشید احمد عفی عنہ۔ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند۔ خط آپ کا آیا بظاہر آپ نے جملہ مقدمات محررہ بندہ کو تسلیم کر لیا اور قبول فرما لیا۔ البتہ تقلید شخص کے سبب کچھ تردد آپ کو باقی ہے۔ لہٰذا اس کا جواب لکھواتا ہوں۔ مقید بامر مباح میں اگر مباح اپنی حد سے نہ گزرے یا عوام کو خرابی میں نہ ڈالے تو جائز ہے اور اگر ان دونوں سے کوئی امر واقع ہو جائے تو ناجائز ہوگا۔ اس مقدمہ کو خود تسلیم کرتے ہو اب تقلید کو سنو کہ مطلق تقلید مامور بہ ہے بقولہ تعالیٰ فاسئلو اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون اور بوجہ دیگر نصوص مگر بعد ایک مدت کے تقلید غیر شخصی کے سبب مفاسد پیدا ہوئے کہ آدمی بسبب اس کے لاابالی اپنے دین سے ہو جاتا ہے اور اپنی ہوائے نفسانی کا اتباع اسے گویا لازم ہے اور طعن علماء مجتہدین وصحابہ کرام اس کا ثمرہ ہے۔ ان امور کے سبب باہم نزاع بھی پیدا ہوتا ہے اگر تم بغور دیکھو گے تو یہ سب امور تقلید غیر شخصی کے ثمرات نظر آئیں گے۔ اور اس پر ان کا مرتب ہونا آپ پر واضح ہو جائے گا۔ لہٰذا تقلید غیر شخصی اس بدنظمی کے سبب گویا ممنوع من اللہ تعالیٰ ہوگی۔ پس ایسی حالت میں تقلید شخصی گویا فرض ہوگی۔ اس واسطے کہ تقلید مامور بہ کی دو نوع ہیں۔ شخصی وغیر شخصی اور تقلید بمنزلہ جنس ہے اور مطلق کا وجود خارج میں بدون اپنے کسی فرد کے محال ہے۔

پس جب غیر شخصی حرام ہوئی بوجہ لزوم مفاسد تو اب شخصی معین مامور بہ ہوگی اور جو چیز کہ

خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض ہو اگر اس میں کچھ مفاسد پیدا ہوں اور اس کا حصول بدون اس ایک فرد کے ناممکن ہو تو وہ فرد حرام نہ ہوگا۔ بلکہ ازالہ ان مفاسد کا اس سے واجب ہوگا اور اگر کسی مامور کی ایک نوع میں نقصان ہو اور دوسری نوع سالم اس نقصان سے ہو تو وہی فرد خاصۃً مامور بہ بن جاتا ہے اور اس کے عوارض میں اگر کوئی نقصان ہو تو اس نقصان کا ترک کرنا لازم ہوگا نہ اس فرد کا یہ حال وجوب تقلید شخصی کا ہے۔ اسی واسطے تقلید غیر شخصی کو فقہاء نے کتابوں میں منع لکھا ہے مگر جو عالم غیر شخصی کے سبب مبتلا ان مفاسد مذکورہ کا نہ ہو اور نہ اس کے سبب سے عوام میں ہیجان ہو اس کو تقلید غیر شخصی اب بھی جائز ہوگی۔ مگر اتنا دیکھنا چاہیے کہ تقلید شخصی و غیر شخصی دو نوع ہیں کہ شخصیت و غیر شخصیت دونوں فصل ہیں۔ جنس تقلید کی کہ تقلید کا وجود بغیر ان فصول کے محال ہے۔ کیونکہ یہ فصول ذاتیات میں داخل ہیں۔ پس اس کا حال قیود مجلس میلاد سے جدا ہے۔ بادی النظر میں یہ دونوں یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ اگر غور کیا جائے تو واضح ہے کہ ذکر ولادت جدا شے ہے اور فرش وفروش و روشنی وغیرہ قیود مجوشہ کوئی فصل ذکر کی نہیں بلکہ امور منضمہ ہیں۔ کہ بدون ان کے ذکر ولادت حاصل ہو سکتا ہے۔ سو ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں۔ معہذا اوپر کے کلیہ سے مباح منضم کا حال معلوم ہو چکا کہ جب تک اپنی حد پر ہوگا جائز اور جب اپنی حد سے خارج ہوا تو ناجائز۔ اور امور مرکبہ میں اگر کوئی ایک جزو بھی ناجائز ہو جائے تو مجموعہ پر حکم عدم جواز کا ہو جاتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مرکب حلال و حرام سے حرام ہو جاتا ہے۔ یہ کلیہ فقہ کا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس تقریر سے آپ کی اس طویل تحریر کا جواب حاصل ہو گیا ہوگا۔ جو آپ نے دربارہ تقلید لکھی ہے۔ لہٰذا زیادہ بسط کی حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ تم خود فہیم ہو اس مسئلہ کے باب عقائد میں سے ہونے کا سبب دریافت فرمایا ہے سو غور کیجئے کہ جو امور متبدع اور محدث ہیں ان سب کو ناجائز اور موجب ظلمت عقیدہ کرنا واجب ہے۔ پس یہ اعتقاد کلیات میں داخل ہے۔ اگرچہ عمل ان کا عملیات سے ہے یہی وجہ ہے کہ کتب کلام میں جواز مسح خف و جواز اقتدا فاسق و جواز صلوۃ علی الفاسق بھی لکھتے ہیں کیونکہ گویا یہ اعمال ہیں مگر اعتقاد و جواز اعتقادیات میں داخل ہیں۔ آپ نے تشبہ منہی عنہ کی تعریف دریافت کی ہے۔ سو تشبہ امر مذموم میں مطلقاً حرام ہے اور جو امر غیر مذموم مباح ہے وہ اگر خاصہ کسی قوم کا ہو تو بھی ناجائز اور اگر بقصد تشبہ کوئی فعل کیا جائے تو وہ مطلقاً نادرست ہے۔ سوائے اس کے اور سب درست ہے اور یہ بحث براہین قاطعہ میں بسط سے لکھی گئی ہے۔ اس میں دیکھ لیں اور یہ بھی استطرادا لکھتا ہوں کہ شارح منیہ شرح کبیری منیہ میں جو دہلی میں چھپ گئی ہے صلوٰۃ الرغائب کی کراہت کے جو وجوہ لکھے ہیں ان کو آپ دیکھیں کہ مجلس مولود کا حال اس پر قیاس کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ رہا حبس دم سو وہ فی نفسہ مباح ہے اور عقلاً اس میں چند منافع ہیں۔ جذب رطوبات اور جلب حرارت اور رفع تشتت خواطر چنانچہ اطباء اس کو صراحۃً

معالجہ رطوبت قلبیہ میں تحریر کرتے ہیں اور ہر عاقل اس کو جان سکتا ہے لہٰذا جوگیوں نے مورث صفائے باطن جان کر اس کو اختیار کیا۔ اور اسلامیین نے بھی اس وجہ سے اس کو اختیار کیا جوگیوں کا فعل ہونے کی وجہ سے نہیں لیا بلکہ عقلاً اس کو نافع سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ اسی واسطے قادریہ و چشتیہ کے یہاں چونکہ حرارت کی ضرورت ہے۔ انہوں نے اس کو موکدا اپنے اعمال میں داخل کیا اور نقشبندیہ کے یہاں استحسانا کہ وہ حرارت کو ضروری نہیں جانتے مگر بعض درجہ میں بعض وجہ سے یعنی وجہ سے یعنی بوجہ استحکام ذکر اس کو مستحسن سمجھتے ہیں اور سہروردیہ کے ہاں چونکہ حرارت کی مطلقاً حاجت نہیں لہٰذا ان کے ہاں ممنوع ہے بلکہ وصول کے واسطے عدم حبس کو شرط کرتے ہیں۔ پس اس کا اختیار کرنا اس ضرورت کے واسطے ہے اور حبس خاصہ جوگ کا نہیں بلکہ یہ امر عقلی ہے کہ سب عقلاء اپنے اپنے موقع پر اس کو کرتے ہیں۔ اور نظیر اس کی شرع میں موجود ہے کہ تشہد میں رفع سبابہ کرکے ادامۃ النظر الی السبابہ مشروع ہے۔ اور غض بصر تحصیل خشوع کے واسطے اور غض بصر غیر محارم سے رفع تشتت کے واسطے۔ پس اس میں تشبہ کا کیا امکان ہے یہ کوئی امر حسی نہیں اور نہ خواص کفار سے اور متضمن منافع ضروریہ کا لہٰذا اس کے جواز میں کلام نہیں ہو سکتا۔ اور انگرکھا ہر دو فریق میں شائع ہے۔ اس میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ پردہ کا فرق ہے سو اس میں تشبہ حرام ہے علیٰ ہذا رجعت قہقری خاصہ کسی قوم کا نہیں ہے۔

التزام مالا یلزم بدون اعتقاد وجوب بھی ممنوع ہے۔ اگر باصرار ہو۔ اور اگر امر مندوب پر دوام ہو بلا اصرار وہ جائز ہے اور مستحب ہے۔ بشرطیکہ عوام کو ضرر نہ کرے اور اگر عوام کے اعتقاد میں نقصان ڈالے تو وہ بھی مکروہ ہے۔ چنانچہ کتب فقہ میں سور مستحبہ کا التزام مکروہ لکھا ہے اور سورہ قل ہو اللہ احد کی صورت میں جو آپ نے لکھا ہے خود بھی غور فرماؤ کہ جب اس صحابی نے اس پر التزام کیا اور جملہ صحابہ نے اس پر اعتراض کیا تو اعتراض صحابہ کا اس التزام پر بلا وجہ شرعی نہ تھا۔ اسی واسطے جب جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ امر پیش ہوا تو آپ نے صحابہ کو منع نہ فرمایا۔ کہ اس امر پر کیوں اس کے ساتھ تکرار کرتے ہو۔ بلکہ خود ان کو بلا کر پوچھا کہ ان کا کہنا کیوں نہیں مانتے ہو۔ پس اگر یہ امر ناجائز و موہم نہ ہوتا تو آپ صحابہ کو ہی منع کر دیتے اور جب اس شخص نے اپنی محبت کا حال بیان کیا تو اس وقت آپ نے ان کو اجازت دی کہ فی حد ذاتہ یہ امر جائز تھا اور فعل اس صورت کا محقق تھا اور اس اجازت سے ایہام رفع ہو گیا تھا۔ کیونکہ ایہام کا غیر مشروع ہونا سب صحابہ پر واضح ہو گیا۔ کیونکہ اس وقت کے آدمی ایسے عوام کے درجہ میں نہ تھے کہ باوجود اس واقعہ کے پھر بھی اس کو واجب جانتے اور پچھلوں کے واسطے یہ انکار صحابہ کا اور تقریر ان کے انکار کی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہونا حجت ہو گیا تو اس واقعہ سے کچھ شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس بحث کو براہین میں بسط سے لکھا ہے۔ مگر آپ نے اس کتاب کو دیکھا ہی نہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص

براہین کو اول سے آخر تک بتدبر دیکھئے تو باب بدعات میں اس کو کوئی شبہ نہ ہو کیونکہ اس کے مؤلف نے اس باب میں سعی بلیغ کی ہے۔ جزاہ اللہ خیر الجزا اگر آپ کو اب بھی کوئی شبہ ہو تو بندہ کی طرف سے اجازت ہے آپ اس کو ظاہر کریں۔ اگر گنجائش جواب ہوگی تو انشاء اللہ تعالیٰ جواب لکھوں گا۔ ورنہ خیر مگر تحریرات بندہ کو تدبر سے محفوظ کر کے اس کے بعد شبہ کرنا چاہئے۔ عوام علماء کو جو جرات ارتکاب بدعت کی ہوئی تو کلام اہل حق کے عدم فہم سے ہوئی۔ فقط والسلام علیکم وعلی من لدیکم۔ ۲۵۔ محرم ۱۳۱۵ھ

پانچواں مراسلہ از مولانا المولوی اشرف علیؒ:

بوالا خدمت بابرکت قدوۃ العرفاء زبدۃ الفضلاء حضرت مولانا رشید احمد صاحب دامت برکاتہم تسلیم بصد تعظیم قبول باد۔ والا نامہ شرف صدور لایا۔ معزز فرمایا۔ حضرت عالی کے ارشادات سے اس عمل کے جو مفاسد علیہ وعملیہ عوام میں غالب ہیں۔ پیش نظر ہوگئے اور ارادہ کر لیا کہ ہرگز ایسی مجالس میں شرکت نہ ہوگی۔ اب یہاں کی حالت عرض کر کے حکم کا انتظار ہے۔ الحمد للہ کہ میں یہاں نہ کسی کا محکوم ہوں نہ کسی سے مجبور۔ مگر پوری مخالفت کر کے قیام دشوار ہے۔ گو اب بھی یہاں کے بعض علماء مجھ کو وہابی کہتے ہیں اور بعض بیرونی علماء بھی یہاں آکر لوگوں کو سمجھا گئے کہ یہ شخص وہابی ہے اس کے دھوکے میں مت آنا۔ مگر چونکہ من وجہ عوام سے موافقت عملی تھی اس لئے کسی کی بات نہ چلی۔ اب چونکہ شرکت عملی کا بھی ارادہ نہیں تو دقتیں ضرور پیش آئیں گی۔ اب تین صورتیں محتمل ایک یہ کہ ایسے مواقع پر کوئی حیلہ کر دیا کروں گا مگر ان کا ہمیشہ چلنا محال ہے۔ دوسرے یہ کہ صاف مخالفت کی جائے مگر اس میں نہایت شور وفتنہ ہے۔ جس کی حد نہیں۔ دنیاوی مضرت یہ ہے کہ اس میں جہلاء عوام سے ایذا رسانی کا اندیشہ ہے۔ دینی مضرت یہ کہ اب تک جو ان لوگوں کے عقائد واعمال کی اصلاح کی گئی سب بے اثر و بے وقعت ہو جائیگی اس بدگمانی میں کہ یہ شخص تو وہابی ہے اب تک پوشیدہ رہا۔ تیسری صورت یہ کہ یہاں کا تعلق ملازمت ترک کر دیا جائے اور میں تو اس صورت کو بلا انتظار حکم عالی اختیار کر لیتا۔ مگر دو امر کا خیال ہوا ایک یہ کہ خود سبب معیشت کو ترک کرنا اکثر موجب ابتلاء وامتحان ہوتا ہے کہ خدا جانے اس کا تحمل ہو یا نہ ہوا اور اموال موروثہ کا تیا پانچہ پہلے سے کر چکا ہوں اور دوسری جگہ تعلق ملازمت سے اعلیٰ حضرت منع فرما چکے ہیں اور میرا بھی دل نہیں چاہتا۔ دوسرا خیال یہ ہوا کہ بظاہر پھر بقاء مدرسہ کا دشوار ہے اور یہاں دین کا چرچا عوام وطلبا میں اس مدرسہ ہی کے سبب ہے۔ ورنہ عوام میں دہریت خواص میں فلسفیت کا بڑا زور تھا۔ حضور کے امر سے یہ دونوں اندیشے مرتفع ہو جائیں گے یعنی انشاء اللہ مجھ کو بھی دشواری پیش نہ آئے گی یا اگر آئے گی تو اس کے برداشت کی قوت ہو جائے گی اور مدرسہ بھی حضور کی دعا سے چلتا

رہے گا۔ اب جو ارشاد ہو عمل میں لاؤں۔ یہاں ربیع الاول وآلاخر میں ان مجالس کی زیادہ کثرت ہے سو اگر شق ثالث کا حکم ہو تو اختتام صفر تک اس کا انتظار کرلوں۔ حقوق وغیرہ ادا کر دوں مدرسہ کا کوئی مناسب انتظام بتدریج کر دوں اور اب سے انشاء اللہ تعالیٰ کوئی نیا کام بلا استجازۃ حضرت والا کے وقوع میں نہ آئے گا اور اگر غلطی سے کوئی امر صادر ہو جائے۔ تو بے تکلف احقر کو متنبہ فرما دیا جایا کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ امتثال امر میں کوتاہی نہ ہوگی۔ اب جواب عریضہ کے ساتھ اس امر سے بھی اطمینان فرما دیا جائے کہ اب تو حضور کو کسی قسم کی ناخوشی اس خادم سے نہیں ہے۔ زیادہ حد ادب۔ بخدمت مولوی محمد یحییٰ صاحب سلام مسنون۔ اشرف علی از کانپور۔ ۲۹۔ محرم ۱۳۲۵ء ہجری انتہے۔

اس کے جواب میں حضرت قدس سرہ نے مولانا کے اس رجوع الی الحق کا شکریہ اور اس پر شاباش تحریر فرمائی اور جواب الجواب میں مولانا مدظلہ کی طرف سے شکریہ آکر کتابت ختم ہوئی۔ ختم اللہ لنا بالحسنٰی آمین۔

ترجمہ مراسلات

اللہ کے لئے ہے سب تعریف اور سلام اس کے افضل واعلیٰ پیغمبر پر اس کے بعد از بندہ دلیل بخدمت مخدوم ومطاع جلیل السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور مشتاق دل کے اظہار شوق کے بعد عرض ہے کہ دریں ایام مولوی منور علی صاحب سے ملنے کا بندہ کو اتفاق ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت مولانا تم سے ناراض ہیں۔ کیونکہ تم نے اپنے بعض اقارب کا وہ طرز عمل اختیار کرلیا ہے جو حضرت کے طریق عمل کے خلاف ہے۔ پس ضرور ہے کہ آپ معذرت کریں اور مولانا کو راضی کریں۔ یہ خبر سنکر مجھے نہایت صدمہ اور بہت رنج ہوا۔ اپنے آپ کو میں نے ملامت کی اور بیچ کے سوائے کسی شے کو نجات دینے والا نہ سمجھا۔ پس اے ہمارے آقا میں اس وقت حیرت اور طلب کے دریا میں ڈوبا ہوا تھا اور اس بات کا متجسس تھا کہ کوئی مجھ کو اس رنج وفکر سے چھڑالے۔ ناگاہ میرے قصد اور ارادے کے بغیر قریب سے ایک منادی نے مجھے پکارا۔ کہ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے تجھے اس گہرے سمندر سے نجات دوں گا۔ اور ظاہر ہے کہ ڈوبتا ہوا شخص تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے کیونکہ وہ پریشانی اور تشویش میں مبتلا ہے اور میرا تو یہ حال تھا کہ اپنے پیارے فریاد رس طبیب (اعلیٰ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) سے کئی دریا ورے پڑا تھا۔ پس اس ندا کی طرف جھک گیا۔ مگر باوجود اس کے میں نے بزرگوں کی اس نصیحت کو ایک دن بھی نہ چھوڑا کہ ''صفا صفا لے لو اور گدلا گدلا چھوڑ دو''۔ پھر جب میری تقدیر نے اس ندا کنندہ کی خاکبوسی نعلین تک مجھ کو پہنچا دیا اور ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے ارادت تجدید کرلی اور اس امید پر کہ شاید مافات کی مکافات ہو جائے مگر جب واپس ہوا ہوں تو پیاس بڑھی ہوئی پائی اور قریب تھا کہ (دھوکا کھاؤں) سپیدریت کو بہتا ہوا پانی سمجھ جاؤں اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ سوائے حیرت ووحشت کی زیادتی اور سنگدلی ودہشت کی ترقی کے کچھ نہ پایا۔ تب میں نے اپنے پیارے کو سارا حال لکھ کر بھیجا اور دل سے یوں عرض کیا۔

میرے مرشد مرے مولیٰ مری وحشت کے انیس
مری دنیا کے مری دین کے اے جاہ پناہ
مرے فریاد رسا مجھ پہ ترس کھاؤ کہ میں
آپ کی حب کے سوا رکھتا نہیں توشہ راہ
خلق فائز ہو شہا آپ سے اور میں حیران

رحم کی ہادیٔ من اب تو ادھر کو بھی نگاہ
میرے سردار خدا واسطے کچھ تو دیجے
آپ معطی ہیں مرے میں ہوں سوالی اللہ

پس اعلیٰ حضرت نے مری معذرت قبول فرمائی اور مدد کی اور محبت وبزرگی کے ساتھ لیا اور سلامتی کے کنارے پر لا کھڑا کیا۔ جس کے سبب بہ شوق میں نے اس طرح نغمہ سرائی کی اور بہ ذوق یہ ابیات پڑھیں۔

دوش وقت سحر از غصه نجاتم دادند
واندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند
کیمیائیست عجب بندگی پیر مغاں
خاک او گشتم وچندیں در جاتم دادند

ڈس لیا عشق کی ناگن نے کلیجہ میرا
کون منتر پڑھے اور کس سے رکھوں جان کی آس
ہاں وہ جاناں کہ مری جان ہے جس پر قرباں
جھاڑنا جانتا ہے رکھتا ہے تریاق کو پاس

اور میں بخدا راضی ہوں اللہ کو رب سمجھنے سے اور اسلام کو دین بتانے پر اور محمد ﷺ کو نبی ماننے اور اپنے شیخ حضرت امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو عالم کا مرشد اور ولی اور آپ کو اے ہمارے آقا راہبر اور ہدایت یاب سمجھنے سے سو جو کچھ عرض ہوا یہ ہے میرا قصہ اور حقیقت الامر جو بخدا عین صدق اور محض حق ہے۔ جس میں نہ جھوٹ ہے نہ افترا اور نہ دھوکا ہے نہ مزاح۔ پس اے مرے سردار اللہ واسطے میرا عذر اپنے اخلاق سے قبول فرماؤ۔ اور کان بھی نہ لگائیے کسی بدگو عیب جیں چغل خور کی طرف مجھے اپنی جماعت سے ہرگز خارج نہ سمجھے۔ میں تو واقعی امید رکھتا ہوں کہ آپ کے ساتھ محشور ہوں گا قیامت کے دن ولیکن میری ہمت اس کی متحمل نہیں ہو سکتی کہ کھلم کھلا (ندا کنندہ کی) مخالفت کرنے لگوں کیونکہ ممکن ہے وہ شخص خدا کے نزدیک بارتبہ ہو۔ پس اس کو ایذا پہنچانی موجب ذلت وخسارہ بن جائے۔ اس میں شک نہیں کہ میں اس کو مستحق ملامت گروہ میں سمجھتا ہوں ولیکن امامت کا منصب نہیں (کہ روک سکوں) ہاں اپنے نفس پر میں نے لازم سمجھ لیا ہے کہ جو طریق سنت وکتاب اللہ کے مخالف ہو اس کا انکار بالائے منبر اور اندرون محراب کرتا ہوں اور میری مصلحت اس کو مقتضی ہے کہ یہ راز مخفی رہے تاکہ مجھے کوئی ضرر یا شر نہ پہنچے اور اسی کی آپ کی جناب سے اور نیز خطوط کے پڑھنے والے سے امید بھی ہے کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ اس کے بعد کوئی بات پیدا فرما

دیں اور یہ راز آشکارا ہو جائے۔ مجھے سرتاپا انتظار تصور فرمائیں۔ اس کا کہ آنحضرت کے مجھ سے راضی ہو جانے کا مژدہ مجھ تک پہنچے۔ حق تعالیٰ سدا راضی رہیں۔ ہم سے اور آپ سے اور تمام مسلمانوں سے بطفیل محمد ﷺ کے ۲۹۔ ذیقعد ۱۳۱۴ھ

جواب حضرت مولانا قدس سرہٗ

اللہ کی عطاؤں پر اور اس کی حمد اور اس کے رسول اور آل رسول پر صلوٰۃ کے بعد مطالعہ فرمادیں آپ کا خط پہنچا۔ مضمون پڑھا آپ کی معذرت ظاہر ہوئی مجھے آپ سے محبت ہوئی کہ آپ نے طریق سنت کو محبوب سمجھا اب تو مجھ میں آپ میں کوئی امر خلاف اور بدگمانی کا رہا ہی نہیں۔ بجز اس کے کہ میں سنتا ہوں آپ چند امور ایسے اختیار کئے ہوئے ہیں جو میرے نزدیک بدعت ہیں۔ اور شاید آپ بھی ان کو شریعت میں داخل تو نہ سمجھتے ہوں گے۔ تاہم آپ جیسے شخص سے اتنا بھی بعید ہے۔ اپنے بزرگوں کے طریق سے روگردانی کرنے والا صاحب رشد وخلف رشید نہیں ہے، اب رہا۔ (اس شخص سے) بیعت میں جلد کرنا اور پھر اس سے رجوع کے ساتھ اس کی تلافی سو اس کو میں پسند نہیں کرتا کہ گناہ تو علانیہ ہو اور توبہ خفیہ یہ ظاہر ہے کہ توبہ حسب گناہ ہونی چاہئے۔ بھلا یہ پوشیدہ توبہ کیونکر کافی ہو سکتی ہے۔ درآنحالیکہ اس شخص کے اطراف بلاد میں لوگ آپ کا اقتدار کرتے ہیں حتی کہ آپ کی بیعت نے ان اطراف میں اس شخص کی رونق بڑھادی۔ رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں کہ جس نے کسی طریق مستحسن کی بنا ڈالی تو اس کو اس کا بھی اجر ملے گا اور جو بھی اس طریق پر عمل کرے گا سب کا اجر اس کو حاصل ہوگا اور جس نے کسی برے طریق کی ڈگر ڈالی تو اس پر اس کا بھی گناہ ہے اور ان سب کا وبال اسی کی گردن پر ہے جو آیندہ اس پر عمل کریں گے"۔ نیز حضرت نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے بدعتی کی توقیر کی اس نے دین کے منہدم کرنے میں اعانت کی تو اس کا اندیشہ ہے کہ دوسروں کو گمراہ بنانے کا گناہ آپ پر نہ ہو۔ بغور سوچئے آیندہ آپ اپنے حال سے زیادہ واقف ہیں۔

واللہ علی ما نقول وکیل

۵۔ ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ